٧٨٦

الٰہی غنچۂ امید بکشا

این کتاب مسمّٰی بہ

تاریخ اسلام

سستی کتابیں ملنے کا پتہ

ملک دین محمد اینڈ سنز پبلشرز و تاجران کتب
کشمیری بازار لاہور

وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنّھم فی الارض

تاریخ اسلام

حصہ چہارم

سنہ ۱۳۲ھ تا سنہ ۹۲۳ھ

مطابق

سنہ ۷۵۲ء تا سنہ ۱۵۱۷ء

مع

مکمل تاریخ خلفاء عباسیہ

مؤلفہ

شوق (امرتسری)

(بعد حصول حقوق)

حسب فرمائش

ملک دین محمد اینڈ سنز پبلشرز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور

جس کو

ملک دین محمد نے باہتمام ابوالحمید پرنٹر عبدالحمید فیروز پرنٹنگ ورکس بیرون دروازہ نمبر ۱ لاہور سے طبع کرا کر کشمیری بازار لاہور سے شائع کیا

فہرست مضامین تاریخ اسلام جلد چہارم خلافت عباسیہ

تاریخ اسلام

جلد چہارم

سنہ ۱۳۲ھ تا سنہ ۹۲۳ھ

مطابق سنہ ۷۵۲ء تا سنہ ۱۵۱۷ء عیسوی

خلافت عباسیہ

ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں لکھ چکے ہیں کہ مسلمانوں نے بنی ہاشم میں خلافت اور نبوت دونوں منصبوں کو اکٹھا کر دینا پسند نہیں فرمایا تھا۔ اس لئے انکے علاوہ قریش کے دوسرے گھرانوں میں بیعت کی۔ مگر بنی ہاشم نے دیگر قبائل کی اسبابت کو پسند نہیں کیا۔ بلکہ اُن کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ ہم اس منصب کے لئے دوسرے قبائل سے بہترین ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ یہ لوگ خلافت کو اپنے قبضے میں رکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ان میں کئی گروہ تھے۔ ایک گروہ کا منشایہ تھا کہ خلافت حضرت فاطمہ زہرا رضؓ کی اولاد میں رہے۔ دوسرا گروہ محمد بن حنیفہ کو (جو حضرت علی رضؓ کی دوسری بیوی کے بطن سے تھے) خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ اور عباسی (یعنی حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضؓ کی اولاد) ان دونوں

جماعتوں کو اپنی طرف بلا رہے تھے۔

چنانچہ جب وقت بنی اُمیہ کی کمزوری اور انکی قوت کی پراگندگی عیاں ہو گئی تب لوگوں کو بھی انکی اطاعت سے باہر نکلنے میں آسانی ہونے لگی خصوصاً بعض لوگ تو طمع نفسانی یا جان کے خوف سے بنی اُمیہ کے اطاعت گزار بنے ہوئے تھے۔ اور دل سے یہی چاہتے تھے کہ خلافت بنی ہاشم کا ہی حق ہے۔

ابومسلم خراسانی حکومت بنی اُمیہ کے آخری خلیفہ مروان حجاز کے عہد میں عباسیوں کو ایک دلیر اور مدبر شخص ابومسلم خراسانی مل گیا تھا۔ جو خراسان کا رہنے والا تھا۔ عباسیوں نے اُسے اپنے وطن خراسان کی جانب بھیجا۔ تاکہ وہاں جاکر وہ لوگوں کو عباسیوں کی طرف سے بیعت لے۔

چنانچہ ابومسلم خراسانی نے اپنے کام کو نہایت کوشش سے انجام دیا اور آل عباس کے لئے خلافت کے ساز و سامان مہیا کر دیئے۔ اور ۱۳۲ھ میں زمام خلافت خلافت عباسیہ کے خلیفہ اول سفاح کے سپرد کر دی۔

عباسی حکومت کی بنیاد قائم کرنے میں ابومسلم خراسانی کو نمایاں حیثیت حاصل ہے حکومت بنی اُمیہ کے بارہ میں یوں چاہئے کچھ کہا جائے۔ لیکن بنی اُمیہ کا عہد خلافت دراصل عربی حکومت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے کیونکہ انکے عامل قاضی اور تمام ارکان سلطنت اہل عرب تھے۔ صرف چند منشی اور طبیب اور اسی قسم کے بعض پیشہ دربار اہل ہنر تو بے شک غیر ملکی تھے ورنہ خلیفہ سے لیکر ادنیٰ ملازم تک تمام لوگ خاص عرب ہوتے تھے۔ برخلاف اسکے عباسیہ حکومت میں فارسی عنصر غالب ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ اہل فارس نے حکومت دلانے میں عباسیوں کی بہت مدد کی تھی۔ اس لئے عباسیوں نے اہل فارس کے سربرآوردہ لوگوں کو اپنا وزیر بنایا۔ اور انکو عربی سلطنت میں حصہ دیا۔

سنہ ۱۳۲ھ تا سنہ ۱۳۶ھ

سفاح بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس۔ تاریخ خلافت ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۳۲ھ عہد خلافت چار سال آٹھ ماہ

سفاح نے اپنی معتقدین سے شہر کوفہ میں بیعت لی اور بروز جمعہ خطبہ میں فرمایا "تمام تعریف و توصیف اس خدا کو ہے جس نے اسلام کو اپنا دین انتخاب فرمایا۔ اور اس دین کے تمام مذاہب پر شرف کیا۔ اور ہمیں اس پر چلنے کی ہدایت فرمائی۔ اس کے بعد تمام لوگوں کو مذہب اسلام کی تلقین کرتے ہوئے ظالموں سے بدلہ لینے کی ہدایات کیں۔ اور بیعت پر قائم رہنے کی تلقین کی۔"

سفاح نے دفتروں میں سے اہل عرب کے عہدوں پر ترکوں کو فائز کیا۔ اور بجائے کوفہ کے بغداد سے مغرب کی طرف دریائے فرات کے کنارے شہر انبار اپنا دار الخلافہ قرار دیا۔ اور اسی جگہ بعارضہ مرض چیچک اس کا انتقال ہوا۔

سنہ ۱۳۶ھ تا سنہ ۱۵۸ھ

ابو جعفر منصور تاریخ خلافت محرم سنہ ۱۳۶ھ عہد خلافت ۲۲ سال

سفاح کے بعد اس کا بھائی ابو جعفر منصور تخت خلافت پر متمکن ہوا۔ منصور نہایت بارعب دلیر مدبر اور عالم شخص تھا لیکن ساتھ ہی اس کے وہ دولت کا شائق اور جلد باز تھا۔ ملکی انتظام اور حکومت کے اقتدار کے باعث منصور کا نام اسلامی بہادروں میں شمار ہوتا ہے۔

اس نے کوفہ کے قریب ایک شہر آباد کر کے اسکا نام ہاشمیہ قرار دیا۔ جس وقت یہ شہر خوب آباد ہو چکا تو اتفاقاً اسے ایک فرقہ سے جنگ کرنا پڑی جو راوندیہ کے

نام سے مشہور ہے۔ اس جنگ کے باعث خلیفہ منصور نے اس شہر کو ناپسند کر دیا۔ ایک وجہ اور بھی تھی وہ یہ کہ یہاں سے کوفہ قریب تھا اور کوفہ والوں سے منصور کو سخت نفرت تھی۔ کیونکہ وہاں کے رہنے والوں نے حضرت علیؓ اور حضرت حسین رضؓ کو شہید کر دیا تھا چنانچہ منصور نے ہاشمیہ کو چھوڑ کر شہر بغداد تعمیر کرایا۔ جو اس وقت اسلامی شہروں میں سب سے زیادہ مشہور ہے۔

شہر بغداد کی بنا منصور کا عہد خلافت شروع سے اخیر تک لڑائیوں اور فتوحات میں بسر ہوا

مسلم خراسانی کا قتل منصور نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی ابو مسلم خراسانی کو محض اس خوف سے قتل کرا دیا تھا کہ وہ فارس کا رہنے والا تھا چونکہ اس کا اقتدار بہت بڑھا ہوا تھا مبادا کسی وقت وہ عرب کا حکمران نہ بن بیٹھے۔ لیکن یہ عجیب تماشہ ہے کہ منصور نے ہی اپنے عہد میں فارس کے بہت سے لوگوں کو اپنی سلطنت میں مامور کیا تھا

امام ابو حنیفہ رضؓ کا قید خانہ منصور میں انتقال یہ وہی خلیفہ ہے جس نے حضرت امام ابو حنیفہ کو عہدہ قضا سے انکار کرنے پر قید کرنے کا حکم دیا اور اسی قید میں آپ کی روح مبارک جنت الفردوس میں پرواز کر گئی۔ اس کے عہد خلافت کے مشہور واقعات یہ ہیں۔

سنہ ۱۳۸ھ میں عبدالرحمٰن بن معاویہ نے اندلس کو مکمل طور پر فتح کیا۔

سنہ ۱۴۰ھ ہجری میں منصور نے شہر بغداد کی بنا ڈالی۔

سنہ ۱۴۱ھ ہجری میں اہل ربوندر مرتد ہو گئے اور منصور نے انکو قتل کر دیا۔

سنہ ۱۴۳ھ ہجری میں علماء اسلام نے علم حدیث و فقہ و تفسیر کی کتابوں کو مدون کرنا شروع کیا۔ چنانچہ مکہ شریف میں ابن جریج رحؒ نے۔ مدینہ شریف میں مالکؒ نے

علمائے اسلام شام میں اوزاعی اور بصرہ میں ابی عروبہ و حماد بن مسلمہ وغیرہ یمن میں

معمر نے۔ کوفہ میں سفیان ثوری نے کتب احادیث مرتب کیں۔ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ کی کتابیں لکھیں۔ ابن اسحاق نے مغازی تالیف کی۔

اس کے علاوہ لغت تاریخ رجال سیر وغیرہ کی قابل قدر کتابیں مختلف علما نے تصنیف کیں۔

علوی اور عباسیوں میں جنگ

۱۴۵ھ میں محمد و ابراہیم وغیرہ نے منصور سے جنگ کی۔ لیکن منصور نے انکو قتل کر دیا۔ یہ پہلا واقعہ ہے جو عباسیوں اور علویوں میں ظہور پذیر ہوا۔ اس معرکہ میں بہت سے علما بھی مارے گئے۔

جنگ قبرس

۱۴۶ھ میں جنگ قبرس ہوئی۔

۱۴۷ھ میں منصور نے اپنے چچا عیسیٰ بن موسیٰ کو ولیعہدی سے معزول کر دیا۔ حالانکہ منصور کے والد سفاح نے اسکو ولیعہد مقرر کیا تھا۔ اس کے بدلے اُسنے مہدی کو ولیعہد بنایا۔

۱۴۸ھ میں تمام ممالک پر منصور کا تسلط ہو گیا۔ اور اُس نے امیر کا لقب اختیار کیا

۱۴۹ھ میں شہر بغداد تیار ہو گیا۔

خراسان کی فوج کی بغاوت

۱۵۱ھ ہجری میں خراسان کی فوج نے بغاوت اختیار کی اور خراسان کے اکثر حصوں میں انکا سردار قابض ہو گیا۔ منصور کو اس بغاوت نے مشتعل کر دیا اور اُس نے تین ہزار فوج اجثم کی ماتحتی میں روانہ کی۔ لیکن اجثم اس معرکہ میں قتل ہو گیا اس کے بعد حازم بن خزیمہ کو بڑی بھاری فوج باغیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کی اس جنگ میں مسلمانوں کی ستر ہزار جانیں تلف ہوئیں۔ آخر منصور کی فوج منصور ہوئی۔

شہر صافہ کی بنیاد اور منصور کی وفات ماہ ذی الحجہ ۱۵۸ھ

۱۵۸ھ میں شہر صافہ بسایا گیا۔ اور اسی سال میں منصور نے مکہ شریف کے نائب حاکم سفیان ثوری کو حکم بھیجا کہ عباد بن کثیر کو گرفتار کر کے بھیج دیا جائے۔ اس حکم کی تعمیل میں لوگوں کو اسباب کا سخت اندیشہ تھا کہ عباد بن کثیر کہیں قتل نہ کئے جائیں۔ مگر انہیں دنوں میں ایام حج کا موقعہ آگیا۔ چنانچہ جب منصور مکہ میں داخل ہوا تو بیمار ہو گیا اور اسی بیماری میں اس کا انتقال ہو گیا۔

۱۵۹ھ تا ۱۶۹ھ

مہدی بن منصور تاریخ خلافت ماہ ذی الحجہ ۱۵۸ھ عہد خلافت دس سال

منصور کے بعد اس کا بیٹا مہدی خلیفہ ہوا سب سے پہلے ابودلامہ جو ایک مشہور عربی مورخ ہے اس نے اس خلیفہ کی مبارکباد اور منصور کی تعزیت کے اشعار لکھ کر پیش کئے۔

عربی مورخ ابودلامہ

۱۵۹ھ میں اس خلیفہ نے اپنے دو بیٹوں میں سے اپنے بعد ہادی کو اور ہادی کے بعد ہارون الرشید کو ولیعہد خلافت مقرر کیا۔

۱۶۰ھ ہجری میں ملک ہندوستان پر حملہ کیا گیا اور اسی وقت سے سرزمین ہند میں اسلامی حکومت کی بنیاد پڑی۔

۱۶۱ھ ہجری میں مہدی نے مکہ شریف کی سڑک اور سرائیں۔ و پانی کے حوض بنائے۔

۱۶۲ھ ہجری میں ملک روم کا بہت سا حصہ فتح ہوا۔

۱۶۶ھ ہجری میں مہدی قصر السلام میں آگیا۔ اور مکہ شریف و مدینہ شریف نیز یمن

کے مابین ڈاک کا سلسلہ قائم کیا۔

۱۶۷ھ ہجری میں مسجد حرام کو وسیع کیا۔

مہدی کی وفات ۲۲ محرم ۱۶۹ھ ۱۶۹ھ ہجری میں مہدی کا انتقال ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

۱۷۰ھ

موسیٰ ہادی
تاریخ خلافت محرم ۱۶۹ھ
عہد خلافت ایکسال ڈیڑھ ماہ

ہادی اگرچہ بارعب شخص تھا۔ لیکن عیاش بھی تھا۔ لیکن تاریخ کے لئے اس کے حالات فراہم نہیں ہو سکے کیونکہ صرف ایک سال ڈیڑھ ماہ تخت خلافت پر متمکن رہا۔

اس کے انتقال کے متعلق بھی مختلف روایات ہیں کسی مورخ کی نظر میں بیماری اس کے مرنے کا باعث ہوئی۔ کوئی جنگل میں گرنے کی نسبت انتقال کی خبر دیتا ہے۔ غرضیکہ جسطرح بھی اسکی موت واقعہ ہوئی ہو بہر حال موت نے زیادہ دیر اسکو حکومت کرنے کا موقعہ نہیں دیا۔ ماہ ربیع الاول ۱۷۰ھ میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

۱۷۰ھ تا ۱۹۳ھ

خلیفہ ہارون الرشید
تاریخ خلافت ربیع الاول ۱۷۰ھ
عہد خلافت ۲۲ سال ۴ ماہ جمادی الآخر

اپنے بھائی موسیٰ ہادی کے بعد ۱۷۰ھ میں خلیفہ ہارون الرشید تخت خلافت پر جلوہ افروز ہوا جو اپنی عظمت اور جلال کے باعث مورخین میں اعظم کے لقب سے ملقب ہوا۔

ہارون الرشید کا زمانہ بباعث ملکی بغاوت کے اگرچہ فتوحات اور توسیع مملکت کا عہد نہ تھا مگر اس کے عہد خلافت میں عربی و ایرانی معاشرت کی آمیزش ہو کے اسلامی

معاشرت بن رہی تھی اور اسلامی فتحمندی و عظمت نیز علوم و فنون اور ادب شاعری کی ترقی سے دنیا کی تہذیب جدید نمایاں ہوئی - خلافت کا دربار اس کے عہد معدلت میں ایک باعظمت و جبروت علمی دربار تھا جس میں تہذیب و تمدن کے تمام شعبے اعلیٰ ترین نشو و نما پا رہے تھے بنی عباس کے عہد میں اہل فارس جو وزارت کے منصب تک پہنچ گئے تھے لیکن خلیفہ ہارون الرشید نے سلطنت میں اہل فارس کی ایسی شرکت دیکھ کر ان لوگوں کو ایسے عہدوں پر فائز کرنے سے احتراز کیا۔

چنانچہ آپ نے یحییٰ بن خالد برمکی کو اپنا وزیر بنایا جس سال یہ شائق علم و ہنر خلیفہ تخت خلافت پر متمکن ہوا - اسی سال یعنی ۱۷۰ھ میں اس نے روم پر حملہ کیا۔ اور ماہ شعبان میں واپس آ کر حج کیا حرمین شریف میں کثرت سے خیرات کی۔

فاتح اسپین - امیر عبدالرحمن کی وفات اور اس کے واقعات

۱۷۳ھ میں یعنی خلیفہ ہارون الرشید کے عہد خلافت کے تیسرے سال امیر عبدالرحمن جس نے اسپین میں اسلامی حکومت قائم کی اور اسی لئے مورخین عرب نے انہیں الداخل کے لقب سے ملقب کیا اس نے شہر قرطبہ کے چاروں طرف چار دیواری قائم کی - جا بجا نہریں جاری کیں - ایک نہایت وسیع مسجد کی بنیاد ڈالی انار اور کھجور کے درخت اسی نے اسپین میں لگائے جو لڑائی میں سب سے پہلے خود ہی حملہ کرتا تھا - غرضیکہ یہ بہادر، اولالعزم - مدبر منتظم سیاست دان امیر جمادی الثانی ۱۷۲ھ مطابق ۷۸۸ء میں شہر قرطبہ میں فوت ہو گیا - اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

اس کے بعد اس کا لڑکا ہشام تخت قرطبہ پر متمکن ہوا جس نے ۸ سال نو ماہ قرطبہ واندلس میں حکومت کی ۱۷۲ھ میں شہر ولیبہ امیر عبدالرحمن بن عبدالملک بن صالح کی سرکردگی میں فتح ہوا

امیر قرطبہ ہشام کی وفات ۱۸۰ھ ہجری میں سخت زلزلہ آیا جس سے اسکندریہ کے مینار گر پڑے اور اسی ہشام بن امیر عبدالرحمن فاتح اسپین نے رحلت کی جس نے اپنے عہد حکومت میں ۱۷۶ھ میں فرانس پر حملہ کر کے اس کے ایک شہر تاربولی پر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ بہادر اور ہردلعزیز امیر ماہ صفر ۱۸۰ھ مطابق ۷۹۶ء میں اس جہان فانی سے چل بسا۔

۱۸۱ھ میں ہارون الرشید نے بذات خود قلعہ صفصاف فتح کیا۔

۱۸۳ ہجری میں ملک آرمینیا میں غدر ہوگیا۔ اور بہت سے مسلمان قتل و قید ہوئے جنکی مجموعی تعداد ایک لاکھ کے قریب تھی۔

۱۸۷ھ میں خلیفہ کے پاس بادشاہ روم نقفور کا خط پہنچا جسکا مضمون یہ تھا۔

"جو ملکہ ہم سے پہلے گزری ہے اس کی وہی حیثیت تھی جو شطرنج میں رخ کی ہوتی ہے پھر وہ ضعیف الرائے عورت تھی۔ لیکن اب تمہیں لازم ہے کہ جو کچھ اس کا مال متاع آپ کے پاس ہے اسے فوراً واپس کر دو ورنہ تلوار ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی۔"

یہ خط پڑھتے ہی ہارون الرشید مشتعل ہوگیا۔ اور اسی وقت اس خط کی پشت پر یہ جواب لکھا۔ "اے مشرک اس رعونت کا جواب دینے کی ضرورت نہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیگا۔"

اس کے واقعہ کے دوسرے ہی روز بذات خود اپنے لشکر کے ساتھ شہر ہرقل کی طرف روانہ ہوگیا۔ اور وہاں وہ میدان کارزار گرم کیا جو اب تک مشہور ہے۔ آخر شاہ روم نے بہادران اسلام سے مجبور ہو کر صلح کی درخواست کی جو ہارون الرشید نے منظور کی ہر سال شاہ روم کی طرف سے دربار خلافت میں خراج آتا رہا۔

۱۸۹ھ میں اہل روم نے مسلمانوں کو وہاں سے ایک ایک کر کے نکال دیا۔

اہل روم کی سرکوبی کے لئے شراحیل بن معن کو فوج کا سپہ سالار بنا کر بھیجا گیا۔ جس نے ۱۹۰ھ میں شہر ہرقلہ فتح کیا اور روم کے بہت سے شہروں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا چنانچہ یزید بن مخلد نے قونیہ فتح کیا۔ اور حمید بن معیوف نے قبرص کو جلا کر خاکستر کر دیا۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ ۱۷۵ھ ہجری میں ہارون الرشید نے اپنی لائق اور عالی دماغ بیوی زبیدہ خاتون کی خوشی کے لئے اپنے خورد سال بچے امین کو اپنا ولیعہد مقرر کیا تھا امین کی عمر صرف ۵ سال کی تھی۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ ایسے خورد سال بچے کو ولیعہد کیسے بنایا گیا تھا۔

خلیفہ ہارون الرشید کے عہد کے علماء اور ان کی وفات

ہارون الرشید بڑا زندہ دل اور ہر ایک علم و ہنر کا قدر دان خلیفہ تھا۔ وہ خود بھی عالم، ادیب، اور شاعر تھا۔ کیوں نہ ہوتا اس کے زمانہ میں۔ مالک بن انس رح۔ قاضی ابو یوسف۔ ابو اسحاق الفزاری۔ ابراہیم بن ابی یحیی۔ (جو امام شافعی کے استاد تھے) اسد الکوفی (امام ابو حنیفہ رح کے شاگرد رشید) اسمعیل بن عیاش۔ بشیر بن مفضل۔ امام الحربیہ۔ ہشیم زاہد۔ محمد بن حسن (شاگرد ابو حنیفہ رح) فضیل بن عیاض امام موسیٰ کاظم۔ موسیٰ بن ربیعہ۔ یعقوب بن عبد الرحمن قاری مدینہ شریف۔ عباس بن احنف مشہور شاعر و دیگر قابل ادب علمائے کرام گذرے ہیں جنہوں نے ہارون الرشید کے عہد خلافت میں ہی وفات پائی۔

فاریاب عرب کا تان سین

جس طرح وہ اہل علم و شعرا کا قدر دان تھا۔ اسی طرح اہل فن کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ خلیفہ ہارون الرشید کے دربار معدلت میں جہاں فقیہ۔ ادیب شاعر دیکھے جاتے تھے۔ وہاں فن موسیقی کے ماہر اکمل بھی تھے۔ چنانچہ عرب کا سب سے بڑا موسیقی دان فاریاب خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں ہی گذرا ہے۔ جو اسحاق نامی کلاونت کا شاگرد رشید تھا۔ فاریاب کہ اگرچہ ایرانی النسل

تھا لیکن عرب میں سکونت پذیر ہوگیا تھا۔ ایک روز ہارون الرشید کی مجلس میں وُہ بھی موجود تھا۔ جو فنِ موسیقی میں اپنے اُستاد اسحٰق سے سبقت لے گیا۔ خلیفہ نے اُس کے اِس کمال کی بڑی قدر دانی کی۔ لیکن اسحٰق کو اِس پر حسد ہوا۔ چنانچہ فاریاب اپنے حاسد اُستاد کا شکار ہونے سے پہلے ہی بغداد سے اسپین چلا گیا۔ اِس وقت فاتح اسپین امیر عبدالرحمٰن ابھی زندہ تھا۔ اُس نے فاریاب کی معقول پنشن لگا دی۔ اور دیگر ضروریات کا خرچ اپنے ذمے لیا

کہتے ہیں کہ فاریاب کی معلومات موسیقی اِس قدر بڑھی ہوئی تھی۔ کہ اُسے ایک ہزار سے زائد راگنیاں یاد تھیں۔ ہر ایک راگ راگنی کو نرالے سروں اور نئے ڈھنگ سے ادا کرتا تھا۔ اُس کے گانے کا طریقہ اِس قدر دلکش تھا۔ کہ جو شخص اِس کا گانا سُن لیتا تھا۔ وُہ محو ہو جاتا تھا۔ اِس کی تعلیم کا طریقہ بھی نرالا تھا۔ اوّل چھوٹے شاگردوں کو اُونچے سروں میں گانا سکھاتا اگر آواز کمزور ہوتی تو کمر میں پٹا باندھ دیتا۔ زبان میں لکنت ہوتی تو لکڑی کا ٹکڑا منہ میں رکھاتا اگر اِس پر بھی کسی شاگرد کی آواز نہ ہوتی تو اُسے شاگردی میں نہ لیتا تھا۔

طرزِ تمدّن میں یہ جدید طریقہ اختیار کرتا تھا۔ جو اِس قدر مرغوب طبع ہوتا تھا۔ کہ عام لوگوں میں رواج پا جاتا تھا۔ چنانچہ عرب میں ایک قسم کی رکابی قاب الفاریاب اسی کے نام سے مشہور ہے۔

خلیفہ ہارون الرشید علم کی ایسی قدر کرتا تھا۔ کہ اُس نے اپنے بیٹوں کو اپنے ساتھ لے کر مؤطا امام مالک کی سماعت کیلئے سفر کیا۔ چنانچہ جس نسخے میں اُس نے پڑھا تھا۔ وُہ شاہان مصر کے پاس موجود تھا۔ اور سلطان صلاح الدین بن ایوب بھی اُسی کو سننے اسکندریہ گیا تھا۔

قاضی فاضل کا قول ہے۔ کہ سوا اِن دو بادشاہوں کے کوئی بادشاہ ایسا نہیں گذرا جس نے طلب علم میں سفر کیا ہو۔

غرضیکہ عہد خلافت کے آخری سال جبکہ خلیفہ ہارون الرشید نے جرجان سے ہوتے ہوئے بحالت علالت ماہ جمادی الثانی ۱۹۳ھ میں طوس پہنچا۔ تو وہیں اِس روشن

دماغ اور خلیفہ اعظم کی روح پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

۱۹۳ھ تا ۱۹۸ھ

امین الرشید ابن ہارون الرشید
تاریخ خلافت جمادی الثانی ۱۹۳ھ
عہد خلافت ۴ سال آٹھ ماہ

ہارون الرشید جب راہی ملک بقا ہوا تو اس کے بڑے بیٹے امین الرشید نے عنانِ خلافت سنبھالی۔ اس نے اپنی طفلانہ مزاجی کا پہلا ثبوت یہ دیا کہ ۱۹۴ھ میں اپنے بھائی قاسم کو اس نے ولی عہدی سے معزول کر دیا۔ حالانکہ اس کے باپ خلیفہ ہارون الرشید نے اس کے بعد قاسم کو ولیعہد مقرر کر دیا تھا۔

۱۹۵ھ میں اس نے علی بن عیسیٰ کو چالیس ہزار فوج کے ساتھ ... اپنے بھائی چچا مامون الرشید کے گرفتار کرنے کیلئے روانہ کیا۔ ادھر مامون الرشید نے بھی خراسان سے طاہر بن حسین کو چار ہزار فوج دیکر روانہ کیا۔ دونوں فوجوں میں خونریزی ہوئی۔ اور آخر کار مامون الرشید کو فتح ہوئی۔ بلکہ طاہر نے خلیفہ امین کے سپہ سالار علی بن عیسیٰ کا سر کاٹ کر مامون الرشید کے پاس خراسان میں بھیج دیا۔

ادھر خلیفہ امین الرشید کے لہو لعب کے باعث فوج کو تنخواہ نہ ملی۔ تو ان میں بھی بغاوت کے آثار پیدا ہو گئے۔

ان وجوہات کے باعث امین الرشید سے رعایا تک بدظن ہو گئی اور مامون الرشید نے اپنی نیک سرشت اور علمی قابلیت کے باعث تمام لوگوں میں اسقدر اپنا اقتدار بڑھایا۔ کہ اہل حرمین تک نے اُن سے بیعت کر لی۔

امین الرشید واقعی حکومت کا اہل نہ تھا۔ اُس کی طفلانہ حرکات سے اُس کی والدہ زبیدہ خاتون تک نالاں تھی۔ چنانچہ وہ ایک مرثیہ میں لکھتی ہے "خدا طاہر کو مطہر نہ کرے اُس نے مجھے کھلے منہ اور کھلے بالوں سے گھر سے نکالا۔ اور میرا گھر تباہ کر دیا۔ ہارون نے

جب سے مجھے دیکھا تھا۔ میری عزت کرتا تھا۔ اور جب سے وُہ دنیا سے چلا گیا۔ میرے نزدیک ناقص الخلق ہو گیا! میرالمومنین کو میری قرابت یاد دلا۔ کہ میں نے تجھ پر اپنی حرمت کو قربان کر دیا ہے۔

امین عیاش بھی تھا۔ اور نفس پرستی میں بہت روپیہ ضائع کرتا تھا۔ انہیں طفلانہ مزاجی کے باعث وُہ بارِ خلافت کا متحمل نہ ہو سکا۔ آخر کار ماہ محرم ۱۹۸ھ میں اپنے بھائی ماموں الرشید کے سپہ سالار کے ہاتھ سے بغداد میں محصور ہو کے مارا گیا۔

۱۹۸ھ تا ۲۱۸ھ

خلیفہ ماموں الرشید امین الرشید کی وفات کے بعد اس کا بھائی ماموں الرشید
تاریخ خلافت ماہ جمادی الآخر ۱۹۸ھ خلیفہ ہوا۔ جو ہارون الرشید سے بھی زیادہ علم دوست
عہد خلافت ۲۰ سال فقیہ۔ حکیم۔ عالی دماغ۔ سیاست دان۔ اور اعلیٰ منتظم تھا۔

محمد بن حفص کا قول ہے۔ کہ میں عید کے روز ماموں الرشید کے دسترخوان پر موجود تھا کئی قسم کے کھانے چنے ہوئے تھے۔ ماموں الرشید ہر ایک کھانے کی طرف اشارہ کر کے کہتا تھا۔ کہ یہ کھانا فلاں مرض کیلئے مفید ہے۔ اور فلاں کیلئے مضر جس کا مزاج بلغمی ہو۔ وہ یہ کھانا کھائے۔ اور جس کا مزاج صفراوی ہو۔ وُہ یہ کھائے۔ غرضیکہ حکیم تھا۔ تو ایسا۔

اسی طرح عتبہ کا قول ہے۔ کہ ایک روز میں ماموں الرشید کے دربار میں علماء کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ کہ ایک عورت نے دربار میں حاضر ہو کر یہ شکایت کی۔ کہ میرا بھائی چھ سو دینار چھوڑ کر مرا ہے۔ لیکن لوگ مجھے ایک ہی دینار دیکر ٹالنا چاہتے ہیں۔ جب میں اصرار کرتی ہوں۔ تو وُہ یہ کہتا ہے کہ تیرے حصہ میں ایک ہی تو آتا ہے۔ ماموں الرشید نے اس پر کچھ دیر بعد کہا۔ ہاں وُہ صحیح کہتا ہے تیرے حصہ میں اتنا ہی آتا ہے۔

علماء نے پوچھا۔ یا امیرالمومنین یہ آپ کو کیونکر معلوم ہوا۔ ماموں الرشید نے جواب دیا

کہ متوفی نے دو لڑکیاں چھوڑی ہیں۔ دو تہائی یعنی چار سو دینار تو اُن کو آتے ہیں۔ اور والدہ کو چھٹا حصہ یعنی ایک سو دینار پہنچتے ہیں۔ بیوی کو آٹھواں حصہ یعنی پچہتر دینار اور بارہ بھائیوں کو فی کس دو دو دینار۔ اور اس عورت یعنی متوفی کی بہن کے حصہ میں صرف ایک ہی دینار آتا ہے۔ فقیہ تھے تو ایسے۔

آپ کی شاعری اور علم ادب۔ اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے۔ حالانکہ عربی اشعار میں جو لطف ہے۔ وہ ترجمہ میں نہیں آسکتا۔

"میری زبان تمہارے اسرار سے بند تھی۔ لیکن میرے آنسو میری غیبت کر کے میرا دلی راز ظاہر کر رہے تھے۔ اگر آنسو نہ ہوتے تو میں عشق کو چھپا لیتا۔ لیکن عشق نہ ہوتا۔ تو آنسو بھی نہ ہوتے۔"

انتظام سلطنت اور اپنے فرائض منصبی کا یہاں تک خیال تھا۔ کہ صبح سے ظہر تک عدالت میں بیٹھے رہتے تھے۔ اور لوگوں کا انصاف کیا کرتے تھے۔

رحم دل اسقدر تھے۔ کہ اکثر یہ کہا کرتے تھے۔ کہ مجھے عفو میں اس قدر مزا ملتا ہے۔ کہ اگر لوگوں کو میرے دل کا حال پورے طور معلوم ہو جائے۔ تو میرے پاس مجرم بن کر آیا کریں۔

عبدالسلام بن صالح کا قول ہے۔ کہ ایک روز میں خلیفہ مامون الرشید کے کمرہ میں سویا ہوا تھا۔ کہ چراغ گل ہونے لگا۔ مامون الرشید نے نظر اٹھا کر دیکھا تو مشعلچی سو رہا تھا۔ خلیفہ نے مشعلچی کو جگانے کی بجائے خود اٹھ کر چراغ کو تیز کیا۔ اور یہ کہتے ہوئے لیٹ گئے۔ کہ اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ میں غسل خانے میں ہوتا ہوں۔ تو یہ خدمتگار مجھے گالیاں دیا کرتے ہیں۔ اور مجھ پر طرح طرح کے بہتان باندھتے ہیں۔ یہ تو یہی سمجھتے ہیں۔ کہ میں نے سنا ہی نہیں۔ اور میں ہمیشہ ان کو معاف کرتا رہتا ہوں۔ اور کبھی ان کا قصور نہیں جتلاتا۔ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ جیسے میں نے کبھی کوئی بات ان کی سنی ہی نہیں۔

آپ ۱۹۸ھ میں شہر خراسان میں خلیفہ مقرر ہوئے۔ اور ابو جعفر کنیت مقرر کی۔

۲۰۱ھ میں آپ نے اپنے بھائی موتمن کو بوجہ تشیع کے معزول کر کے علی رضی بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق کو اپنا ولیعہد مقرر کیا۔ بلکہ سکوں پر اُن کا نام مسکوک کرایا۔ اور اپنی بیٹی سے ان کا نکاح کر دیا۔ اور اس بات کا عام اعلان کر دیا کہ کوئی شخص سیاہ کپڑے نہ پہنے اور سبز کپڑے پہنے جائیں۔

بنی عباس کو ان باتوں سے رنج ہوا۔ اور بہت سے لوگوں نے ابراہیم بن مہدی بیعت کر لی۔ خلیفہ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو ایسے گروہ پر اُس نے فوج کشی کی۔

۲۰۳ھ میں علی رضی نے انتقال فرمایا۔ اور خلیفہ نے اعلان کر دیا۔ کہ جب علی رضا ہی نہ رہے۔ تو اب فساد کرنا فضول ہے۔ چنانچہ ابراہیم نے جب اپنی جمعیت کو آمادہ فساد نہ دیکھا تو خلیفہ سے صلح کر لی۔

۲۱۰ھ میں مامون الرشید نے بوران بنت حسن بن سہل سے نکاح کیا۔ لاکھوں روپے اس کے مہر میں دئیے۔ بوران کے باپ نے بڑی فیاضی دکھلائی۔ تمام فوج کو دولت و خلعات سے سرفراز کیا۔ اور لاکھوں روپے انعام میں بانٹے۔

۲۱۲ھ میں مامون الرشید نے اس بات کا اعلان کر دیا۔ کہ جو شخص امیر معاویہ کو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے افضل سمجھے۔ وہ اپنے آپ کو ہماری حفاظت میں نہ سمجھے۔

اسپین میں مسیحی جوش اور شہدائے اسلام

انہیں دنوں میں جبکہ چاروں طرف امن قائم تھا۔ اور اہل قرطبہ کے مسلمان بھی اپنے حاکم عبدالرحمٰن ثانی بن حکم کے زیر سایہ چین کی زندگی بسر کر رہے تھے لیکن وہاں کی مسیحی رعایا نے جو شمالی صوبوں میں آباد تھی۔ مذہبی جوش جنون میں انہوں نے یک بیک بغاوت کر دی۔ اگرچہ مذہب اسلام کے مقدس احکام کے مطابق اسلامی حکومت نے ان لوگوں کو ہر طرح کا آرام دے رکھا تھا۔ اُن کے مذہب میں پوری آزادی دی ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی طرح تجارت وغیرہ کے مفاد میں انہیں کوئی روک ٹوک نہ تھی لیکن مذہبی جوش نے انہیں ایسا دیوانہ بنا دیا تھا۔ کہ انہوں نے بہادران اسلام

کے مقابل اپنا علم بغاوت بلند کر کے اعلان کر دیا۔ کہ ہر ایک اہل مسیح ہمارے جھنڈے کے تلے جمع ہو جائے۔

غرضیکہ تمام اسپین میں مسیحی شوق شہادت ایسا ہی پیدا ہو گیا جیسے قدیم زمانہ میں بال کے پجاریوں نے اپنی جانیں ہتھیلی پر دھر لیں تھیں۔

اس بغاوت کا سرغنہ یولوجیس ایک مشہور مسیحی عابد تھا۔ جو قرطبہ کے معزز خاندان سے تھا۔ اگرچہ اس شخص نے اپنی عمر کا بہت سا حصہ تمام عبادت و ریاضت میں گذارا لیکن جب سے مسلمان اسپین میں داخل ہوئے تھے۔ اس وقت سے مذہب اسلام کی برائی اور مسیحی تبلیغ کرنا اس نے اپنی زندگی کا دستورالعمل قرار دے لیا تھا۔

یوں تو عام لوگ اس کے معتقد تھے لیکن خاص اور مشہور لوگوں میں ایک دولت مند شخص اور ایک نوجوان خوبصورت کنواری لڑکی فلورا اپنی اپنی زیر اثر جماعت کے ساتھ یولوجیس کے ہم خیال اور شریک حال تھے۔

فلورا کا باپ مر چکا تھا۔ اور وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ قرطبہ میں رہا کرتی تھی۔ لیکن اس کی ماں نے مسیحی تعلیم سے اس کو اس قدر متاثر کر دیا۔ کہ وہ اپنے بھائی کے گھر سے خفیہ بھاگی۔ اور یولوجیس کے گروہ میں اس نے آنکر پناہ لی۔

جب اس کے بھائیوں نے عیسائیوں پر مقدمہ چلایا تو قاضی شہر نے اس لڑکی پر ارتداد کا جرم عائد کر کے اس بات کی اجازت دیدی کہ اگر وہ اپنے مذہب اسلام میں آجائے۔ تو چھوٹ سکتی ہے۔ لیکن راسخ الاعتقاد فلورا نے مسیحی مذہب چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ جب اس کے بھائیوں نے اپنی بہن کی یہ حالت دیکھی۔ تو اسے ایک محفوظ مکان میں چھپا دیا گیا۔ تاکہ عیسائی پھر نہ بھگا لے جائیں۔

ایک عرصہ تک جب یولوجیس اور اس کا گروہ اپنی معتقدہ فلورا کو نہ دیکھ سکا۔ تو عیسائیوں نے یہی خیال کیا۔ کہ فلورا مقید کر دی گئی ہے۔ اس خیال نے ان کو مسلمانوں سے اور بھی

برگشتہ کر دیا۔ اور یہاں تک عیسائیوں نے سرکشی اختیار کی۔ کہ عین عید الفطر کے دن جب کہ تمام مسلمان عید کی خوشیاں منا رہے تھے۔ ایک عیسائی پرفکٹس نے مذہب اسلام کی توہین کی۔ ادھر پرفکٹس مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ ادھر مسیحی باغیوں نے اُس کی لاش پر مظاہرہ کیا۔ اور آخر کار پرفکٹس مرحوم کو شہید ڈانی گلیشن کا خطاب دے کر نہایت تعظیم و تکریم سے دفن کیا گیا۔

۲۱۵ھ میں خلیفہ مامون الرشید نے ملک روم پر حملہ کیا اور قلعہ قرہ و ماجد کو فتح کیا۔ اسکے بعد دمشق ہو کر ۲۱۶ھ میں پھر ملک روم پر حملے کئے۔ اور وہاں سے مصر کا سفر کیا۔

۲۱۸ھ میں خلیفہ مامون الرشید نے اپنا مذہبی عقیدہ خلق قرآن پھیلانا چاہا لیکن اُسے اس مسئلہ میں کامیابی نہ ہوئی۔

آخر اسی سال ۱۸ ماہ رجب ۲۱۸ھ میں جبکہ خلیفہ مامون الرشید بمقام بذندون میں تھے اسی جگہ آپ کی روح قفس عنصری کو چھوڑ کر عالم جاودانی کو سدھاری۔ اور آپ کی میت کو طرطوس میں دفن کیا گیا۔

مامون الرشید کے عہد خلافت میں جو واقعات رونما ہوئے وہ سب اسکی ذات سے وابستہ مشہور ہوئے ہیں۔ اور اکثر لوگوں کو معلوم ہیں۔ اسلئے ہم نے اُن حکایات کو درج نہیں کیا۔ البتہ اس قابل خلیفہ کے بہترین اقوال اس قابل ہیں۔ کہ انہیں ہر ایک شخص ہمیشہ یاد رکھے۔ اور ان پر عمل کرے۔

اقوال خلیفہ مامون الرشید (۱) آدمی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک قسم تو یہ ہے۔ جو بمنزلہ غذا کے ہیں۔ اُن کی صحبت کے بغیر چارہ ہی نہیں۔ دوسری قسم کے لوگ بمنزلہ دوا کے ہیں یعنی بحالت مرض اُن کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ تیسری قسم کے لوگ بمنزلہ بیماری کے ہیں وہ ہر حال میں مکروہ ہیں۔ اُن سے بچنا چاہیئے۔

(۲) مجھے غلبہ صحبت بہ نسبت غلبہ قدرت کے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ یہ اس لئے کہ غلبہ

قدرت زوال قدرت کے وقت زائل ہو جائے گا۔ مگر غلبہ صحبت کو کسی وقت کوئی زوال نہیں ہے۔

(۳) جو شخص تمہاری نیک نیتی کا مشکور نہ ہوگا۔ وہ تمہاری نیکی کرنیکا بھی ممنون نہیں ہو سکتا

(۴) سلطان (بادشاہ یا حاکم) کی خوشامد پسندی بہت بُری ہے۔ اور اس سے بدتر قاضیوں کی تنگ دلی جبکہ وہ معاملہ سمجھنے سے پہلے سرزد ہو۔ اور اس سے بدترین متمول لوگوں کا بخل۔ اور بوڑھوں کا مذاق کرنا۔ جوانوں کا سستی کرنا۔ جنگ میں بزدلی دکھانا۔

(۵) وہ شخص اپنی جان کا دشمن ہے۔ جو کسی ایسے شخص کی قربت کا خواہاں ہو۔ جو اس سے دوری اختیار کرے۔ اور ایسے شخص کی تواضع کرے۔ جو اس کی قدر نہ کرتا ہو۔ اور ایسے شخص کی تعریف کرنے سے خوش ہو۔ جو اُسے جانتا ہی نہ ہو۔

مامون الرشید کے عہدِ خلافت میں حکومتِ اسلامی کا جغرافیہ

خلفائے عباسیہ میں خلیفہ مامون الرشید کا عہد خلافت اسلامی مملکت میں شاندار ترقی کا باعث تھا۔ چنانچہ مامون الرشید کے عہد خلافت میں مملکت اسلامی کے حدود اربعہ ذیل تھے۔

مشرق میں سرزمین ہند تھوڑا سا ملک چین کا اور خلیج فارس۔

مغرب میں رومی سلطنت کے حدود جن کو آجکل بحیرہ اسود۔ ایشیائی کوچک بحیرہ روم۔ روس اور بلغاریہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

شمال میں ایشیا۔ سریہ۔ خزر۔ اور ان کے ممالک۔ اور یورپ میں سبیریہ کا پہاڑی سلسلہ۔ جو آج کل کے نقشوں میں۔ سائبیریا۔ بحیرہ قزوین۔ اور بحیرہ روم پر قیاس کئے جا سکتے ہیں۔

جنوب میں بحیرہ فارس اور ممالک نوبہ کے وہ حصے جو مصر سے ملتے ہیں۔

غرضیکہ اس زمانہ میں مملکت اسلامی ستائیس ممالک پر منقسم تھا۔ سات ملک تو مغرب میں اور بیس مشرق میں واقع تھے جن کی تفصیل یہ ہے۔

مغربی ممالک
عرب۔ شام۔ بحیرہ فارس
دیار مغرب بحیرہ روم الجزیرہ مصر

(۱) دیار عرب جس کو جزیرہ عرب کہنا چاہیئے۔ اس ملک کو عبادان یعنی دجلہ کے دہانہ سے بحیرہ فارس نے گھیر رکھا تھا۔ اور وہ بحرین سے ہوتا ہوا عمان کو نکل گیا تھا پھر وہاں سے چکر کاٹتا۔ مہرہ۔ حضرموت اور عدن کے ساحل کو گھیرتا ہوا جدہ تک ساحل یمن کو چلا گیا تھا۔ اور وہاں سے مدین تک پھیلتا ہوا۔ ایلہ کو جا پہنچا تھا۔ عربی جغرافیہ دان اُن تمام دریاؤں کو بحیرہ فارس سے تعبیر کرتے ہیں۔ جو ملک عرب کو اپنے حلقہ میں لیئے ہیں۔ مگر اس میں اتنا فرق ہے۔ کہ تری کا وہ سلسلہ جو باب مندب سے ایلہ تک منتہی ہوتا چلا گیا ہے۔ اسے بحیرہ قلزم کہتے ہیں جسے آج کل بحیرہ احمر کہا جاتا ہے۔ اس کی شمال مغربی جانب کی خشکی حد بندی ممالک شام اور فلسطین کو ایک خمدار خطہ سے کرتے ہیں۔ جو ایلہ سے بحیرہ مردار کو ملا کر شرات۔ بلقاد۔ ازرعات۔ سلمیہ۔ اور قناصرہ کو سلسلہ میں لیتا ہوا فرات سے جا ملا ہے۔ اور وہاں سے رقہ۔ قرقیا۔ رحبہ۔ اور کوفہ کو گھیرتا ہوا بطائح۔ اور واسطہ کو شامل کرتا عبادان تک چلا گیا ہے۔ دیار عرب کی تقسیم بھی کئی صوبوں پر کی جاتی ہے۔ حجاز۔ اس میں مکہ شریف طائف۔ مدینہ اور یمامہ مع اپنے مخالیف کے شامل ہیں نجد حجاز۔ جو سر زمین بحرین سے متصل ہے۔ بادیہ عراق۔ بادیہ الجزیرہ۔ بادیہ شام یمن جو کہ تہامہ پر بھی مشتمل ہے۔ نجد یمن۔ عمان۔ مہرہ حضرموت صنعا اور عدن مع تمام مخالیف یمن کے

(۲) ملک شام جس سے عموماً ارض سوریا مراد تھی۔ اس کی سات حصوں پر تقسیم کی گئی تھی۔ فلسطین۔ اردن۔ حمص۔ دمشق قنسرین۔ عواصم ثغور سرحدی اضلاع۔ یہ سب چھاؤنیاں تھیں پہلی چھاؤنی فلسطین کے حدود اربعہ کی تفصیل یہ ہے۔

مصر کی جانب مقام رفح۔ شمال میں العوان جس کے ضمن یافا ارسجا۔ بیت لحم۔ غزہ۔ شراط۔ بحر مردار۔ غور بیسان۔ اور نابلس شامل تھے فلسطین کا صدر مقام رملہ تھا۔ جو وسعت آبادی کے لحاظ سے بیت المقدس کا ہم پایہ سمجھا جاتا تھا۔

دوسری چھاؤنی اردن کا صدر مقام شہر طبریہ تھا۔
تیسری چھاؤنی حمص کا صدر مقام شہر حمص تھا۔ اور اس کے ماتحت شہر بادیہ کے کناروں پر طرطوس۔ اور سلمیہ تھے۔ ان کے علاوہ شیزار اور حماۃ بھی تھے۔
چوتھی دمشق۔ اس کا صدر مقام شہر دمشق تھا۔ جو ملک شام کے تمام شہروں میں خوبصورت اور بڑا تھا۔
پانچویں قنسرین۔ اس کا صدر مقام شہر حلب تھا۔ جو آج بھی ویسا ہی مشہور ہے چونکہ وہ ملک شام کے راستے میں پڑتا تھا۔ لہٰذا اس کی رونق اور شان بہت بڑھ گئی تھی۔ سرحدی اضلاع۔ الثغور اور عواصم کو جاتے ہوئے بھی یہ شہر راہ میں پڑتا ہے۔ اس کے شہروں میں قنسرین چھوٹا شہر تھا۔ اور معرۃ النعمان اوسط درجہ کا۔
چھٹی عواصم۔ یعنی ملک شام کا وہ بالائی حصہ جو حلب کے بعد اسکندریہ تک پھیلتا ہوا گیا ہے۔ عواصم کا صدر مقام انطاکیہ کا شاندار شہر تھا۔ جو خوبی اور خوش اسلوبی میں دمشق کا ہمسر سمجھا جاتا تھا۔ اور رومیوں کے زمانہ میں ملک شام کا پایۂ تخت رہ چکا تھا۔ اس شہر کے گرد ایک زبردست اور مستحکم شہر پناہ بنی ہوئی تھی جس کا دورہ ایک سوار کے دو دن قطع مسافت کرنے سے طے ہوتا تھا۔ کہا جاتا ہے۔ کہ نہر فرات کے کنارہ پر بالس اور صحرائی مقامات میں منبج بھی عواصم کے نامی شہروں میں شمار ہوتے تھے۔
ساتویں ثغور۔ یعنی سرحدی مقامات ان ممالک کو کہا جاتا ہے۔ جو عواصم کے اس طرف ایشیائی کوچک کے کوہ طورس تک واقع تھے۔ اور ان کے مشہور شہر یہ ہیں۔ نہر فرات کے کنارہ پر سمیساط۔ ملطیہ یہ سب سے اہم سرحدی مقام تھا۔ اور یہاں محافظ فوج کا زبردست کیمپ رہا کرتا تھا حصن منصور۔ حدث۔ مرعش۔ زبطرہ۔ ہارونیہ۔ مصیصہ۔ اذنہ اور طرطوس۔ اور کبھی ان سرحدی اضلاع کو عواصم کے حلقہ میں شامل کیا جاتا تھا۔
لیکن ثغور انہیں مقامات کو کہا جاتا ہے۔ جو اسلامی ممالک اور ممالک روم کے

مابین حد فاصل تھے۔ اسی وجہ سے سرحدوں کی دو قسمیں کردی گئی تھیں۔

ثغور شامیہ یعنی وہ سرحدیں جو ملک شام سے متصل تھیں۔ اور حدود جزریہ یعنی وہ سرحدی تھانے جو الجزیرہ سے ملحق تھے۔

(۳) بحیرہ فارس یعنی اس زمانہ کے مطابق وہ دریا جو دریائے دجلہ واقع ملک عراق کے دہانہ سے ایلہ تک سرزمین عرب کو اپنے حلقہ میں لیے ہوا ہے۔ نیز اس کے اندر دریا کے وہ سب حصے جنکو اُن دنوں خلیج فارس۔ بحیرہ عرب۔ خلیج عدن۔ بحیرہ احمر اور خلیج عقبہ کے جداگانہ ناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ شامل ہیں جنکی تفصیل کی ضرورت نہیں۔

(۴) دیار مغرب۔ اس زمانہ کی اصطلاح کے مطابق شمالی افریقہ کے تمام وہ ساحل جو ملک مصر کی حدود سے اس طرف مغرب میں واقع ہیں اور جن میں برقہ۔ افریقہ یعنی ٹیونس۔ تاہرت۔ واقع الجزائر۔ طنجہ۔ سوس اور زویلہ ملک مراکو کے شہر شامل ہیں۔

برقہ ایک متوسط درجہ کا شہر ہے۔ جو شاداب زمین کے سطح مستوی پر واقع اور چاروں طرف بیابانوں سے گھرا ہوا ہے۔ اُن بیابانوں میں بربری قبائل سکونت پذیر ہیں اور برقہ اور افریقہ کے مابین طرابلس الغرب کا مشہور شہر واقع ہے۔ جو ممالک افریقہ کا ایک شاندار شہر اور سرتاپا سنگین عمارتوں سے بنا ہے۔ اس کے بعد مہدیہ اور پھر ٹیونس ہے۔ جو بڑے آباد شہر ہونے کے علاوہ بہت سرسبز مقام ہیں۔ بعد ازاں قیروان افریقیا کا پایۂ تخت اور وہاں کا سب سے بڑا شہر ہے۔ یہ صحرائی سرزمین کے اندر آباد ہے۔ اور اسی کے مثل تاہرت کو بھی سمجھنا چاہیئے۔ افریقہ کے باقی شہروں میں ایک قابل ذکر مقام سجلماسہ ہے۔ جو لق و دق بیابان میں واقع ہے۔

اندلس (اسپین) کو بھی عربی جغرافیہ دانوں نے ممالک مغرب کا ایک حصہ قرار دیا ہے یہ ایک وسیع ملک ہے جس کا پایۂ تخت قرطبہ ہے! ور اس کے حدود اربعہ مشہور ہیں اندلس کے دوسرے مشہور شہر۔ جیان۔ طلیطلہ۔ سرقسطہ۔ لاردہ۔ وادی الحجارہ۔ زجالہ

قوریہ - ماردہ - باجہ - غافق - لبلہ - قرمونہ - استجہ اور ریہ وغیرہ ہیں - اور اس کے ساحلی مقامات شنترین - مالقہ اور جبل طارق وغیرہ ہیں -

(۵) بحیرہ روم یعنی دریائے روم کے جزیرے جن کی تفصیل کرنا غیر ضروری ہے -

(۶) الجزیرہ - دریائے دجلہ و فرات کے مابین ایک وسیع ملک کا نام تھا جسکو مابین النہرین بھی کہتے تھے - اس ملک کے شمالی حصہ کو الجزیرہ اور جنوبی خطہ کو عراق کے لقب سے ملقب کیا گیا تھا - جن کی حد فاصل دریائے دجلہ کے ساحل پر شہر تکریت اور نہر فرات کے کنارہ پر انبار - یا ہیت کے شہر تھے - الجزیرہ کے ملحقات میں چند ایسے مقامات کا شمار تھا - جو دونوں دریاؤں کے کناروں پر جابجا واقع تھے - الجزیرہ جس میں سو سے زیادہ کردوں کے خاندان بود و باش رکھتے تھے - اور وہ لوگ کھیتی باڑی کے ساتھ مویشیوں کی پرورش سے بھی اپنی گذر اوقات کرتے تھے - ان مقامات کو رموم کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا - بلاد فارس میں صرف ان قبائل کے تقریباً ...... ۵ گھر اندازہ کئے گئے ہیں - جو عربی خانہ بدوشوں کی طرح سردی اور گرمی کے موسموں میں کافی چارہ اور پانی رکھنے والی سرزمینوں کو اپنے قیام کے لئے تلاش کرتے رہتے تھے - اور کم سے کم صرف ایک گھر میں صاحب خانہ مزدور پیشہ - اور چرواہوں کو ملا کر تقریباً دس مرد ہوتے تھے - جن کے اعتبار سے اگر فی گھر صرف پانچ مردوں کا اوسط لگایا جائے تو کردوں کی قوم میں مردوں کی تعداد پچیس ۲۵ لاکھ شمار ہوتی ہے - عورتوں اور بچوں کے شمار کو اس پر اضافہ کرنے سے اس قوم کی مجموعی مردم شماری دس ملین سے کم نہیں ہو سکتی -

(۷) طبرستان - یہ ملک مشرقی جانب دیلم سے ملا ہوا - اور بحر خزر ہی کے ساحل پر واقع تھا - اس کی مشرقی حدود جرجان اور مغربی حدود دیلم سے ملے ہوئے تھے - وہاں کے بڑے شہروں میں آملی صوبہ کا صدر مقام تھا - ساریہ اس شہر یا ضلع میں پانی بکثرت تھا یعنی ندی نالوں اور نہروں کی افراط تھی - اور دماوند بھی اسی ملک کا اچھا شہر تھا -

(۷) کرمان - یہ ملک فارس سے باعتبار وسعت بہت بڑا تھا۔ اسکے مغربی حدود خاص فارس سے ملے تھے۔ اور مشرقی حدود مکران اور سجستان سے شمال کی جانب خراسان کا ریگستان اور جنوب کی سمت بحیرہ فارس اسکی حدود سے متصل تھے وہاں کے مشہور شہر سیرجان - بم - جیرفت اور ہرموز تھے۔

(۸) جرجان - یہ ملک طبرستان کے شرقی جانب اور کچھ اسکے شمال میں بھی واقع تھا - اسکی حدبندی شمال میں ترکستان - جنوب میں قومس مشرق میں خراسان اور مغربی جانب بحیرہ خزر کرتا تھا - اس ملک کا سب سے بڑا شہر جرجان تھا جو آمل سے زیادہ بڑا اور شاندار تھا - اور جنوبی حصہ ملک میں استرآباد کا شہر عمدہ تھا - اور شہر دہستان جو ساحل دریا پر واقع تھا۔

(۹) مکران - یہ ملک کرمان کے مشرقی جانب ہے - اور اسکے مشرق میں طوران اور ملک سندھ کے بعض مقامات ہیں شمال میں سجستان اور ممالک ہند اور جنوب میں بحیرہ فارس اسکی حدبندی کرتے ہیں - یہ صوبہ کرمان سے بڑا ہے - وہاں کے مشہور شہر یہ ہیں - تیز - کیز - درک اور راسک -

(۱۰) قومس - یہ ملک جرجان اور طبرستان کے جنوب میں واقع تھا - اس کی شمالی سرحد انہیں ملکوں سے متصل تھی - جنوب و مشرق میں اسکی سرحدیں خراسان کے ریگستان سے ملتی تھیں - اور مغرب میں رے کے مضافات اس کے حدود تھے - یہاں کا صدر مقام شہر دامغان تھا -

(۱۱) طوران - یہ ملک فارس سے بہت چھوٹا ہے - مغربی سمت سے مکران اور شرقی و شمالی طرفوں سے بلاد سندھ کے مابین واقع تھا - اور جنوبی طرف کو بحیرہ فارس اس کی حد تھا - وہاں کے مشہور شہر محالی - کیز کانان اور قصدار تھے -

(۱۲) صحرائی خراسان - یعنی وہ بے آب و گیاہ میدان جو بلاد مشرق کے وسط میں

واقع تھے۔ شمال میں قومس جنوب میں بلاد فارس اور سجستان مشرق میں سجستان اور خراسان مغرب میں کوہستان اور رے۔ اس کی حد بندی کرتے تھے۔ ان بیابانوں کے رہنے والوں کی تعداد عرب کے صحرائی باشندوں سے بہت کم تھی۔ اور ان صحراؤں کا کچھ حصہ ملک خراسان کے زیر اثر تھا۔ اور کچھ حصے فارس اور کرمان کے صوبوں میں شامل تھے۔ یہ ریگستان نہایت دشوار گذار تھے جن میں پانی کی کمی ہونے سے سفر کرنا دشوار تھا۔

(۱۳) سندھ۔ اس ملک کے مشرقی حصہ میں اسلامی ممالک کی آخری حد تھی۔ وہاں کے مشہور شہر حسب ذیل تھے منصورہ (یا برہمن آباد)۔ دیبل دریا کے کنارہ پر۔ اور ملتان وغیرہ۔ شہر منصورہ نہر مہران کی ایک پہاڑی پر واقع تھا اور بطور ایک جزیرہ نما کے تھا۔ وہاں کے باشندے مسلمان تھے۔

(۱۴) سجستان۔ مکران کے شمالی جانب واقع تھا۔ اس کی مشرقی حد وہ ریگستان تھا جو اس کے اور ملک سندھ کے مابین واقع ہے جنوب میں مکران۔ شمال میں سرزمین ہند اور مغرب میں خراسان کا ریگستان اس کی حد بندی کرتے تھے۔ وہاں کے بڑے بڑے شہروں میں سے زرنج۔ بست۔ طاق وغیرہ مشہور ہیں۔

(۱۵) ارمینیہ۔ یہ ملک ممالک اسلامی کے بالائی ملکوں میں الجزیرہ کے اوپر واقع تھا اس کے حدود اربعہ حسب ذیل ہیں۔ مشرق میں آذربائیجان۔ اور اران۔ مغرب میں بلاد روم (ایشیائے کوچک) شمال کی جانب کوہستان قبق (کاکیشیس) اور جنوب کی سمت میں الجزیرہ۔ ارمینیہ کا صدر مقام شہر دبیل تھا جس میں دار الامارۃ بھی تھا۔ اور وہاں کے رہنے والوں میں غالب تعداد نصاریٰ کی تھی۔ وہاں کے مشہور شہر خلاط۔ ارزن۔ قالیقلا اور میافارقین تھے۔

(۱۶) خراسان۔ یہ ملک مشرقی ممالک میں سب سے بڑھ کر وسیع اور زرخیز ملک ہے اس کی حدود اربعہ کی تفصیل یہ ہے۔ شمال مشرقی گوشہ میں ملک ماوراء النہر جنوب مشرقی

گوشہ میں بلاد سندھ اور سجستان۔ شمال کی سمت میں خوارزم اور ترکستان کے شہر غزنوی کے مضافات۔ جنوبی سمت میں خراسان کے ریگستان اور صوبہ فارس اور مغرب میں قومس خراسان کی تقسیم کئی احاطوں پر کی گئی تھی سب سے بڑے احاطے نیشاپور۔ مرو۔ ہرات اور بلخ۔ اور اسی کے قریب کوہستان کا احاطہ بھی تھا۔ اور طوس۔ نسا۔ ابیورد۔ سرخس بوشنج۔ باذغیس۔ کنج۔ استاق۔ مرورود۔ جوزجان۔ طخارستان زم۔ رواحل یہ تمام شہر ملک خراسان کے ضلعے تھے۔

خراسان کا دارالسلطنت شہر نیشاپور تھا۔ جو وہاں کے شہروں میں سب سے بڑا تھا یہ مسطح اور نرم زمین پر واقع تھا۔ عمارتیں خام مٹی سے بنی ہیں۔ اور اس کی وسعت ایک فرسخ (۳ میل) مکعب ہے۔ مرو کا شہر جو مرو شاہجہان کے نام سے بھی مشہور ہے۔ بہت پرانا شہر ہے۔ ملک خراسان میں بہت سے پر رونق اور آباد شہر ہیں۔ وہاں کی مردم شماری بھی زیادہ ہے۔ سرزمین نہایت زرخیز ہے۔

(۱۷) **آذربائیجان** - یہ ملک الجزیرہ کے مشرق میں واقع تھا۔ اسکی مغربی سرحد الجزیرہ۔ اور آرمینیہ سے ملتی تھی۔ اور مشرقی حدود کا اتصال بحر خزر اور بلاد دیلم سے تھا شمال میں بلاد ران۔ اور جنوب میں کورالجبال اس کی حدیں تھیں۔ اس کا صدر مقام شہر اردبیل تھا۔ فوجی چھاؤنی اور دارالامارۃ بھی وہیں تھا۔ اس شہر کا طول و عرض دو میل مربع بیان کیا گیا ہے۔ اور دبیل کا ہم پلہ ایک دوسرا شہر مراغہ نامی بھی تھا۔ جو پہلے زمانہ میں صدر مقام بھی رہ چکا تھا۔ شہر آرمیہ بحیرہ شرات کے ساحل پر آباد اور بہت بڑا شہر تھا۔ آذربیجان کے باقی شہروں میں قابل ذکر سماس۔ مرند اور شیز صرف تین اور ہیں

(۱۸) ماوراء النہر۔ یہ شمال مشرقی گوشہ میں اسلامی مملکت کا سب سے آخری ملک تھا۔ اس کی حدود بندی شمال میں بلاد ترکستان اور بلاد ہند سے گوشہ جنوب مغربی خراسان سے جس کی درمیانی حد فاصل نہر جیجوں تھی شمال مغربی گوشہ میں خوارزم سے اور جنوبی

سمت میں طخارستان سے ہوتی ہے۔ یہ ملک سب سے بڑھ کر زرخیز اور سرسبز شاداب تھا۔ اس کے مشہور شہر ہیں۔ بخارا۔ سمرقند۔ کش۔ عشاب۔ بیکند۔ ساغانیان۔ فرغانہ سوز۔ شاش۔ اشروسن۔ خجند۔

(۱۹) بلاد الران۔ یہ ملک آذربائیجان کے شمال میں ہے۔ اسکی حدود کا اتصال مشرق میں بحیرہ خزر سے مغرب میں ارمینیہ سے شمال میں کوہستان قبق سے اور جنوب میں آذربائیجان سے ہوتا ہے۔ وہاں کے بڑے بڑے شہر بردعہ۔ تفلیس باب۔ بیلقان۔ اور شاذران وغیرہ ہیں۔

(۲۰) خوارزم۔ یہ ملک نہر جیحوں کے کنارے پر شمالی سمت میں بشکل مستطیل پھیلتا چلا گیا ہے۔ اسکی شمالی حد بحیرہ خوارزم اور جنوبی حد خراسان اور بلاد صغد ہیں اور مشرق و مغرب کی جانب ریگستانوں سے گھرا ہوا ہے۔ اس کا صدر مقام شہر خوارزم نہایت پُر رونق تھا۔ خوارزم کے ملحقات میں چند ایسے مقامات کا شمار رہتا۔ جو دونوں دریاؤں کے کناروں پر جا بجا واقع تھے اور الجزیرہ کے حدود اربعہ یہ تھے شمالی جانب سے میافارقین اور وہ مقامات جو اس کے ساتھ مغرب رویہ ملتے ہوئے سطیہ کے قریب دریائے فرات تک واقع تھے جنوبی سمت سے ہنیت جو نہر فرات پر واقع تھا۔ اور تکریت جو دریائے دجلہ کے کنارے آباد تھا۔ جنوب مغرب رویہ کی حدود بندی بلاد الجزیرہ کے صحرائی مقامات کرتے تھے۔ اور مشرق میں کوہستانی ملک اور آذربائیجان کا صوبہ اس کی سرحد سے ملحق تھا۔

الجزیرہ کا ملک نہایت سرسبز و شاداب خطہ اور ممالک عراق کا ہم پلّہ تھا۔ اور اس کے مشہور شہر یہ تھے مغربی جانب دریائے دجلہ کے کنارے شہر موصل۔ دیار ربیعہ میں میدانی سرزمین کے اندر شہر سنجار اس شہر میں کھجور کے باغات بہت کثرت سے تھے۔ شہر نصیبین یہ الجزیرہ کا سب سے پُر رونق شہر تھا۔ دارا ایک چھوٹا قصبہ۔ راس عین ایک

ہموار زمین کا خوشنما شہر دیار مضر ہیں۔ بلندی دجلہ میں آمد اور دریائے دجلہ ہی کے کنارے پر جزیرہ ابن عمر بھی تھا۔ اور الجزیرہ کے جو شہر نہر فرات کے کنارے واقع تھے وہ یہ تھے۔ رقہ۔ قرقیسیا۔ الحدیثہ۔ اور رہیت اس زمین کے وسط میں شہر حران جو کہ صابئی (ستارہ پرست) لوگوں کا مقام رہا تھا اور قدیم زمانہ میں سریانی قوم کا زبردست دار العلوم بھی تھا۔ نیز سروج ایک سرسبز شہر جہاں انگور کی پیداوار بکثرت ہوتی ہے۔

الجزیرہ میں چند صحرا بھی تھے۔ جن میں ربیعہ اور مضر کے عربی قبائل آباد تھے۔ ربیعہ کے خاندان شمال مشرقی حصہ میں اور مضر کے گھرانے جنوب مغربی قطعہ میں آباد تھے اور اسلام سے قبل ان کی سکونت انہیں مقامات میں چلی آتی تھی۔ یہ دونوں عربی قبائل بکثرت اونٹوں اور گھوڑوں اور بھیڑ بکریوں کے مالک تھے۔ اس کے علاوہ وہ شہروں کے متصل دیہات میں رہنے کے عادی تھے جس کی وجہ سے وہ نصف صحرائی اور آدھے شہری تصور کیے جا سکتے تھے۔ دریائے دجلہ کے کنارے پر ملک الجزیرہ کا آخری سرحدی مقام تکریت تھا جس کے باشندے زیادہ تر عیسائی تھے۔

(۲) مصر۔ ان ایام میں بھی مصر کی حدود وہی تھیں ایام کے برابر تھی۔ اور اس کے ملحقات میں ممالک نوبہ اور بجارہ بحر احمر کی حدود تک شمار کیے جاتے تھے۔ جس کے بعد خلیج عقبہ واقع تھی۔

مشرقی ممالک

عراق۔ کوہستان۔ خوزستان۔ پہلوان ویلم۔ فارس۔ طبرستان۔ کرمان۔ جرجان مکران۔ قومس۔ طوران۔ خراسان کا ریگستان سندھ۔ سجستان۔ ارمینیہ۔ خراسان۔ آذربائیجان ماوراء النہر۔ بلاد الران۔ خوارزم۔

(۱) عراق یعنی ممالک ما بین النہرین کا جنوبی حصہ اور اس کے قرب وجوار کے مقامات اس کا طول شمال میں شہر تکریت واقع کنارہ دجلہ سے سمت جنوب کے شہر عبادان تک تھا۔ جو کنارہ بحر فارس پر واقع ہے

اور اس کا عرض مغربی سمت میں قادسیہ کوفہ سے مشرقی جانب کے شہر حلوان تک شمار کرنا چاہیئے۔ ملک عراق کا محیط معلوم کرنے کیلئے ہم کو تکریت سے مشرقی سمت میں شہر زور تک جانا ہو گا۔ اس کے بعد جنوب مشرقی گوشہ میں حلوان اور بعدہٗ سیروان اور حمیرہ پر حدود سوس سے عبادان تک طے کرتے ہوئے بصرہ کی جانب پھر جانا پڑیگا اور یہاں سے شمال مغربی گوشہ میں سواد بصرہ کے سنگلاخ مقاموں اور صحراؤں کی جانب کوفہ تک چڑھنا پڑے گا۔ اور اس کے بعد فرات کے کنارے کنارے انبار تک جاکر پھر شمالی سمت میں تکریت کی جانب واپس آنا ہو گا۔ اس قطعہ ملک کو جو دجلہ اور فرات کے مابین واقع تھا۔ سواد کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا تھا۔ اسلامی تمدن کے ایام عراق کے حدود مذکورہ بالا بیان کے مطابق تھے۔ جو آج کل کے زمانہ میں بالکل بدل گئے ہیں۔ اور اس تبدیلی کی خاص وجہ دونوں دریاؤں کے بہاؤ کا تغیر ہے۔ عراق کے مشہور شہر بغداد اس کا صدر مقام تھا اور اسلامی سلطنت کے عروج و عظمت کے ایام میں اس کا پایۂ تخت خلیفہ منصور نے اس شہر کو تعمیر کرایا تھا بصرے خاص اہل عرب کی بستی تھی مسلمانوں نے خلیفہ عمر بن الخطابؓ کے عہد میں اس کی بنیاد ڈالی۔ شہر بصرہ کے مفصلات میں بہت سی چھوٹی سرزمین تھی میں واسطہ بھی اہل عرب نے ہی نہر فرات کے مغربی کنارے پر تعمیر کیا تھا۔ نہروان دریائے دجلہ کے مشرقی سمت میں ایک نہر پر واقع تھا۔ جو اب بالکل خشک ہو گئی ہے۔ حلوان ملک عراق کا آخری سرحدی شہر مشرقی گوشہ میں کوہستان کے قریب بہت پُر رونق اور شاندار مقام ہے۔ حیرہ شاہان عراق کا قدیم پایۂ تخت کوفہ کے قریب اور ابلہ بصرہ کے متصل۔

(۲) کوہستان یعنی کور اجبال ملک فارس کے کوہستانی مقامات۔ اس کی تقسیم کئی حصوں یا کور (دن) پر کی جاتی ہے مشہور کور یہ ہیں۔ ماہ الکوفہ جس کو

دنیور کہتے ہیں۔ ماہ البصرہ جس کا نام نہاوند ہے۔ اس ملک کی مشرقی حد خراسان کا ریگستان اور ملک فارس تھا۔ مغرب میں عراق اور الجزیرہ۔ شمال میں آذربائجان۔ دیلم ہے اور قزوین۔ جنوب میں خوزستان اور عراق۔ اس کے مشہور شہروں میں سب سے بڑا شہر ہمدان ہے۔ اور اسکے علاوہ دنیور۔ ماہبندان۔ اصفہان۔ قم۔ قاشان۔ نہاوند۔ لور۔ الکرج۔ قزوین۔ شہرزور۔ اور حلوان بھی مشہور شہر تھے۔

ہمدان کی مسافت ایک فرسخ مکعب تھی۔ اور اسکے گرد نہایت مستحکم شہر پناہ تعمیر تھی جس میں آہنی پھاٹک لگے ہوئے تھے۔

دنیور یعنی ماہ الکوفہ۔ اسکی دو تہائی کے برابر تھا۔ اصفہان دراصل دو شہروں کا نام تھا جن کے مابین دو میل کا فاصلہ تھا۔ مگر وہ ایک ہی شمار کئے جاتے تھے۔ نہاوند ماہ البصرہ ایک پہاڑ پر واقع تھا۔ اور اس کی عمارتیں خام مٹی سے بنی تھیں۔ شہر حلوان اس پہاڑ کے قرب میں آباد تھا۔ جو سرحد کے قریب واقع ہے۔ اور وہاں سے نظر آتا ہے شہرزور بھی ملک عراق سے نہایت نزدیک تھا۔ قزوین بلاد فارس کی بلندی میں واقع تھا۔ اور بلاد دیلم کا سرحدی شہر تھا۔ شہر قم کے گرد بھی شہر پناہ کی دیوار تعمیر تھی۔ اور نہایت شاداب مقام تھا۔ قاشان ایک چھوٹا شہر تھا۔

(۳) خورستان۔ یہ ملک عراق کے مشرقی جانب اسکے اور ملک فارس کے مابین واقع ہے۔ اسکی شمالی حد کورالجبال مشرقی حد ملک فارس اور اصفہان مغربی حد ملک عراق اور جنوبی حد خلیج فارس ہے۔ خورستان کا صدر مقام شہر اہواز تھا جس کی طرف منسوب کر کے اس ملک کو بھی اہواز کہا جاتا تھا۔ یہ ملک کئی ضلعوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ پہلا ضلع خوز اہواز اور اسکے علاوہ جندی سابور۔ سوس۔ تستر۔ رامہرمز۔ سرق عسکر۔ اور مکرم تھے۔ ہر ایک کورہ (ضلع یا کمشنری) کا صدر مقام وہی شہر تھا جس کے نام سے وہ ضلع موسوم کیا جاتا تھا۔

(۴) ریہوان دیلم۔ بحر خزر (دریائے قزوین) کے کنارے پر واقع ہونے والے کوہستانی سلسلہ کا نام تھا۔ اس کی حدود کی تفصیل یہ ہے۔ جنوب میں قزوین۔ اور کچھ حصہ آذربائیجان کا شمال میں بحر خزر، مشرق میں قومس اور مغربی جانب کو آذربائیجان۔

دیلم کے باشندے دو قسم کے لوگ تھے (۱) ایک پہاڑی اور دوسرے میدانی ملکوں کے باشندے دیلم کے ماتحت مقامات رے ابہر۔ زنجان۔ طالقان اور دیان کے شہر تھے۔

(۵) فارس۔ یہ ملک مغرب میں ملک خوزستان اور مشرقی سمت صوبہ کرمان کے درمیان واقع ہوا تھا۔ اس کی سرحدیں شمال میں اصفہان۔ اور صحرائے خراسان سے ملتی تھیں۔ اور جنوب و مغرب کی حد بندی دریائے فارس کرتا تھا۔ فارس کا ملک پانچ احاطوں میں تقسیم تھا۔ سب سے بڑا احاطہ اصطخر تھا۔ جس کا صدر مقام بھی شہر اصطخر تھا۔ اس کے بعد احاطہ اردشیر کا نمبر تھا جس کا صدر مقام جور تھا۔ اور اسی احاطہ میں شیراز کا شہر بھی تھا۔ جو ملک فارس کا پائے تخت تھا۔ واقع تھا۔ اور شیراز میں ہی تمام ملکی و مالی دفتروں کی کچہریاں اور دارالامارۃ بھی تھا۔ اس کے بعد احاطہ دارابگرد اور احاطہ ارجان جس کا صدر مقام شہر ارجان تھا۔ بعد ازاں احاطہ سابور جو ملک فارس کے تمام احاطوں سے چھوٹا تھا۔ اور اسی احاطہ میں شہر گازرون واقع تھا۔ ملک فارس میں چند ایسے مقامات بھی تھے۔

۲۱۸ھ تا ۲۲۷ھ

ابو اسحٰق المعتصم باللہ خلیفہ مامون الرشید کی وفات کے بعد چونکہ ترکوں
عہد خلافت ۸ سال ۷ ماہ نے اسے خلیفہ مقرر کیا تھا۔ اس لیے اس خلیفہ نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی ترکوں کو اپنی سلطنت میں بڑے بڑے منصب دیدیئے

اور انہیں سلطنت کی بہت سی خدمتوں پر بکثرت مامور کیا۔

عباسی حکومت کے شروع میں ملک ترکستان کے عاملوں کی طرف سے ترکوں کے چھوٹے چھوٹے لڑکے خلیفہ کے حضور میں نذر کے طور پیش ہوا کرتے تھے۔ اور ہر ایک خلیفہ ان غلاموں کی جماعت میں سے حسین اور گرانڈیل جوانوں کو چن کر اپنے رسالہ یا باڈی گارڈ میں بھرتی کرتا رہتا تھا۔ یہی غلام سلاطین یعنی خاندان غلام کہلائے۔

خلیفہ المعتصم بڑا قوی اور سخت دل شخص تھا۔ وہ انسان کے پہنچے کی ہڈی کو اپنی دو انگلیوں سے توڑ ڈالتا تھا۔

المعتصم نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی مامون الرشید کے نقش قدم پر چلا اور مسئلہ خلق قرآن کے پھیلانے کیلئے عمر بھر کوشاں رہا۔ بہت سے علماء کو قتل کیا۔ ۲۲۱ھ میں دار الخلافہ بغداد سے سر من رائے میں منتقل کیا۔ وہ بھی محض ترکوں کی صحبت سے۔

۲۲۳ھ میں روم پر فوج کشی کی۔ اور وہاں کے باشندوں کو سخت تکلیف پہنچائی مگر عموریہ کو فتح کر لیا۔ اس جنگ میں معتصم نے تیس ہزار انسانوں کو تہ تیغ کر دیا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ خلفائے عباسیہ میں سے اس خلیفہ نے جس قدر فتوحات کی ہیں کسی خلیفہ نے نہیں کیا۔ شاہان آذربائیجان طبرستان سیستان۔ اصفہان۔ فرغانہ طخارستان۔ صغد۔ کابل۔ وغیرہ اس کے باجگذار تھے۔

اس کا ارادہ تو یہ تھا کہ مغرب کے آخری کنارہ کے شہر تک فتح کرے لیکن موت نے مہلت نہ دی۔ آخر ۱۹ ربیع الاوّل ۲۲۷ھ میں اس شجاع خلیفہ کا انتقال ہو گیا۔

۲۲۷ھ تا ۲۳۲ھ

ابو جعفر ہارون واثق باللہ — **عہدِ خلافت ۵ سال ۹ ماہ**

یہ خلیفہ اپنے باپ کے عہد خلافت میں ہی ولیعہد مقرر ہو چکا تھا۔ باپ کے مرنے کے بعد تخت خلافت پر متمکن ہوا۔ یہ نہایت ادیب اور با مذاق شاعر تھا۔

۲۲۸ھ میں اس نے ایک ترکی سردار اشناس نامی کو نائب سلطنت مقرر کیا۔ جس کے سر پر تاج شاہی پہنایا۔ اس سے پہلے کسی خلیفہ نے اپنا نائب مقرر نہ کیا تھا

۲۳۱ھ میں اس نے مامون الرشید کے معتقدہ مسئلہ خلق قرآن کی تحقیق کی

اسی سال ایک ہزار چھ سو مسلمان قیدی قیصر روم سے چھڑا لیے گئے۔

۲۳۲ھ میں سر من رائے میں خلیفہ واثق باللہ نے ۲۴ ذوالحجہ میں انتقال کیا۔

۲۳۲ھ تا ۲۴۷ھ

جعفر المتوکل علی اللہ — **عہد خلافت ۱۴ سال ۹ ماہ**

واثق باللہ کی وفات کے بعد جعفر المتوکل علی اللہ تخت خلافت پر بیٹھا۔ یہ بھی بہت عیاش شخص تھا۔ اس کی چار ہزار کنیزیں تھیں۔ اور شب و روز شراب خواری میں منہمک رہتا تھا۔

۲۳۴ھ میں اس نے تمام محدثین کو مقام سامرہ میں جمع کر کے انکو خلعت و انعام سے سرفراز کیا۔

۲۳۵ھ میں تمام عیسائیوں میں یہ حکم نافذ فرمایا۔ کہ وہ گلوبند باندھا کریں۔

۲۳۶ھ میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضہ مبارک کے اردگرد کے مکانات کو مسمار کرا کر بدعات سے روکا۔ اس پر وہ سخت بدنام ہوا۔

۲۳۷ھ میں قاضی مصر ابو بکر بن محمد بن ابو اللیث کے مظالم پر اسکو سزا دے کر

برطرف کیا اور اُس کی جگہ حارث بن مسکین شاگرد امام مالک رح کو قاضی مصر مقرر کیا

اسی سال شہر سقلان نذر آتش ہو کر خاکستر ہو گیا۔

سنہ ۲۳۸ھ قیصر روم نے امیاطہ پر حملہ کیا۔

سنہ ۲۴۲ھ میں کڑک آسمانی کے باعث بہت سے آدمی ہلاک ہوئے۔ عراق میں مرغی کے انڈے کے برابر اولے پڑے۔ مغرب کے تیرہ گاؤں زمین میں دھنس گئے۔

سنہ ۲۴۳ھ میں تونس۔ رے۔ خراسان۔ نیشاپور۔ طبرستان۔ اصفہان میں سخت زلزلے آئے اور بعض جگہ زمین پھٹ گئی۔

اسی سال یہ خلیفہ دمشق میں گیا۔ اور اسے بہت پسند کیا۔

متوکل نے سب سے پہلے اپنے بیٹے منتصر کو اُس کے بعد معتز اور موئید کو ولیعہد بنایا تھا لیکن بعد میں معتز کی ماں کی تحریک کے مطابق معتز کو ولیعہد اول مقرر کیا منتصر نے اپنی حق تلفی کی نسبت بہت کچھ کہا لیکن متوکل نے ایک نہ سنی جب ترکوں کو متوکل کی اس وعدہ خلافی کا حال معلوم ہوا۔ تو وہ منتصر کی امداد کو آمادہ ہو گئے چنانچہ منتصر کے ساتھ ملکر متوکل کو جبکہ وہ عیش و عشرت میں مشغول تھا آدھی رات کے وقت اُس کے وزیر فتح بن خاقان کے ساتھ شوال ۲۴۷ھ کو قتل کر دیا۔

سنہ ۲۴۷ھ تا سنہ ۲۴۸ھ

المنتصر باللہ اس خلیفہ نے اپنے باپ کو قتل کر کے تخت خلافت پر قبضہ کیا۔

عہد خلافت چھ ماہ اور اپنے دونوں بھائیوں یعنی معتز اور موئید کو ولی عہدی سے معزول کر دیا۔

یہ ترکوں کا مخالف تھا۔ اس نے ترکوں کو سلطنت کے عہدوں سے معزول کر کے سزائیں دیں۔ اسی بنا پر ترکوں نے اس کو مار ڈالا بعض مورخین کا قول ہے

کہ اسے زہر دیا گیا۔ اور بعض زہر آلود نشتر سے فصد کھلانے کا واقعہ لکھتے ہیں۔
مرتے وقت اس نے اپنی ماں سے کہا تھا کہ مجھ سے دین و دنیا دونوں چیزیں
جاتی رہیں میں اپنے باپ کی موت کا باعث ہوا تھا۔ لوگ میری موت کا باعث
ہوئے۔ پانچویں ربیع الاول ۲۴۸ھ میں اس کا انتقال ہوا۔

۲۴۸ھ تا ۲۵۲ھ

ابو العباس المستعین باللہ
عہد خلافت تین سال

تخت خلافت پر متمکن ہوتے ہی یہ بھی ترکوں سے انتقام لینے لگا۔ اسلئے ترک بگڑ گئے۔ اور ملک میں بغاوت ہو گئی۔ متلون مزاج ترکوں نے اسکے چچیرے بھائی المعتز باللہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اس وجہ سے دونوں بھائیوں میں جنگ چھڑ گئی۔ مگر ترکوں کی چیرہ دستیاں بڑھتی ہی جاتی تھیں۔ اگرچہ المستعین باللہ تخت خلافت سے دست بردار ہو گیا تھا۔ مگر ترکوں نے اسے زندہ نہ رہنے دیا۔ بلکہ بہت بری طرح قتل کر دیا۔

۲۵۲ھ تا ۲۵۵ھ

المعتز باللہ
عہد خلافت تین سال ۹ ماہ

المعتز کی عمر صرف انیس ۱۹ سال کی تھی جس وقت کہ وہ تخت خلافت پر متمکن ہوا۔

اس نے پہلے تو علی بن محمد کو نائب سلطنت بنایا۔ پھر اسے معزول کر کے اپنے بھائی ابو احمد کو نائب سلطنت مامور کیا۔ لیکن اس نے ایک سال کے بعد المعتز سے بغاوت کی اسی جرم میں قتل کیا گیا۔

۲۵۴ھ میں صالح بن وصیف کی نسبت ترکوں نے المعتز سے کہا کہ اگر ہمیں کچھ رقم دی جائے تو ہم اسے قتل کر دیں۔ چونکہ المعتز کو صالح سے از حد عداوت تھی۔

اس لیے اُس نے ترکوں کو روپیہ دینے کا وعدہ تو کر لیا۔ لیکن یہ وعدہ ایفا نہ کیا۔ اس وعدہ خلافی پر ترک المعتز کے دشمن ہو گئے۔ اور اُنہوں نے صالح کو اپنے ساتھ ملا کر مظاہرہ کیا۔ اور اسی مظاہرہ میں المعتز کو بہت بُری طرح پیٹا۔ اور اسی صدمہ میں وُہ پانچ روز کے بعد مر گیا۔

۲۵۵ھ تا ۲۵۶ھ

ابوعبداللہ محمد المہتدی باللہ
عہد خلافت ایک سال

المعتز کے بعد واثق باللہ کے بیٹے ابوعبداللہ محمد المہتدی باللہ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔

موسیٰ بن بغا صالح کا دشمن تھا۔ اُس نے موقعہ پاکر صالح کو قتل کر دیا۔ اس واقعہ کو سُنکر المہتدی کو نہایت افسوس ہوا۔ اور اُسی وقت حکم دیا۔ کہ موسیٰ اور اُس کے ہمراہی ترکوں کو قتل کر دیا جائے۔

اس حکم کی موسیٰ کو خبر ہو گئی۔ اور اُس نے المہتدی کے قتل کا بھی ارادہ کر لیا خلیفہ المہتدی باللہ کی طرف سے فرغانہ نے موسیٰ کا مقابلہ کیا اور ایک دن میں چار ہزار ترک قتل کر ڈالے لیکن آخرکار فوج خلافت کو شکست ہوئی۔ اور خلیفہ المہتدی بھی اسی جنگ میں ماہ رجب ۲۵۶ھ میں مارے گئے۔

۲۵۶ھ تا ۲۷۹ھ

المعتمد علی اللہ
عہد خلافت ۲۳ سال

اِس خلیفہ کے مامور ہوتے ہی زنگی قوم نے بصرہ اور اس کے مضافات میں آفت برپا کر دی۔ تمام شہروں کو تباہ کیا۔ ہزاروں انسانوں کا قتل کیا۔ مکانات میں آگ لگا دی۔ سیہ کاریاں کیں سینہ زوریاں کیں۔ اسلیے انکی سرکوبی کے لیے المعتمد کو فوج خلافت بھیجنا پڑی۔ یہ شورش تو فرو ہو گئی۔ لیکن اس کے بعد ہی عراق میں ایسی وبا پھیلی جس سے جنگ

بغاوت سے زیادہ آدمی ہلاک ہوئے۔

پھر اس کے بعد ۲۶۰ھ میں حجاز و عراق میں اسقدر قحط پڑا کہ گیہوں کی ایک بوری ڈیڑھ سو دینار کو فروخت ہوتی تھی۔

۲۶۱ھ خلیفہ المعتمد نے اپنے بیٹے مفوض الی اللہ جعفر کو ولیعہد بنایا۔ اس کے بعد اپنے بھائی موفق طلحہ کو ولیعہد مقرر کیا۔ اور اسی موفق کو ممالک شرق و عراق بغداد۔ حجاز۔ یمن۔ فارس۔ اصفہان۔ رے۔ خراسان۔ طبرستان سجستان سندھ کی حکومت تفویض کی۔ اسی طرح اپنے بیٹے مفوض کو ممالک مغربی شام جزیرہ آرمینا وغیرہ کی حکومت پر مامور کیا۔

۲۶۶ھ اہل روم نے دیار بکر پر قبضہ کر لیا۔

۲۶۷ھ احمد بن عبداللہ نے خراسان۔ کرمان و سجستان پر قابض ہو کر عراق پر بھی قبضہ کرنا چاہا لیکن اس کے غلاموں نے اُسے قتل کر دیا۔

۲۷۱ھ میں ہارون بن ابراہیم ہاشمی نے اپنا تانبے کا سکّہ جاری کیا۔ پہلے تو اس کا رواج ہو گیا تھا لیکن بعد میں موقوف ہو گیا۔

۲۷۸ھ میں موفق نے انتقال کیا۔ اور معتمد باللہ اپنے حریف کی موت سے مطمئن ہو گیا۔

۲۷۹ھ میں المعتمد باللہ نے اپنے بیٹے کی جگہ ابوالعباس معتضد باللہ کو اپنا ولیعہد بنایا۔ اور اسی سال ۹ ماہ رجب ۲۷۹ھ میں المعتمد کا انتقال ہوا۔

۲۷۹ھ تا ۲۸۹ھ

احمد المعتضد باللہ عہد خلافت نو سال ساڑھے ۹ ماہ | اس خلیفہ کے عہد خلافت کے دوسرے سال یعنی ۲۸۰ھ میں اسی عہدی قیروان گیا۔ اور حاکم افریقہ سے

جنگ ہوئی۔

۲۸۱ھ میں روم کا ایک شہر مکوریا فتح ہوا۔ اسی سال المعتضد باللہ کے حکم سے مکہ شریف میں دارالندوہ گرا کر مسجد حرام کے پاس ایک مسجد تعمیر کی گئی

۲۸۲ھ میں المعتضد نے قطر الندیٰ بنت خمارویہ سے نکاح کیا جس کے امیر الامراء والدین نے دس صندوق جواہرات کے اُسے جہیز میں دیئے۔

۲۸۳ھ میں ذوی الارحام کو میراث پانے کا حکم نافذ فرمایا۔

۲۸۶ھ ابوسعید نے لشکر شاہی کو شکست دیکر بصرہ پر قبضہ کر لیا اور ۲۸۹ھ میں المعتضد سخت بیمار ہو گیا۔ اور اس بیماری سے وُہ جانبر نہ ہوسکا۔

۲۸۹ھ تا ۲۹۵ھ

المکتفی باللہ
عہد خلافت ساڑھے چھ سال

جس وقت معتضد کا انتقال ہوا ہے اُس وقت المکتفی رقہ میں تھا۔ معتضد کی وفات کے بعد وزیر سلطنت ابوالحسن نے المکتفی کی طرف سے لوگوں سے بیعت لی۔ اور مکتفی کو بلا بھیجا چنانچہ المکتفی باللہ، جمادی الاول کو بغداد میں پہنچا جس کے آنے پر اہل بغداد نے اپنی مسرت کا اظہار کیا۔

المکتفی نے رعایا کو بہت خوش کیا۔ اور بہت سی مسجدیں تعمیر کرائیں۔ یہ خلیفہ نہایت رحمدل۔ خوش خلق اور عادل تھا۔ اس کے عہد خلافت میں ۲۹۱ھ میں مضافات روم میں سے انطاکیہ فتح ہوا۔ اور بے انتہا مال غنیمت ہاتھ آیا۔

۲۹۲ھ میں دریائے دجلہ کی طغیانی سے بغداد کا اکثر حصہ مسمار ہو گیا۔

۲۹۵ھ ماہ ذی قعدہ کی ۲۲ تاریخ کو المکتفی باللہ کا انتقال ہو گیا۔

۲۹۵ھ تا ۳۲۰ھ

جعفر المقتدر باللہ عہد خلافت خلیفہ المکتفی باللہ کے بعد معتضد باللہ کا دوسرا بیٹا جعفر المقتدر باللہ تیرہ سال کی عمر میں مسند خلافت پر جلوہ آرا ہوا۔ مگر نابالغی کے باعث ایک ہی سال کے اندر ۲۰ ربیع الاول ۲۹۶ھ کو تخت پر سے اُتار دیا گیا۔ اور اس کی جگہ المعتز بن المتوکل باللہ کے بیٹے عبداللہ بن معتز کو مامور کیا گیا۔ جو بنی عباس کا نامور شاعر گذرا ہے۔ مگر اس بدنصیب شاعر کو ایک دن بھی تخت خلافت پر بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ کیونکہ ابھی تخت پر بیٹھے چند ہی گھنٹے ہوئے تھے۔ کہ مخالفوں نے شورش ڈال دی۔ اور اُسے تخت سے اُتار کر پھر اسی نابالغ المقتدر باللہ کو بٹھا دیا۔ اس کے بعد ۳۱۷ھ تک المقتدر تخت خلافت پر متمکن رہا لیکن اسی سال پھر طوفان مخالفت اُٹھا۔ اور اُسے تخت سے اُتار کر اسکی جگہ ابوالمنصور محمد القاہر باللہ کو بٹھایا گیا۔ مگر تلون مزاج اراکین سلطنت کو اس پر بھی اعتماد نہ ہوا چنانچہ چند روز کے بعد القاہر کو معزول کر کے پھر المقتدر باللہ کو تخت خلافت سونپا گیا المقتدر نے ان تین پلٹوں میں کل ۲۵ سال حکومت کی۔ آخر ۲۲ شوال ۳۲۰ھ کو قتل کیا گیا۔

۳۲۰ھ تا ۳۲۲ھ

القاہر بامر اللہ عہد خلافت ڈیڑھ سال المقتدر کے بعد معتضد کے بیٹے محمد القاہر بامر اللہ کو مامور کیا گیا۔

اس خلیفہ کو تخت سلطنت سنبھالے ابھی ڈیڑھ سال کا ہی عرصہ ہوا تھا کہ باغیوں نے اسے اندھا کر کے تخت خلافت سے علیحدہ کر دیا۔

۳۲۲ھ تا ۳۲۹ھ

محمد الراضی باللہ یہ خلیفہ مقتدر کا بیٹا تھا جو جانشین خلافت ہوا۔ اس کے
عہد خلافت ۷ سال ۱ ماہ عہد خلافت میں ایک شخص حسن بن علی السمعانی نے طوفان اُٹھا
رکھا تھا۔ وہ اپنے آپ کو خدا کہتا تھا۔ اور مردوں کو زندہ کرنے کا دعویٰ کرتا تھا۔
الراضی باللہ نے اس مرتد کو قتل کرا دیا۔
۳۲۲ھ میں ابوالفضل اور ابوجعفر اس کے دونوں بیٹوں نے ملک مشرق و مغرب
پر قبضہ کر لیا۔
۳۲۴ھ میں امیر بن رائق واسطہ حکومت پر ایسا حاوی ہوا کہ وزارت اور دیگر دفاتر
خلافت پر اس کا قبضہ ہو گیا۔
۳۲۵ھ میں انتظام سلطنت بالکل بگڑ گیا۔ رعایا باغی ہو گئی۔ اور ہر ایک عامل
نے اپنے اپنے شہروں پر قبضہ کر لیا۔ اور تین حاکموں نے خلافت کا دعویٰ کر دیا۔ ایک
تو امیر عبدالرحمٰن نے جو اس وقت اسپین کے بادشاہ تھے۔ دوسرے راضی نے جو
بغداد میں اپنا سکہ جما چکا تھا تیسرے مہدی نے جو قیروان کا حاکم تھا۔
اسی طوائف الملوکی میں محمد الراضی باللہ بیمار ہو گیا اور ماہ ربیع الثانی ۳۲۹ھ
میں اس دار فانی سے چل بسا۔

۳۲۹ھ تا ۳۳۴ھ

المتقی والمکتفی باللہ محمد الراضی باللہ کی وفات کے بعد اس کا بھائی ابراہیم
عہد خلافت ۴ سال ۳ ماہ المتقی باللہ اس کا جانشین ہوا۔ جو دو سال گیارہ ماہ
تخت خلافت پر بیٹھا۔ پھر اندھا کر کے تخت سے اتار دیا گیا اور اس کی جگہ اس کے بیٹے

المکتفی باللہ کو مامور کیا گیا۔ اس نے بھی صرف ایک سال چار ماہ ہی خلافت کی تھی کہ ماہ جمادی الثانی میں ۳۳۴ھ معزول کیا گیا۔ ان دونوں کے بعد اراکین سلطنت نے مقتدر کے بیٹے فضل کو مامور کیا۔

۳۳۴ھ تا ۳۶۳ھ

الفضل المطیع اللہ ﴿ المتکفی باللہ کے تخت سے علیحدہ ہونے پر المطیع اللہ خلیفہ

عہد خلافت ۲۹ سال ۴ ماہ ﴾ مقرر کیا گیا۔

اس کے عہد خلافت میں بھی بغاوت کا یہاں تک زور تھا۔ کہ علما تک باغی تھے۔

خلیفہ سابق المتکفی باللہ کے عہد میں باغیوں کا سرغنہ ابن ابویہ تھا جس کو پہلے المستکفی نے ہی اسقدر سر چڑھایا تھا۔ کہ نہ فقط اس کو خلعت و خطاب عطا کر کے معزالدولہ ممتاز فرمایا۔ بلکہ اس کے دونوں بھائیوں کو بھی عماد الدولہ اور رکن الدولہ کا خطاب دیا۔ اسی قدر نہیں بلکہ اس کے نام کے سکے سکوک کرا دیئے گئے۔ گویا والئی سلطنت معزالدولہ ہی تھا۔ اس حسن سلوک عزت و اقتدار کا احسان مند ہونے کی بجائے معزالدولہ نے المستکفی کو پانچہزار درہم روزانہ تنخواہ مقرر کر کے تخت سے علیحدہ کر دیا۔

اسی معزالدولہ نے ۳۳۹ھ میں المطیع اللہ کی خدمت میں درخواست کی کہ اس کے بھائی علی بن ابویہ عماد الدولہ کو سلطنت کا کوئی عہدہ دیا جائے۔

مطیع نے اس درخواست کو منظور کر لیا تھا۔ لیکن وہ مر گیا۔ اور اس کی جگہ معزالدولہ کے بھائی رکن الدولہ کو تفویض ہوئی۔

۳۳۹ھ میں کعبہ شریف کا حجر اسود پھر اپنی جگہ نصب کیا گیا۔ اور اس کے گرد سونے کا ایک حلقہ بنا دیا گیا۔

۳۵۰ھ میں معزالدولہ نے ایک بہت بڑا مکان بغداد میں بنایا جس کی بنیاد پچھتیس

گزر گئی گئی ۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں ۔ کہ اس زمانہ میں ہر طرف سرکشی اور بغاوت کا طوفان بپا تھا ۔ مذہبی اختلاف اور ذاتی نزاعات اسقدر بڑھی ہوئی تھیں کہ اس میں کہ ایک دوسرے خاندان کو نیست و نابود کرنے کا تہیہ کر لیا گیا تھا ۔ چنانچہ

٣٥٢ھ میں اسمٰعیلیہ فرقے نے حکومت خاندان فاطمیہ کی بنیاد ڈالی ۔ اس فرقے کے لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے امام جعفر صادق تک تو امامت کو برحق مانتے ہیں مگر موسےٰ کاظم کو امام نہیں مانتے تھے ۔

مصر میں حکومت خاندان فاطمیہ اسمٰعیلیہ کا آغاز ٣٥٩ھ تا ٣٦٥ھ

اور اُن اماموں میں سے جو موسیٰ کاظم کے بعد ہوئے ہیں البتہ اسماعیل بن جعفر صادق کو امام برحق بلکہ پیغمبر اولاالعزم سمجھتے ہیں ۔ بلکہ یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں ۔ کہ اس پر امامت اور نبوت ختم ہو چکی ہے ۔ مورخین عرب اس فرقہ کو سبعیہ کہتے ہیں ۔ کیونکہ وہ سات اماموں کے قائل ہیں ۔ اُن کا یہ بھی عقیدہ ہے ۔ کہ ہر ایک انقلاب دور فلکی میں امام کا ہونا ضروری ہے ۔ خواہ وہ ظاہر یا مخفی رہے جس زمانہ میں امام ظاہر ہو ۔ اس زمانہ کو دور الکشف اور جس میں امام مخفی رہے اُس زمانہ کو دور الستر کہتے ہیں ۔ اس فرقہ کو باطنیہ بھی کہا جاتا ہے ۔ وہ اس لئے کہ ان کا یہ قول ہے ۔ کہ ہر ایک ظاہر کیلئے ایک باطن ہے یعنی امام ظاہر کے بعد امام باطن کا ہونا لازمی ہے ۔ ان کا یہ بھی اعتقاد ہے ۔ کہ جو شخص مر جاتا ہے ۔ وہ اس لئے مرتا ہے ۔ کہ اُس نے اپنے وقت کے امام کو یا تو پہچانا نہیں یا اُس کی بیعت نہیں کی

چنانچہ اس فرقہ کے لوگوں میں سے پہلا شخص المعز الدین اللہ ہے ۔ جو خاندان فاطمیہ سے اور اہل تشیع کی ایک شاخ مذہب اسمٰعیلیہ کا پیرو کار تھا ۔ اس نے ٣٤٦ھ میں اسی بغاوت کے زمانہ میں شہر فارس کو فتح کیا ۔ بلکہ انتہا ئے مغرب افریقہ تک فوج کشی کی اور ملک مصر کا بادشاہ ہوا ۔ قاہرہ اسی کا بسایا ہوا ہے ۔ اور یہی شخص خاندان فاطمیہ کا پہلا بادشاہ ہے ۔ اس کے بعد اس خاندان فاطمیہ کے سترہ بادشاہوں نے

۵۶۵ھ تک بادشاہی کی

اور ۵۶۵ھ میں حامی دین متین سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس فرقہ کی خوب خبر لی حتیٰ کہ ایک شخص بھی نہ چھوڑا۔ اور اس کے بعد خاندان ایوبیہ کی حکومت کا زمانہ آیا جس کا پہلا بادشاہ سلطان صلاح الدین تھا چنانچہ جس سن میں سلطان صلاح الدین نے تخت شاہی پر جلوس فرمایا ہے۔ اسی سن میں ہم شاہان ایوبیہ کے کچھ حالات لکھینگے

۳۶۰ھ میں اس خلیفہ المطیع اللہ کے عہد خلافت میں جعفر بن فلاح نائب حاکم دمشق کے حکم سے اذانوں میں حی علی الخیر العمل ایزاد کیا گیا۔

۳۶۲ھ میں سلطان بختیار یعنی عزالدولہ اور مطیع اللہ کے مابین خطبہ کے متعلق کچھ جھگڑا ہوگیا۔ اسی خلش میں عزالدولہ نے مطیع اللہ کا وظیفہ بند کر دیا۔

غرضیکہ انہی فسادات ملکی اور طائف الملوکی کے باعث مطیع اللہ کو ۳۶۳ھ میں خلافت سے دست بردار ہونا پڑا۔

۳۶۳ھ تا ۳۸۱ھ

عبدالکریم الطائع اللہ / **عہد خلافت سترہ سال نو ماہ** — ہم لکھ چکے ہیں کہ عزالدولہ ترکی نژاد سردار کا اقتدار یہاں تک بڑھ گیا تھا کہ خلیفہ وقت اس کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح رہتا تھا۔ چنانچہ اسی نے المطیع اللہ کو تخت خلافت سے اتار کر اس معزول خلیفہ کی بجائے الطائع اللہ کو تخت خلافت پر بٹھایا۔

۳۶۴ھ میں جبکہ غزنی میں البتگین اپنی خودمختار حکومت کا عہد ختم کر کے راہی بقا ہوا تو عزالدولہ کے مصاحب سبکتگین نے (جو اس سے پہلے البتگین کا غلام تھا) غزنی کا تخت حکومت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ ان دنوں سبکتگین بغداد میں تھا اور عزالدولہ سے اس کی کچھ بگڑ گئی تھی۔ اس نے عضدالدولہ عزالدولہ کی طرف

جب سبکتگین کا مقابلہ کرنے کیلئے بغداد میں آیا تو عضد الدولہ کو شہر بغداد کچھ ایسا بھایا۔ کہ یہیں کی حکومت کیلئے جی للچایا۔ اور وہ عزالدولہ کے خلاف ہوگیا۔

۳۶۶ھ میں المستنصر باللہ بادشاہِ اندلس فوت ہوگیا۔ اور اُس کی جگہ اس کا بیٹا ہشام تخت اندلس پر متمکن ہوا۔

ہندوستان میں اسلامی حکومت
خاندان سلجوق (ترک) کا پہلا بادشاہ
سبکتگین ۳۶۶ھ مطابق ۹۷۶ء میں

۳۶۶ھ مطابق ۹۷۶ء کے زمانہ میں الپتگین کے بعد اس کا سابق غلام اور عزالدولہ کا مصاحب خاص سبکتگین غزنی کے تختِ حکومت پر متمکن ہوا

سبکتگین چونکہ خاندانِ سلجوق سے تھا۔ اور یہ خاندان ہندوستان کی اسلامی حکومت کا پہلا خاندان ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ خاندان سلجوق کی تاریخ بیان کر دی جائے۔

ایک شخص مسمی سلجوق تھا پہلے اسکے خاندان کے لوگ ماوراء النہر (تاتار) میں رہتے تھے۔ پھر خراسان میں آکر آباد ہوئے۔ اس کے بعد جنوبی ایشیا میں ایرانی، کرمانی اور رومی نسب سے حکومت کرتے رہے۔

بعض مورخین اس طرح لکھتے ہیں۔ کہ تاتاری افسروں میں سے ایک افسر بیگو قپچاق بحیرہ شام کے قریب رہتا تھا۔ جو بڑا بہادر اور سب کا دل چلا تھا جب اُس کا باپ مر گیا تو بیگو نے سلجوق نامی کی پرورش صرف اس خیال سے کی کہ وہ اپنے باپ کے موافق نکلے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

لیکن جب سلجوق اپنی بہادری اور شجاعت کے باعث مشہور ہوگیا تو وہ اپنے مالک سے خود سر اور گستاخ ہوگیا۔ اُس کی اس گستاخی سے متنفر ہو کر بیگو نے سلجوق کو اپنے ملک سے نکال دیا۔ سلجوق نے وہاں سے نکل کر سمرقند اور اُسکے گردونواح میں ایک چھوٹی سی بادشاہت قائم کی۔ اور خود مسلمان ہوگیا۔ چنانچہ اُس کی نسل

دین اسلام اس لواح میں پھیلا آخر ایک سو سات برس کی عمر میں ایک تاتاری کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کے کئی بیٹے ہوئے۔ اور اس کی اولاد سلجوق کہلائی۔

غرضیکہ سبکتگین اسی سلجوق خاندان کا ایک رحم دل ہونہار۔ مدبر۔ دلیر تھا جو غزنی کا تخت حاصل کر کے شمالی ہندوستان کی طرف بڑھا۔

ان دنوں شمالی ہندوستان پر راجہ جے پال کا قبضہ تھا جس کا دارالخلافہ ان دنوں لاہور تھا ہندوستان اور سندھ کے راجے محمد قاسم کے وقت سے ہی بہادران اسلام کی شجاعت کا لوہا مانے ہوئے تھے۔ اگرچہ محمد قاسم کے شجاعانہ حملوں کو اس وقت تقریباً اڑھائی سو سال سے کچھ سال اوپر ہی عرصہ گذر چکا تھا لیکن اسلامی تلواروں کی جھنکاریں ابھی تک ہندو راجوں کے کانوں میں سنائی دیتی تھیں جس سے ان کے دل دہل جاتے تھے۔

یہی وجہ تھی کہ راجہ جے پال سبکتگین کا نام سنتے ہی خوف کھانے لگا۔ اور اس طوفانِ فتوحات کو روکنے کیلئے وہ درہ خیبر تک جا پہنچا لیکن شیروں کا مقابلہ شیر ہی کر سکتے ہیں شیر دل بہادر اسلام کے پنجہ سے چھوٹنا آسان تو تھا ہی نہیں غرضیکہ سبکتگین نے جے پال کو وہیں گھیر لیا سبکتگین پھر بھی مسلمان تھا۔ جو اس نے مذہب اسلام کے احکام کے مطابق گھر پر پہنچے ہوئے مشرک دشمن کو تاوان کے اقرار پر چھوڑ دیا۔ ورنہ کوئی بتا سکتا ہے۔ کہ میدان جنگ میں اپنے بالمقابل دشمن کو کوئی زندہ چھوڑ سکتا ہے۔

لیکن جے پال تو مسلمان نہ تھا۔ جو اس احسان کو یاد رکھتا۔ اور اپنے وعدے کا پاس کرتا۔ اس نے لاہور میں آتے ہی تاوان ادا کرنے سے انکار کر دیا سبکتگین کو یہ بدعہدی اسقدر ناگوار گذری کہ وہ لفظ انکار سنتے ہی راجہ جے پال کی سرکوبی کیلئے سیدھا پشاور آ گیا۔

جے پال کا دل اگرچہ بہادران اسلام کے ساتھ مقابلہ کرنے کیلئے نہ جمتا تھا لیکن اس نے دیگر ہندوستان کے راجوں کی امداد پر اپنے دل کو مضبوط کر لیا تھا۔ چنانچہ جے پال کی مدد کیلئے دہلی۔ اجمیر۔ کالنجر وغیرہ کے کئی راجے آئے لیکن سب کے سب بہادران اسلام کے حملوں کی تاب نہ لا سکے۔ بہادر سبکتگین نے نہ فقط اس مجموعی لشکر کو شکست فاش دی۔ بلکہ اپنے دشمن راجہ جے پال کو بھی گرفتار کر لیا۔ سبکتگین واقعی بڑا رحمدل بادشاہ تھا۔ جے پال نے پھر معافی مانگ کر خراج ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ سبکتگین نے پھر اس کی جان بخش دی۔

افسوس کرنا پڑتا ہے۔ کہ یہ رحم دل بہادر بادشاہ پشاور پر قبضہ کر کے فتح و نصرت کے پرچم لہراتے ہوئے غزنی کو واپس جارہا تھا۔ کہ راستے میں ہی اس کا لولئے زندگی سرنگوں ہو گیا یعنی اس دار فانی کو چھوڑ کر عالم جاودانی کو چل بسا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ ہجری ۳۸۱ھ میں خلیفہ الطائع اللہ نے شب عید الفطر کو اس جہان فانی سے دائمی رحلت کی۔

۳۸۱ھ تا ۴۲۲ھ

ابو العباس احمد القادر باللہ عہد خلافت اکتالیس سال چار ماہ	الطائع اللہ کو تخت سے اتارنے کے بعد لوگوں نے احمد اللہ قادر باللہ کو اپنا خلیفہ منتخب کیا۔ چنانچہ

ماہ شوال میں ۳۸۱ھ میں ایک دربار منعقد کیا گیا۔ اور بہار الدولہ اور القادر باللہ نے آپس میں وفاداری کی قسمیں کھائیں اور ہر ایک ممالک میں القادر باللہ کی بیعت لی گئی۔

مکہ شریف میں ابو الفتوح الحسن بن جعفر علوی نے القادر باللہ کی بیعت لی۔ اس زمانہ میں بغاوت کا زور کم تھا۔ ہر طرف انتظام امن کی کوشش جاری تھی اندلس

اندلس میں حکومت بنی امیہ ۴۲۹ھ تک	میں بھی اگرچہ شاہی حکومت کا خاتمہ ہو کر طوائف الملوکی آزاد سلطنت کا آغاز ہو چکا تھا۔ تاہم یہ ملک اسوقت

بھی بہادران اسلام کے قبضے میں ہی تھا۔ اب اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ اندلس کی حکومت اسلامی پر آغاز سے اسوقت تک ایک نظر ناظرین کی جائے

اندلس پر مسلمانوں کو قبضہ کئے ہوئے تقریباً ۳۰۰ سو سال کا عرصہ ہو چکا تھا اور اتنا عرصہ نہایت انتظام و استحکام کے ساتھ مسلمانوں پر اندلس کا تسلط اسلئے رہا۔ کہ گذشتہ زمانہ کے اولالعزم اور بہادر مسلمان نہایت شائستہ تھے۔ اور حکام یورپ اسوقت جہالت کے اندھیرے میں پڑے ہوئے تھے۔ اندلس کے عرب اگرچہ طبعاً جنگی واقع ہوئے تھے لیکن اُن کی ملنساری اور صلح کل پالیسی نے خوش خلقی کی کامیابیوں سے فتحمندی سے زیادہ اُن کو کامیاب کر دیا۔ ان مسلمان عربوں نے شائستگی کے اطوار اور علم و ہنر اپنے حوصلہ اور شوق سے حاصل کئے تھے۔ نہ کہ اہل فرنگ کی طرح۔ کیونکہ اُس جہالت کے زمانہ میں یورپ کے باشندوں نے جو کچھ حاصل کیا۔ شارل مین کے جبر سے کیا تھا۔ نہ کہ اپنے شوق طبعی سے۔

تحصیل علوم و فنون یا فن تجارت و زراعت میں جو مفید اصلاح ان لوگوں کی جاتی تھی۔ وہ بڑی شکر گزاری اور احسانمندی کے ساتھ اس صلاح کو مانتے تھے۔

۹۲ھ مطابق ۷۱۱ء سے ۱۳۸ھ مطابق ۷۵۵ء تک جو کچھ تمدن و تہذیب کی آبیاری اندلس میں ہوئی۔ وہ عبدالرحمن اوّل کی تاثیر ترتیب مستقل مزاجی استحکام حکومت کے باعث ہوئی جس سے اندلس میں نخل اسلام بار آور ہوا۔

مسلمان شاہان اندلس کی ترقی و کامیابی کے دو باعث تھے ایک تو یہ کہ وہاں کے مسلمان اُن کے احکام و ارادہ کی اصلیت کو بخوبی جانتے تھے۔ اور دل سے اُنکی اطاعت کرتے تھے۔ دوم وہ لوگ صحیح معنوں اور دلی اعتقاد سے دین کو دنیا سے بہتر سمجھتے تھے۔ انکی شریعت اسلامی خواہش پر غالب تھی۔

علاوہ ان وجوہات کے یہ بات بھی تھی۔ کہ وہاں کا ملکی قانون مذہبی قانون

سے الگ تھا۔

چنانچہ عبدالرحمٰن ثانی نے جب یہاں کی حکومت کی ہے۔ تو اُنہوں نے انتظام ملکی کو مدنظر رکھ کر حج کرنے کیلئے بھی مکہ شریف میں جانا چھوڑ دیا۔ بلکہ خاص شہر قرطبہ میں ایک لاکھ دینار خرچ کر کے ایک عالیشان اور ایسی خوبصورت مسجد بنوائی کہ لوگ دُور دُور سے اس کی زیارت کیلئے شہر قرطبہ میں آنے لگے۔ اور بہت سے لوگ اس مسجد کو معبد عظیم سمجھ کر اسی شہر میں آ بسے۔

غرضیکہ اس حکمران نے عام لوگوں کے ذہن نشین کر دیا کہ ہمارا خاندان شرافت و نجابت کے اعتبار سے قابل تعظیم و تکریم ہے۔

چنانچہ اسی وجہ سے علوی اور عباسی خاندان کے حکمران اس کا بال بھی بیکا نہ کر سکے اور یہ خاندان برسوں تک اس ملک میں حکومت کرتا رہا۔

اگر کوئی مذہبی فتنہ بھی یہاں بپا ہوا۔ تو اس دُور اندیش اور مدبر بادشاہ نے ان عقائد مذہبی میں کبھی دخل نہ دیا۔

جو کچھ کیا حکمت اور اخلاق سے کیا۔ اسی واسطے اس کے عہد میں قتل اور خونریزی کی نوبت نہ آئی۔

اس خاندان میں دو خوبیاں اور بھی تھیں۔ ایک تو دُور اندیشی۔ دوسری متحمل مزاجی۔ عدل و انصاف اس خاندان کا شیوہ تھا۔

اگرچہ شاہی شان و شوکت بھی تھی لیکن غرور تمکنت نہ تھی۔

اندلس کے شاہانِ اسلام کے اصولِ سلطنت وہی تھے جو اور خلفاء اور شاہانِ اسلام کے تھے۔ تاہم ان چند باتوں میں یہ خاندان ممتاز تھا۔ (۱) حکم شاہی ہر ایک امر کی نسبت سدِ قاطع کی مانند تصور کیا جاتا تھا۔ رعایا حکم شاہی کی تعمیل کو دین و دُنیا کی سرفرازی سمجھتی تھی۔ (۲) ہر ایک مہم دربار شاہی کے مشورہ سے سرانجام

ہوتی تھی۔ (۳) دولت عثمانیہ کی طرح حاجب بمنزلہ وزیر اعظم منصور رہوتا تھا۔ (۴) ہر ایک صوبہ میں جدا جدا حاکم مقرر تھے۔ (۵) قرآن حمید اور حدیث شریف اور صحابہ کے فیصلوں کے مطابق عدالت ہوتی تھی۔ (۶) ہر ایک مقدمات کا فیصلہ اگرچہ قاضیوں کے اختیار میں تھا۔ مگر مرافعہ میں بادشاہ کا حکم قاضی کا فیصلہ منسوخ کر سکتا تھا۔ (۷) بادشاہ اپنی اولاد میں سے لائق بیٹے کو ولی عہد کر کے اپنی زندگی میں اُسے شریک حکومت کرتا تھا۔

چونکہ باقی اصول اس سلطنت کے بھی وہی تھے جو کہ ایشیائی سلطنتوں کے تھے اسلئے انجام کار اس میں بھی وہی خرابیاں پیدا ہوئیں جو ایشیائی سلطنتوں میں ہوئی ہیں۔ تاہم یہ دلیر اور مستقل مزاج مسلمان تھے۔ اگرچہ چاروں طرف اُن کو اپنے اور بیگانے دشمن ہی دشمن نظر آتے تھے لیکن اُن کے ہر ایک کام اور تعمیل قانون میں جو استحکام تھا وہ اُن کے ہم عصر کسی بادشاہ میں نہ تھا۔ قرطبہ میں ایک جرار لشکر ہر وقت مسلح اور تیار رہتا تھا۔ بحری سرحد کی حفاظت کیلئے جہازوں کا بیڑہ بادبان چڑھائے ہر وقت موجود رہتا تھا۔

مدبرانہ تدابیر سے تجارت کا بازار گرم تھا۔ زمینیں سرسبز تھیں۔ زراعت کا اچھا انتظام تھا۔ آبادی اس کثرت سے تھی کہ دیگر شاہان ممالک رشک کھاتے تھے۔ محاصل سالانہ اگرچہ ۵ کروڑ روپیہ کے قریب تھا لیکن اس قلیل آمدنی پر قرطبہ کو وہ رونق اور شان و شوکت حاصل تھی۔ کہ ممالک مشرقیہ ایشیا میں اسکے مقابل کوئی شہر نہ تھا۔

اندلس میں دور عہد حکومت اسلامی } تمام علمائے یورپ اس بات کو مانتے ہیں کہ یونان ادب - علوم - فنون } کے بعد علم و فنون کا وارث عرب ہوا ہے جب رومیوں کی سلطنت کے حصہ میں جہالت چھا گئی۔ تو علم اللسان اور علم فلسفہ نے عرب میں جا کر سکونت اختیار کر لی۔

اقوام عالم کی تاریخ اور ان کے ادبار اور اقبال اور انقلابات دیکھیے یورپ گویا اپنی آغاز تحصیل میں مسلمان حملہ آوروں کا ممنون احسان ہے جن کی وجہ سے ہر ایک علم کی ہر ایک شاخ یہاں بڑے جوش اور کامیابی سے سرسبز اور بارآور ہوئی۔ یہ تھوڑی سی بات نہیں ہے۔ کہ یونان کا خزانہ علوم عربوں کی آبادی میں آ کر محفوظ رہا۔

جن لوگوں نے اندلس کو فتح کیا تھا۔ وہ تو علم سے بے بہرہ تھے مگر عبدالرحمٰن ابن معاویہ سے علم کا چرچا شروع ہوا۔ اس نے خود علم کو حاصل کیا اور اس کی اولاد نے کئی مدرسے تعمیر کیے اور تدریس جاری کی کتب خانے ترتیب دیئے ان کی سخاوت اور فیاضی علم ضرب المثل ہے۔ اور انہیں کی کوشش سے جو برابر جاری رہی ان ملکوں میں علوم و فنون داخل ہوئے اور بہ نسبت ممالک اسلامیہ کے علم کا دریا اس سرزمین پر بڑے زور و شور سے جاری رہا جس میں ہر قسم کے علوم و فنون اور ہر جگہ کے رہنے والے سیراب ہوتے رہے۔

بیان طویل ہو رہا ہے۔ اور ہمیں اختصار کو مدنظر رکھنا ہے۔ ورنہ ہم بتاتے کہ اس ملک میں صرف عرصہ تین سو سال میں کتنی یونیورسٹیاں تھیں اور ان میں کیسے کیسے لوگ پیدا ہوئے جن کی تصانیف اس وقت بڑے بڑے عالموں کا نصاب تعلیم ہے۔

غرضیکہ اندلس میں فاتح اندلس طارق بن زیاد سے لیکر ہشام المؤید تک گویا ۹۲ھ سے ۴۲۲ھ تک کل تین سو تیس سال کے عرصہ میں تو کوئی انقلاب آیا تھا۔ لیکن ۴۲۲ھ میں بعد ماری سے جانے ہشام المؤید باللہ کے یہاں بھی طوائف الملوکی کا دور دورہ ہو گیا جس شخص میں طاقت ہوئی جس کی لاٹھی اسی کی بھینس کے اس مقولے کے مطابق اندلس کا بادشاہ بن بیٹھا۔

غرضیکہ القادر باللہ کے عہد خلافت کے پہلے سال یعنی ۳۸۱ھ میں اندلس کا بادشاہ ہشام ثانی المؤید باللہ تھا۔ اس نے ۳۹۹ھ میں وفات پائی پھر عبدالملک مظفر

بادشاہ ہوا۔ وہ ۳۶۶ھ میں راہیِ بقا ہوا۔ اُن کے بعد عبدالرحمٰن ناصر نے زمامِ حکومت سنبھالی لیکن ۴۰۰ھ میں اس سے محمد ابن ہشام نے سلطنت چھین لی ۴۰۳ھ کو ہشام المؤید کو پھر رعایا نے تخت پر بٹھایا۔ اور ۴۲۲ھ میں اُس کے مرتے ہی اِس شاہی خاندان کا خاتمہ ہوگیا۔ اور اُندلس کی میں طوائف الملوکی حکومت قائم ہوگئی۔

انہیں دنوں میں شاہ سبکتگین کا شجاع اور دلیر بیٹا سلطان محمود غزنوی ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ یہ بہادرِ اسلام جہادِ اسلام کا اسقدر شائق تھا کہ اس نے اپنی ۳۳ سال کے عہدِ حکومت میں ہندوستان پر سترہ حملہ کیے ہیں۔ چنانچہ اہم ان حملوں میں سے چند ایک مشہور واقعات لکھتے ہیں۔

سلطان محمود غزنوی کے ہندوستان پر حملے

چنانچہ ۳۹۱ھ مطابق ۱۰۰۱ء میں سلطان محمود نے راجہ جےپال کی سرکوبی کیلئے پہلا حملہ کیا جے پال شکست کھا کر آگ میں جل مرا۔

اِس شکست فاش اور راجہ جے پال کی موت نے ہندوؤں کے جوشِ انتقام کو مشتعل کر دیا۔ اسلئے نہ فقط تمام راجگان ہند نے بلکہ ہندو قوم کی عورتوں تک نے سلطان محمود کے خلاف ایڑی چوٹی تک کا زور لگا کر راجہ انندپال کی سپہ سالاری میں سلطان محمود سے پشاور واپس لینے کی کوشش کی لیکن بہادرِ اسلام محمود کو اِس اجتماع سے کیا خوف ہوتا۔ اُس نے اپنی جرار فوج کے ساتھ ہندو لشکر کا ایسا مقابلہ کیا۔ کہ سوائے بھاگنے کے ہندوؤں کو اور کچھ نہ بن آئی۔

اس معرکہ میں انندپال تو قتل ہوگیا لیکن چند ہی سال بعد اُس کے بیٹے جےپال نے راولپنڈی کے قریب شیردل بہادرِ اسلام محمود سے پھر مقابلہ کیا لیکن وہ بھی شکست کھا کر اجمیر کی طرف بھاگ نکلا۔

۴۰۰ھ مطابق ۱۰۰۹ء میں پنجاب کے ضلاع کانگڑہ میں ایک قصبہ نگرکوٹ کے

مندر پر اس بہادر اسلام نے حملہ کیا کیونکہ سلطان محمود کی نظر میں یہ بُت خانہ شرک کا مرکز تھا۔ اس لئے اس پر حملہ کیا گیا تھا۔ اس مجاہد اسلام کو یہاں سے بہت سا زرو جواہر مالِ غنیمت میں ملا۔

۴۰۹ھ مطابق ۱۰۱۸ء میں اسی طرح کشمیر اور متھرا کی طرف حملہ آور ہوا لیکن ۴۱۰ھ مطابق ۱۰۱۹ء میں راجہ قنوج نے سلطان محمود کے آگے اپنا سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اس لئے اس کی سلطنت اُسے واپس دیدی۔

متھرا والوں نے چونکہ سرکشی کی تھی۔ اس لئے اُن کو خوب سزا دی گئی۔ اُن کے مندروں کی تمام مورتیاں توڑ دی گئیں۔ جن سے لاکھوں روپے زروجواہر کی صورت میں حاصل ہوئے۔

۴۱۶ھ مطابق ۱۰۲۵ء یہ مجاہد اسلام ملتان سے اجمیر پہنچا۔ اس وقت اجمیر ہندو راج ہندو قدم ہندو مذہب کا گویا سنٹر تھا لیکن اس شیر دل بہادر اسلام کی آمد کا حال سنتے ہی وہاں کا راجہ اور تمام رعایا اسقدر خوف زدہ ہوئی۔ کہ سب لوگ شہر کو خالی کر کے جس طرف جس کے سینگ سمائے۔ بھاگ گئے۔

سلطان محمود کو بلا کسی مزاحمت کے اجمیر کی تمام دولت مل گئی۔ وہاں سے ہندوؤں کے مشہور و مقبول مندر سومنات کی طرف بڑھا۔ سلطان محمود جب اس مندر میں داخل ہونے لگے۔ تو راجپوت فوج نے ان کا مقابلہ کیا لیکن دو روز کی لڑائی کے بعد بہادر سلطان راجپوتوں کو شکست فاش دیکر مندر میں داخل ہو گیا۔

مندر کے پوجاریوں نے بُت توڑنے کے عوض لاکھوں روپے پیش کئے لیکن اس مجاہد اسلام نے ان کو یہ جواب دیا۔ کہ میں بُت شکن کہلانا پسند کرتا ہوں۔ بُت فروش بننا نہیں چاہتا۔ کہتے ہیں کہ ان بتوں میں سے اس رقم سے جو پوجاریوں نے پیش کی، کئی گنا زیادہ کا زروجواہر برآمد ہوا۔

۴۲۲ھ تا ۴۶۷ھ

القائم بامر اللہ ابن خلیفہ کے عہد خلافت میں ۴۲۷ھ والی مصر الظاہر عبیدی (عہد خلافت پندرہ سال ۸ ماہ) فوت ہوگیا۔ اور اُس کی جگہ اُس کا ہفت سالہ بیٹا بادشاہ مصر بنایا گیا۔ اُس نے ساٹھ برس اور چار مہینے سلطنت کی۔ ذہبی کا قول ہے۔ کہ اتنی مدت کسی سلمان بادشاہ نے سلطنت نہ کی۔

۴۵۱ھ میں سلطان ابراہیم سلجوقی اور والیٔ خراسان ظفر بیگ کی (جو آپس میں بھائی تھے) جنگ ہوئی۔ مگر صلح ہوگئی لیکن ایک ہی سال کے بعد جعفری کی جگہ اُس کا بیٹا الپ ارسلان والیٔ سلطنت بن گیا۔

۴۵۹ھ میں مدرسہ نظامیہ بغداد میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اور شیخ ابو اسحاق شیرازی اُس کے صدر مدرس ہوئے۔

۴۶۱ھ میں جامع مسجد دمشق میں آگ لگ گئی۔ اور در و دیوار اور چھت کا سب کام خراب ہوگیا۔

۴۶۵ھ سلطان الپ ارسلان قتل ہوا۔ اور اُس کی سلطنت جلال الدولہ نے سنبھالی۔ اس نے نظام الملک کو اپنا وزیر بنایا۔ اور اُس کو اتابک (یعنی امیر) کا خطاب دیا۔ ۴۶۶ھ بغداد میں سخت طغیانی آئی۔ دریائے دجلہ تیس گز سے بھی زیادہ چڑھ گیا۔ جان و مال کا سخت نقصان ہوا۔ لوگ کشتیوں میں پناہ گزیں ہوئے۔ نماز جمعہ دو جمعہ تک کشتیوں میں ہی پڑھی گئی۔

۴۶۷ھ میں باعث فصد اور زیادتی خون بہ جانے کے خلیفہ القائم بامر اللہ جانبر نہ ہو سکے۔ اور اسی ضعف خون کے باعث جان بحق ہوئے۔

۴۶۷ھ تا ۴۸۷ھ

المقتدی بامر اللہ
عہد خلافت ۲۰ سال

اس خلیفہ کے عہد خلافت کے تیسرے سال ابو نصر ابن استاذ ابو القاسم القشیری الاشعری بغداد شریف میں آئے اور مدرسہ نظامیہ میں وعظ کیا۔ چونکہ اُنہوں نے اپنے وعظ میں عقائد اشعریہ کی تلقین میں تمام دلائل اشعریہ بیان کئے اس لئے حنبلیوں میں مذہبی جوش پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے ایسا فساد برپا ہوا کہ دونوں فریقوں میں سے کئی لوگ اس فساد میں قتل ہوئے

اسی سال اور اسی فتنہ کے باعث خلیفہ نے اپنے وزیر فخر الدولہ کو معزول کر دیا کیونکہ وہ حنبلی تھا۔ اور اس کی جگہ ابو شجاع کو مامور کیا گیا۔

۴۷۷ھ میں سلیمان بن قلمش سلجوقی والئے قونیہ نے شام کی طرف چڑھائی کی اور انطاکیہ پر قابض ہو گیا

۴۸۴ھ میں جزیرہ صقلیہ جو ۲۱۲ھ میں بہادران اسلام نے اپنا خون بہا کر فتح کیا تھا۔ اس پر اس طوائف الملوکی سے فائدہ اٹھا کر اہل روم نے پھر قبضہ کر لیا۔

۴۸۷ھ میں خلیفہ المقتدی کا انتقال ہو گیا۔ بعض مورخین کا قول ہے۔ کہ اسے بھی زہر دیا گیا تھا۔

۴۸۷ھ تا ۵۱۲ھ

المستظہر باللہ
عہد خلافت چوبیس ۲۴ سال تین ۳ ماہ

اس خلیفہ کے عہد خلافت کے دوسرے سال یعنی ۴۸۸ھ میں احمد خاں والئے سمرقند قتل کیا گیا۔

۴۹۰ھ میں سلطان ارغوان بن ارسلان سلجوقی والئے خراسان مارا گیا۔ اور سلطان برکیاروق نے اُس کی مملکت پر قبضہ کر لیا۔

اسی سال نیقیہ پر جس کو روم کی سب فتوحات سے پہلے بہادران اسلام نے

فتح کیا تھا) اہل روم کا تسلط ہوگیا۔

۴۹۲ھ میں اصفہان میں باطنیوں کا خوب زور ہوا۔ اسی سال اہل روم نے بیت المقدس کو فتح کر لیا۔ اور بہت سے یہودیوں کو ایک کنیسہ میں بند کر کے آگ لگا دی۔

اسی سال حضرت عثمان رضی اللہ تعالے عنہ کے دست مبارک کا لکھا ہوا قرآن شریف دمشق میں لایا گیا۔ اور اُس کی زیارت کیلئے دور دراز سے لوگ آئے بعد زیارت قرآن شریف کو جامع مسجد کے ایک حجرہ میں رکھا گیا۔

۴۹۴ھ میں باطنیوں کا عراق میں بہت زور ہوا۔ اُنھوں نے اپنے سینکڑوں مخالفوں کو قتل کر ڈالا۔

اسی سال اہل روم نے سرج حیفا۔ ارسوف اور قیساریہ پر قبضہ کر لیا۔

۴۹۹ھ میں نہاوند کے مضافات میں سے ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا بہت سے لوگوں کو اس نے بہکایا۔ آخر قتل کر دیا گیا۔

۵۰۰ھ میں قلعہ اصفہان باطنیہ فرقہ کے لوگوں نے گرا دیا۔ بہت سے لوگوں کو قتل کیا۔

۵۰۱ھ فرقہ باطنیہ نے شیراز پر حملہ کر کے اس پر اپنا تسلط جما لیا۔

۵۰۴ھ میں اہل روم نے طرابلس کو بھی فتح کر لیا۔ اور شام کے اکثر حصوں پر قابض ہو گئے۔

۵۱۲ھ خلیفہ المستظہر باللہ نے بتاریخ تیرہ ربیع الاول اس دار فانی سے انتقال کیا۔

۵۱۲ھ تا ۵۲۹ھ

ابو الفضل منصور المسترشد باللہ عہد خلافت ۱۹ سال	خلیفہ المستظہر باللہ مرحوم کے بعد اس کا بیٹا ابو الفضل منصور المسترشد باللہ تخت خلافت پر بیٹھا۔

اس کے عہد خلافت میں نہایت بدامنی پھیلی ہوئی تھی۔ اور ہر طرف سلجوقیوں کا دور دورہ تھا۔

چنانچہ ۵۲۹ھ میں مسعود بن ملک شاہ سلجوقی نے خلیفہ وقت سے بھی جنگ کی اور اسی جنگ میں جبکہ المسترشد باللہ کو تخت خلافت پر بیٹھے انیس سال گذر چکے تھے۔ آخری سال ۵۲۹ھ میں مسعود سے لڑتا ہوا میدان جنگ میں مارا گیا۔

۵۲۹ھ تا ۵۵۵ھ

ابوجعفر منصور الراشد باللہ والمقتفی لامر اللہ عہد خلافت پچیس ۲۵ سال

المسترشد باللہ کے بعد اس کا فرزند ابوجعفر منصور الراشد باللہ تخت خلافت پر بیٹھا لیکن ابھی اسے تخت خلافت سنبھالے ایک سال بھی پورا نہ ہوا تھا کہ سلجوقی فرمانروا مسعود نے بغداد پر تسلط قائم کرکے الراشد باللہ کو تخت سے اتار دیا۔ اور اس کی جگہ اسکے چچا محمد المقتفی لامر اللہ کو مامور کیا۔ المقتفی نے پچیس ۲۵ سال خلافت کی۔ اور ماہ ربیع الاول ۵۵۵ھ میں جان بحق ہوا۔

۵۵۵ھ تا ۵۶۶ھ

یوسف المستنجد باللہ عہد خلافت گیارہ سال

خلیفہ المقتفی باللہ کے بعد اس کا بیٹا یوسف المستنجد باللہ تخت خلافت پر متمکن ہوا۔ اس کے عہد خلافت ۵۶۳ھ میں سلطان نورالدین نے مصر پر حملہ کرنے کے لیے اپنی فوج روانہ کی۔ اہل مصر نے شکست کھائی۔ اور مصر فتح ہو گیا۔

۵۶۴ھ میں اہل روم نے مصر پر حملہ کیا۔ بلبیس پر قبضہ کرکے قاہرہ کو محصور کیا۔ والیٔ مصر نے قاہرہ میں آگ لگا دی۔ اور پھر سلطان نورالدین سے مدد

مانگی۔ سلطان نے اپنے سپہ سالار اسد الدین کو روانہ کیا۔ جب انگریزوں کو اس کمک کی خبر ملی تو وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

۵۶۶ھ ۸ ماہ ربیع الثانی کو خلیفہ المستنجد نے انتقال کیا۔

۵۶۶ھ تا ۵۷۵ھ

المستنفی بامر اللہ عہد خلافت نوسال المستنجد کے مرنے بعد اس کا بیٹا المستنفی بامر اللہ تخت خلافت پر جلوہ فرما ہوا۔ اس کے عہد خلافت کے پہلے ہی سال یعنی ۵۶۶ھ میں حامی دین متین سلطان سلطان صلاح الدین یوسف بن ایوب نے سلطنت خاندان ایوبیہ کی بنیاد ڈالی۔

خاندانِ ایوبیہ کا پہلا بادشاہ سلطان صلاح الدین یوسف بن ایوب ۵۶۶ھ تا ۵۸۹ھ مطابق ۱۱۷۱ء تا ۱۱۹۴ء ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ کہ خاندان فاطمیہ اسمٰعیلیہ کا خاتمہ ہونے کے ساتھ ہی جس اولالعزم شخص سے ایک ایسی اسلامی حکومت کی بنیاد پڑی۔ جس نے خدمات اسلام کو بہترین طور پر انجام دیا۔ اس بہترین اسلامی سلطنت کا پہلا بادشاہ خاندان ایوب کا چشم و چراغ حامی دین متین سلطان صلاح الدین ابن ایوب تھا۔ جس کی شجاعت و ذہانت اور اسلامی خدمت نے خاندان ایوبی کی بنیاد قائم کر دی۔

سلطان صلاح الدین کردستانی نے ملک مصر پر اپنا قبضہ کر کے پہلے تو اس ملک کو دشمنوں اور باغیوں سے صاف کیا۔ پھر شام پر چڑھائی کی چنانچہ ملک شام اور بیت المقدس کے سوا مضافات کے سب شہر فتح کر کے مسلمانوں پر بڑا احسان کیا۔ اُن سے نہایت بھلائی اور عمدہ سلوک سے پیش آیا۔ یہ دلیر انسان اسلام کا مجاہد اعظم تھا۔ یہ اس کا دلی خیال تھا۔ کہ عیسائی لوگ ان شہروں میں بسنے پائیں

بلکہ اُن کی بیخ و بنیاد ملک شام سے اکھیڑ دی جائے۔
اس کے عہد میں کئی شاندار عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ اور اسلام میں نمایاں ترقی ہوئی۔ مورخین کا قول ہے۔ کہ صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے بعد ملک مصر کا کوئی بادشاہ ایسا دیندار اور منصف مزاج نہ تھا جیسا کہ صلاح الدین تھا۔
اس کا دربار اس کی مجلس ہزل اور عیش و نشاط سے بالکل خالی تھا۔ برخلاف اس کے عالم فاضل کا مجمع رہتا تھا۔
صلاح الدین کو بہاء الدین قراقوش پر بہت اعتماد تھا۔ دراصل وہ تھا بھی اسی قابل کیونکہ انتظام سلطنت اور امور مملکت میں جیسا مدبر، جیسا عالی دماغ، جیسا شائستہ اور مہذب شخص ہونا چاہیے۔ قراقوش ان سب صفات سے متصف تھا۔
۲۳ برس صلاح الدین نے ایسی پر رعب بادشاہت کی اور ایسی زبردست فتوحات کیں کہ ہر ایک فاتح اُس فاتح اعظم کو عزت کی نظر سے دیکھتا اور احترام کے الفاظ سے اس کو یاد کرتا ہے۔ آخر ۵۸۹ھ میں اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو سدھارا۔
صلاح الدین کے بعد اس کا بیٹا ملک العزیز عثمان ۵۸۹ھ میں تخت مصر پر جلوہ آرار ہوا۔ جس نے ۵۹۶ھ میں وفات پائی اور اُس کے بعد الملک المنصور محمد بن عثمان سریر آرائے مصر ہوئے۔ جو صغیر سنی کے باعث اسی سال میں بار حکومت سے سبکدوش کیے گئے اُن کے بعد یہ بار سلطنت الملک العادل سیف الدین ابو بکر پر رکھا گیا جو ۶۱۵ھ میں راہیٔ بقا ہو کر اس بار سے سبکدوش ہوئے۔
اُن کی وفات کے بعد الملک الکامل محمد ابن العادل حکومت مصر پر متمکن ہوئے جنہوں نے ۶۳۵ھ میں اس دار فانی سے رحلت کی۔ اور اُن کے بعد الملک العادل ابو بکر الکامل مامور ہوئے۔ جو ۶۳۷ھ میں معزول کیے گئے اور اُن کی جگہ الملک الصالح ایوب نجم الدین کو تفویض کی گئی۔ یہ عادل بادشاہ ۶۴۷ھ میں رہگزار عالم بقا ہوا۔

اور اُن کی جگہ ملک المعظم توران شاہ تخت مصر پر جلوہ افروز ہوئے لیکن اس بادشاہ کو ابھی تخت حکومت سنبھالے دو ہی مہینے ہوئے تھے کہ معزول کئے گئے اور پھر مقتول ہوئے

اس کے بعد تختِ حکومت پر ملک صالح کی کنیز ملکہ شجرۃ الدّر رونق افروز ہوئی۔ لیکن تین مہینے کے بعد انہیں نسوانی کمزوری کے باعث خود ہی تخت حکومت سے دست بردار ہونا پڑا۔

خاندانِ ایوبی کے آخری بادشاہ ملک الاشرف موسٰی بن یوسف نے تختِ حکومت سنبھالا۔ لیکن وُہ حکومت کا اہل نہ تھا۔ اس لئے تخت سے اُتار دیا گیا! اور اسی پر خاندانِ ایوبیہ کا خاتمہ ہو گیا۔ اُس کے بعد مصر کی تخت حکومت غلامانِ دولت کرویہ کے ہاتھ آئی۔

۵۷۵ھ تا ۶۲۲ھ

احمد الناصر الدین اللہ ۔ عہد خلافت ۴۷ سال ۔ المستنفئی بامر اللہ کے بعد اس کا بیٹا احمد الناصر الدین اللہ نے تخت خلافت کو سنبھالا۔ اس خلیفہ کے عہد خلافت کے تیسرے سال یعنی ۵۸۵ھ مطابق ۱۱۸۶ء میں خاندان غوری کے بادشاہ شہاب الدین ابن سام نے ہندوستان کی طرف حملہ کیا۔ کیونکہ سلطان محمود غزنوی کی اولاد اپنی نا قابلیت کے باعث سلطنت کو سنبھال نہ سکی۔ محمود کے دونوں لڑکے محمد اور مسعود اپنی نا اتفاقی کے سبب کچھ نہ کر سکے۔ آخر خاندانِ سلجوق میں سے بہرام شاہی ایک شخص نے ۱۱۱۸ء میں تخت غزنی سنبھالا۔ اس نے بہت کچھ کوشش کی کہ کسی طرح یہ مُلکی فساد فرو ہو جائے لیکن اُس کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ بلکہ ۱۱۵۲ء میں باغیوں نے غزنی کو لُوٹ کر جلا دیا

بہرام اسی آتش فساد سے بھاگ کر پنجاب میں پہنچا۔ اور یہیں اُس نے سکونت اختیار کر لی۔ چنانچہ ۵۸۲ھ مطابق ۱۱۸۶ء میں اس کے خاندان میں خسرو ملک لاہور کا بادشاہ تھا۔ اور انہی دنوں میں غوری خاندان کا ایک بادشاہ شہاب الدین بن سام دیعنی محمد غوری

کے نام سے بھی مشہور ہے) جو سلطان غیاث الدین غوری کا بھائی تھا۔ اس نے ۵۷۱ھ مطابق ۱۱۷۵ء میں حملہ کیا۔

فاتح ہند سلطان شہاب الدین غوری

اس حملے کے کچھ سال بعد خاندان سلجوق کی اسلامی حکومت ہندوستان میں کے آخری بادشاہ خسرو ملک کو بھی اپنی اطاعت ۵۵۵ھ تا ۶۱۸ھ مطابق ۱۱۶۰ء تا ۱۲۲۱ء گذاری پر مجبور کیا۔ لیکن اس نے شہاب الدین غوری کے زیر اطاعت رہنے کی بجائے مقابلہ کی ٹھانی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ۵۸۲ھ مطابق ۱۱۸۶ء میں لاہور کا شہر بھی اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اور خود بحالت قید غزنی کو روانہ کیا گیا۔ خسرو کا کانٹا دور ہو جانے پر شہاب الدین کو بہت کچھ اطمینان ہو گیا کیونکہ تمام ہندوستان میں سوائے ہندو راجوں کے اسکے بالمقابل کوئی بہادر مسلمان نہ تھا۔ اسلئے دلجمعی اور اطمینان کے ساتھ ہندوستان کو فتح کرنے کی تدابیر کرنے لگا۔

ان دنوں تمام ہندوستان میں دہلی قنوج۔ اجمیر یہ سب سے بڑی ریاستیں تھیں۔ لیکن دہلی کے راجہ کو چونکہ قنوج اور اجمیر کے والیان ریاست پر بزرگانہ فوقیت حاصل تھی یعنی والئے قنوج جے چند۔ اور اجمیر کا راجہ پرتھوی راج (جو رائے پتھورا کے نام سے بھی مشہور ہے) یہ دونوں راجے دہلی کے راجہ کے نواسے تھے۔ اس لئے بخیال ادب و بلحاظ یہ دونوں سلطنتیں بھی دہلی کے ماتحت تھیں۔ اس لحاظ سے در اصل ایک دہلی کی سلطنت ہی ایسی تھی کہ جو ہندو راج کا مرکز کہلائی جا سکتی تھی۔ لیکن جب دہلی کے راجہ نے آخری عمر میں اپنے نواسہ پرتھوی راج کو اپنا ولیعہد اور متبنی بنا لیا۔ تو اس وقت سے سلطنت دہلی اور اجمیر تو ایک ہو گئی تھی لیکن جے چند والئے قنوج کے دل میں پرتھوی راج کی قدر و منزلت ہونے کی کاوش اور دہلی کی حکومت ملنے کا حسد پیدا ہو گیا تھا۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ پرتھوی راج جے چند سے زیادہ بہادر اور دلیر تھا۔

لیکن ہماری نظر میں راجہ دہلی نے یہ سخت غلطی کی جو ایک نواسہ کو تو اسقدر چاہا اور دوسرے کو بالکل دل سے بھلا دیا۔ اس غلطی کا نتیجہ نااتفاقی کی صورت میں ظاہر ہوا اور اس نااتفاقی سے ہندوستان ہندوؤں کے ہاتھ سے جاتا رہا۔

غرضیکہ شہاب الدین غوری تمام امور مملکت مدنظر رکھ کر ۱۱۹۱ء میں شمالی ہند پر حملہ کرنے اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ وہی دن تھے۔ جب احمد الناصر الدین اللہ خلیفہ بغداد تھے اسوقت پرتھوی راج بھی شہاب الدین کے حریف تھے۔ چونکہ ہندو راج کا مرکز دہلی تھا اور دہلی کے والی پرتھوی راج تھے۔ اس لئے ایک سو سے زیادہ راجے اپنی اپنی فوج کو لیکر پرتھوی راج کی مدد کے لئے تھانیسر کے میدان جنگ میں آ پہنچے لیکن جے چند مندرجہ بالا وجوہات کے باعث پرتھوی راج سے اسقدر ناراض تھا۔ کہ اس نے محض اسی حسد سے ہندو راج کی بھی مدد نہ کی۔

آخر ۵۸۹ھ مطابق ۱۱۹۳ء میں شہاب الدین غوری اپنی فوج کو لیکر تھانیسر کے میدان میں پہنچ گیا۔ اور اس میدان میں دونوں فوجوں میں گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ پرتھوی راج نے اگرچہ بہت کچھ بہادری دکھائی لیکن بہادران اسلام کی شمشیر خارا شگاف کے آگے اس کی بہادری دھری رہ گئی۔ جب بڑے بڑے ہندو سورما خاک و خون میں تڑپتے نظر آئے تو پرتھی راج کی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔

یہ حالت دیکھ کر پرتھی راج بھاگا۔ تو ساتھ ہی فوج نے بھی پیٹھ دکھائی شہاب الدین اس کامرانی کے بعد قطب الدین ایبک کو اپنے مفتوحہ علاقہ کا نائب بنا کر خود غزنی میں چلا گیا۔

۱۱۹۴ء میں شہاب الدین غوری نے غزنی سے واپس آکر جے چند کی سلطنت پر بھی اپنا تسلط قائم کرنے کیلئے حملہ کر دیا لیکن جے چند نے چاندواڑہ کے میدان میں محمد غوری کو روکا۔ مگر ایک فاتح کا طوفان شوق فتوحات جب پرتھوی راج

جیسے بہادر سے نہ رُک سکا تو جے چند سے کیا رُکتا۔ آخر جے چند شکست کھا کر اسی میدان جنگ میں قتل ہو گیا۔

ان دونوں بڑی سلطنتوں کو فتح کرنے کے بعد سلطان شہاب الدین غوری نے بنگال اور بہار پر اپنا قبضہ کرنا چاہا چنانچہ ۶۰۰ھ میں بنگال کے دارالخلافہ ندیا پر تو بختیار خلجی نے حملہ کر کے اس کو فتح کیا۔ اور قطب الدین ایبک نے گجرات گوالیار اور کالنجر پر تسلط کر کے اپنی بہادری کا ثبوت دیا۔

۶۰۲ھ میں گکھڑ قوم نے بہادران اسلام سے بغاوت کی اُن کی سرکوبی کیلئے محمد غوری خود اپنی فوج ظفر موج لیکر روانہ ہوا۔ اور دریائے سندھ سے پار ہو کر اُن باغیوں کو شکست دی لیکن عمر میں اتنی ہی فتوحات لکھی تھیں۔ جب محمد غوری اپنا پرچم فتح اُڑاتے ہوئے۔ واپسی کے وقت عبور دریائے سندھ کرنے لگا عین اُسی وقت باغیوں کے ایک گروہ نے اُسے ہلاک کر دیا۔

فاتح ہند سلطان شہاب الدین غوری کی وفات کے بعد اُس کے بھتیجے محمد غوری ... (جو شہر غور میں حاکم تھا) اگرچہ ہندوستان کی مفتوحہ سلطنت کا والی بنا۔ لیکن وُہ ہندوستان میں نہیں رہ سکا۔ اسلئے قطب الدین (جو ایک اُن کی غلام تھا) نے ہندوستان پر حکومت کی۔ اور اسی کا خاندان قطب الدین ایبک کے نام سے ہندوستان کا حکمران بنا۔

لیکن دارالخلافت بغداد خلیفہ وقت احمد الناصر الدین اللہ کے عہد خلافت میں خلفائے بنی عباسیہ میں اب کسی طرح کی قوت و سطوت باقی نہ رہی تھی۔ صرف قوم سلجوق کی قسمت کا ستارہ اوج پہ تھا۔ باقی ہر طرف نزاعات بدعات کے طوفان اُٹھے ہوئے تھے۔ ایسے پُر آشوب زمانہ میں ہی احمد الناصر الدین اللہ نے اپنے عہد خلافت کے سنتالیس ۴۷ سال پورے کئے۔ اور آخر ۶۲۲ھ میں اس دار فانی سے چل بسا۔

۶۲۲ھ تا ۶۲۳ھ

محمد الظاہر بامر اللہ
عہد خلافت ۹ ماہ

احمد الناصر الدین اللہ کے بعد جب اس کا بیٹا محمد الظاہر بامر اللہ کو تخت خلافت ملا۔ اُس وقت اس خلیفہ کی عمر باون ۵۲ سال کی تھی۔ آپ نے اپنے عہد خلافت میں میدان جدال وقتال گرم نہیں کیا۔ لوگوں نے پوچھا۔ آپ ملکی فتوحات کی طرح کیوں توجہ نہیں کرتے جواب دیا کھیت تو سوکھ ہی چکا ہے۔ اب کیا حاصل۔ لوگوں نے یہ اشارہ آپ کی عمر کی طرف سمجھ کر درازئ عمر کی دعائیں دیں۔ لیکن ہمارا خیال ہے۔ کہ اُنہوں نے یہ اشارہ سلطنت کی طرف کیا ہو گا۔ کیونکہ اس وقت ملک میں اسقدر بغاوتیں رونما ہو چکی تھیں جن کا دبانا نہ اُن کے بس کا روگ تھا۔ اور نہ انہیں اس سلطنت کی سرسبزی کی اُمید ہی تھی۔ آخر اسی غم والم میں آپ صرف ۹ ماہ تخت خلافت پر بیٹھ کر راہئ بقا ہوئے۔

۶۲۳ھ تا ۶۳۹ھ

ابو جعفر المستنصر باللہ
عہد خلافت سترہ سال

خلیفہ الظاہر کے بعد اس کا بیٹا ابو جعفر المستنصر باللہ خلیفہ ہوا جس کے عہد خلافت کے وقت یعنی ۶۲۳ھ مطابق ۱۲۲۷ء میں ہندوستان میں اسلامی حکومت خاندان افغان سے وابستہ تھی۔ اور اس سال خاندان غلامان میں سے التمش کا پوتا علاؤ الدین ہندوستان کا بادشاہ تھا۔

خاندانِ غلامان کی اسلامی حکومت ہندوستان میں ۱۲۰۶ء سے ۱۲۹۰ء تک

خاندانِ غلامان کی سلطنت ہندوستان میں ۱۲۰۶ء سے ۱۲۹۰ء تک رہی جسے قطب الدین ایبک نے شروع کیا اور کیقباد نے ختم کیا۔ اور ابو جعفر المستنصر باللہ نے ۶۳۹ھ میں اس دار فانی سے سفر آخرت کیا۔

۶۳۹ھ تا ۶۵۶ھ

خلفائے عباسیہ کا آخری خلیفہ المعتصم باللہ عہد خلافت تقریباً سولہ سال

ابو جعفر المستنصر باللہ کے بعد اس کا بیٹا المعتصم باللہ خلیفہ ہوا جو خلفائے عباسیہ کا سب سے پچھلا خلیفہ تھا۔ اس کے عہد خلافت میں شیعہ سُنّی کا جھگڑا زوروں پر تھا۔ دونوں فرقے تعصبات میں منہمک تھے سلجوقی سنیوں کے مددگار تھے۔ اور دیلمی شیعوں کا، انہی دو ذی اقتدار قوموں کی حمایت کے باعث یہ مذہبی فساد روز بروز بڑھتا جاتا تھا۔ المعتصم گو سُنّی عقاید کا حامی تھا۔ لیکن امور مملکت اور انتظام سلطنت سے غافل تھا۔ قدرت نے عجیب تقسیم کر دی تھی۔ اُدھر دو متذکرۃ الصدر دو مغرز قومیں شیعہ سُنّی کی حمایت دار تھیں۔ اور ادھر خلیفہ سُنّی تھا اور وزیر سلطنت شیعہ مگر ابن علقمی وزیر خلافت کی یہ کوشش تھی کہ سُنّی خلافت ہی کا خاتمہ کر کے سُنیوں کی طاقت ہمیشہ کیلئے پامال کر دی جائے

دنیا میں ان دنوں تاتاریوں کا زور تھا۔ اُنہوں نے تمام ایران میں بازار قتل گرم کر رکھا تھا۔ دیلمی سلطنت باطنیہ کو پامال کر چکے تھے۔

چنانچہ ابن علقمی نے تاتاری سپہ سالار ہلاکو خاں کو عراق و بغداد بلایا۔ المستعصم کو اس بات کی بھی خبر نہ ہوئی کہ خلافت کے پاس جو کچھ فوجی قوت باقی تھی۔ ابن علقمی نے اس کو بھی مٹا دیا۔ ہلاکو خان نے اپنے لشکر تاتار خونخوار کے ساتھ آتے ہی شہر بغداد کا محاصرہ کر لیا۔

خلیفہ کو جب ہوش آئی جب اپنے آپکو محصور پایا۔ آخر امان مانگ کر جان بچائی اور جس وقت تاتاری جنگجو کے عہد و پیمان پر بھروسہ کر کے خلیفہ وقت اپنے عزیز و اقارب و ارکان دولت وغیرہ کو ملنے گیا۔ تو اُن سے بدعہدی کی گئی یعنی خلیفہ

وقت اور اس کے سب جان نثار ساتھی۔ سب گرفتار کیے گئے۔ اور نہایت بیدردی کے ساتھ قتل کیے گئے۔ یعنی خلیفہ المستعصم کی جان کے ساتھ خلافت عباسیہ کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

یہ واقعہ ۶۵۶ھ ماہ صفر کی ۱۲ تاریخ اور بدھ کے دن کا ہے۔

اس کے بعد تاتاری لٹیروں نے بغداد کو خوب لوٹا۔ سارے شہر میں آگ لگا دی عالیشان عمارتیں جلا کے خاکستر کیں۔ کتب خانے جلائے۔ غرضیکہ چھ سو برس میں خلفائے عباسیہ نے جو کچھ علمی اور دنیوی دولت حاصل کی تھی۔ وہ سب دم بھر میں تباہ و برباد ہو گئی۔

۶۵۶ھ تا ۹۲۳ھ

غرضیکہ ۶۵۶ھ میں بغداد کے آخری خلیفہ المستعصم باللہ کو جب تاتاریوں نے شہید کر دیا تو اس وقت گویا خلافت بھی شہید ہو چکی تھی۔ اس وقت کوئی کسی کا خلیفہ نہ تھا۔ اور نہ بننا چاہتا تھا۔ ہر جگہ کے مسلمانوں کو اس بات کا احساس ہو رہا تھا کہ بغیر خلافت رہنا ایسا ہی ہے۔ جیسے کوئی فوج بغیر سپہ سالار یا بغیر اوزار ہو۔ یا جیسے بھیڑوں کا وہ ریوڑ جو چرواہے کے نہ ہونے سے جنگل میں منتشر ہو جاتا ہے۔

انہی دنوں میں تاتاری لوگوں نے جب عراق سے بڑھ کر شام میں غارتگری شروع کر دی۔ تو فرمانروائے مصر نے اپنی جان پر کھیل کر ان خونخوار لوگوں سے مقابلہ کیا۔ اور مقابلہ بھی ایسا کیا کہ تاتاری وہاں سے بھاگے لیکن مصر والوں نے بھی چن چن کر قتل کیا۔ مصر کی اس فتح کی خبر جب عراق کے مسلمانوں کو ہوئی۔ تو وہ اس فتح سے بہت خوش ہوئے کیونکہ اُن کو تاتاریوں نے بےخانماں برباد کر دیا تھا۔ اور وہ جنگلوں میں بھٹکتے پھرتے تھے۔ انہیں میں خاندان بنی عباسیہ کا ایک خلیفہ زاد

بھائی بھی تھا۔ جو المستعصم کے چچا اور المستنصر کے بھائی تھے۔ چنانچہ ایسے لوگ خانہ بدوشی کی زندگی بسر کر رہے تھے مسلمانانِ مصر نے تاتاریوں کی شکست کی خبر سنتے ہی خاندانِ عباسیہ کے آخری سہارے یعنی ابوالقاسم اپنے چند عزیز و اقارب اور بدوی سرداروں کو ہمراہ لیکر مصر کی طرف چلے

یہ چھوٹا سا قافلہ ۶۵۹ھ کو قاہرہ (مصر) میں داخل ہوا۔ سلطان مصر علماء کو ساتھ لے کر ان کے استقبال کو نکلا اور بڑی قدر و منزلت سے ان کو مصر میں داخل کیا گیا اس قافلہ کے داخل مصر ہونے کے گیارہ روز بعد ۱۲ رجب ۶۵۹ھ شہر مصر کے قصر جبل میں ایک دربارِ عام ہوا۔ جس میں سلطان مصر ملک الظاہر اور تمام علماء قضاۃ اور اکابرینِ شہر اس دربار میں شریک ہوئے۔

اس مجمع کے سامنے ابوالقاسم نے کھڑے ہو کر اپنا نام و نسب ظاہر کیا۔ اور قاضی قضاۃ مصر نے جو تمام علماء میں ممتاز تھے کھڑے ہو کر ابوالقاسم کے بیان کی تصدیق کی۔

اس تصدیق کے ہوتے ہی سب سے پہلے وہاں شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام نے ان کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی بعد ازاں سلطان مصر ملک الظاہر نے بیعت کی۔ اسکے بعد قاضی تاج الدین نے۔ اور انکے بعد تمام علماء و رؤسا نے۔

چنانچہ ابوالقاسم کو اہل مصر نے خلیفہ مقرر فرمایا۔ اور آپ نے المستنصر باللہ کا لقب اختیار کیا۔ اس طرح مصر میں خلافت عباسیہ کا دوسرا دور شروع ہو گیا لیکن اسوقت ابتداً کا کسی کا خیال نہ تھا کہ آئندہ خلیفہ کا قیام قاہرہ ہی میں رہے گا۔ بلکہ یہ سمجھا گیا تھا۔ کہ نئے خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت اگرچہ مصر میں ہو گی۔ وہ عراق میں واپس جا کر دارالسلام بغداد میں اپنے آبائی مسند خلافت پر جلوس کرے گا۔

چنانچہ چند ہی روز بعد المستنصر باللہ نے سلطان مصر سے بغداد جانے کی اجازت

مانگی۔ سلطان نے فقط اجازت ہی دے دی بلکہ مجاہدین کا ایک لشکر جرار بھی خلیفہ کے ساتھ کر دیا تاکہ شام کے انتہائی حدود تک پہنچا آئے۔

الغرض ملک الظاہر اور المستنصر باللہ دونوں نے قاہرہ سے روانہ ہو کر ذیقعد ۶۵۹ھ کو دمشق پہنچے وہاں جمعہ کی نماز دونوں نے ساتھ ادا کی اور اس کے بعد ملک الظاہر مصر میں واپس آ گیا۔ اور المستنصر باللہ مجاہدین کے ساتھ آگے بڑھا اس لئے کہ عراق کو مغلوں سے مقابلہ کر کے لینا تھا۔

یہ لوگ ابھی علاقہ الجزیرہ کے شہر ہیت تک پہنچے تھے کہ وہاں تاتاریوں کے ایک لشکر عظیم سے سامنا ہو گیا۔ اس معرکہ میں مسلمان اگرچہ جان پر کھیل کر لڑے مگر دشمن کا لشکر زبردست تھا۔ شکست کھائی اور بہت سے مسلمان شہید ہوئے اسی جنگ میں خلیفہ المستنصر باللہ کا پتہ نہ لگا کہ وہ کیا ہوئے۔ یہ المناک واقعہ ۳ محرم ۶۶۰ھ مطابق ۱۲۶۱ء کو پیش آیا۔

المستنصر کے ساتھ جو لوگ بھاگ کر جان بچا سکے اُن میں ایک ابو العباس احمد عباسی بھی تھا جو خلیفہ المسترشد باللہ کی نسل میں سے تھا۔ وہ بھاگتا ہوا اجیر میں جا پہنچا۔ اور عیسیٰ بن مہنا نامی وہاں کے حاکم سے ملا۔ عیسیٰ نے اس کی اطلاع مصر میں ملک الظاہر سے کی اور اس نے اُسے فوراً بلا لیا۔

ابو العباس ۲۷ ربیع الثانی ۶۶۰ھ میں قاہرہ میں داخل ہوا۔ جہاں نہایت ذوق و شوق سے اس کا استقبال کیا گیا اور قلعہ جبل میں ٹھہرایا گیا۔ چند روز بعد ۸ محرم ۶۶۱ھ میں سلطان مصر نے ایک عظیم الشان دربار کیا۔ اور اس دربار میں جب ابو العباس نے اپنے نسب کو ثابت کر دیا۔ تو سب نے اس کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ اور اُس کے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔

اس خلیفہ نے اپنے لئے الحاکم بامر اللہ کا لقب اختیار کیا۔ اس کی یہ حالت رہی

کہ ہمیشہ لوگوں کو تاتاریوں پر جہاد کرنے کیلئے ابھارتا رہتا تھا۔ آخر ۱۸ جمادی الاوّل ۷۰۱ھ مطابق ۱۳۰۱ء میں اِس کا انتقال ہوگیا۔ اور اُس کی جگہ اُس کا فرزند ابو الربیع سلیمان مامور ہوا جس نے المستکفی باللہ کا لقب اختیار کیا۔ یہ واقعات چودھویں صدی عیسوی کے شروع سال کے ہیں۔ ان دنوں ہندوستان میں خاندان افغان[1] کے اسلامی حکومت کا خاتمہ ہوگیا تھا۔ اور خاندانِ خلجی کی سلطنت کا بانی ہندوستان میں خاندان خلجی کی حکم جلال الدین خلجی ہند کے تخت پر جلوہ فرما تھا جو اسلامی حکومت ۱۲۹۰ء تا ۱۳۲۰ء فیروز شاہ کے لقب سے ملقب ہوا۔ یہ اگرچہ ۷۵ سال کا بوڑھا شخص تھا لیکن بڑا دلیر اور بہادر تھا۔ اس نے دکن کی ریاست پر حملے کئے۔ اور ریاست دیوگری (جو اس وقت دولت کے نام سے مشہور ہے) کے راجہ کو شکست دی اور ۱۲۹۵ء میں فوت ہوگیا۔

جلال الدین خلجی کے بعد اس کا لڑکا علاؤ الدین خلجی ہند کے تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوا جس نے بڑی خوش اسلوبی سے ۱۳۱۵ء تک ہندوستان پر حکومت کی اس کے عہدِ حکومت میں تجارت کو نمایاں ترقی ہوئی۔ راجپوتوں کو اس نے پامال کر دیا۔ قلعہ چتوڑ کو سر کیا۔ راجہ چتوڑ گڈھ کی رانی پدمنی پر عاشق ہوا۔ جیسلمیر کا قلعہ بھی اسی نے فتح کیا۔ یہ بادشاہ اگرچہ بے علم تھا لیکن اس نے اپنے ۲۰ سال کے عرصہ حکومت میں بہادرانِ اسلام کی دھاک بٹھا دی۔ آخر ۱۳۱۵ء میں راہئی بقا ہوا۔ اور اُس کے بعد جلال الدین خلجی کا بھتیجا شہاب الدین عمر ۱۲۹۵ء میں تخت حکومت پر بیٹھا۔ اور ملک کافور نے اس کا بہت ساتھ دیا۔ چنانچہ مہاراشٹر کو اسی نے تسخیر کیا تھا۔

ریاست دیوگری کا راجہ سرکش ہوگیا تھا۔ اس نے راجہ دیوگری کو شکست دیکر

[1] خاندان غلامان کا حال گذشتہ صفحات پر ۶۲۳ھ سے ۶۳۹ھ تک کے ماتحت لکھا جا چکا ہے۔

دکن میں پھر اسلامی پرچم لہرایا خضر خاں اور دیول دیوی کا مشہور واقعہ اسی کے عہد سلطنت اور دیوگری کی مہم میں واقع ہوا ہے۔ جو اس طرح سے ہوا۔ کہ کملا دیوی (جو علاؤالدین کی بیوی تھی) نے یہ خواہش ظاہر کی کہ میری لڑکی دیول دیوی کو میرے پاس بھیجدو جب راجہ کو یہ خبر ملی کہ شاہی سپہ سالار کملا دیوی کی خواہش کے مطابق دیول دیوی کو مجھ سے چھین کر لے جانا چاہتا ہے۔ تو اس نے دیول دیوی کو چھپا دیا۔ مگر اتفاق سے دیول دیوی شاہی لشکر کے ہاتھ آگئی۔ اور اپنی ماں کملا دیوی کے پاس پہنچا دی گئی۔

لیکن یہاں علاؤالدین کا بیٹا خضر خاں اس کو دیکھ کر عاشق ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے لیے دیول دیوی کو حاصل کرنے کی کوشش کی آخر کامیاب ہو گیا۔ اور دیول دیوی خضر خاں کے ساتھ منسوب ہو گئی۔

ملک کافور نے علاوہ اس کے اور بھی بہت سی فتوحات کیں لیکن سلطنت کی طمع نے اس کے اپنے آقا یعنی بادشاہ ہند شہاب الدین عمر کو زہر دیکر ہلاک کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۳۱۶ء کا ہے۔

شہاب الدین کے مرنے کے بعد علاؤالدین خلجی کا بیٹا مبارک ۱۳۱۶ء میں تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوا لیکن یہ بادشاہ عیش پرست تھا اسلئے سلطنت کا انتظام نہ کر سکا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس خاندان خلجی کی سلطنت میں بدنظمی پھیلی۔ اور چاروں طرف بغاوت کے آثار نمایاں ہو گئے۔ مبارک خود تو کاروبار سلطنت میں کیا منہمک رہتا۔ اس نے اپنے ایک غلام خسرو خاں کو امور مملکت و انتظام سلطنت کیلئے مقرر کر رکھا تھا لیکن اس نے نمک حرامی کی یعنی ۱۳۲۰ء میں ملک مبارک کو قتل کر کے خود بادشاہ بن بیٹھا۔ اور خضر خاں کی بیوہ دیول دیوی سے شادی کر کے ناصرالدین کا لقب اختیار کیا۔ اور اپنے آقا کے خاندان خلجی پر اسقدر ظلم کئے۔ کہ خلجی خاندان کا ایک بچہ تک اس نے زندہ

نہ چھوڑا۔ رعایا تنگ اس کے ظلم سے تنگ آگئی۔ لوگوں نے تنگ آکر آخر لاہور کے صوبیدار غازی بیگ تغلق کو پیغام بھیجا۔ اور اُسی نے اس مردود کا خاتمہ کرکے ہندوستان میں خاندان تغلق کی حکومت کا آغاز کیا۔

گویا ۷۱۹ھ مطابق ۱۳۱۹ء کے زمانہ میں ہندوستان میں اسلامی حکومت کی تو یہ حالت تھی۔ اور مصر کا بادشاہ اُن دنوں ملک الناصر تھا۔ المستکفی مسلمانوں کا خلیفہ تھا۔ جو ملک الناصر سلطان مصر کی ہی کوشش سے بنایا گیا تھا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ ملک الناصر اور المستکفی کے تعلقات ایسے گہرے تھے۔ کہ خلوت وجلوت میں دونوں ہمیشہ ساتھ رہتے تھے۔ اور ساتھ ہی اُٹھتے بیٹھتے شکار کو جاتے۔ تاتاریوں کے مقابل جہاد پر بھی دونوں گئے تھے۔ غرضیکہ بالکل بھائی بھائی نظر آتے تھے لیکن ۷۳۶ھ میں حاسدوں نے ان میں تفرقہ ڈال دیا۔ اور المستکفی ملک الناصر سلطان مصر کے حکم سے قوص میں بھیجدیا گیا۔ اور اسی جگہ اس نے بقیہ زندگی پوری کی۔

ہندوستان میں خاندان تغلق کی اسلامی حکومت ۱۳۲۰ء تا ۱۴۱۲ء

ان دنوں خاندان تغلق کا پہلا بادشاہ غیاث الدین بلبن تخت ہند پر جلوہ افروز تھا۔ جو ۱۳۲۰ء میں خاندان غلامان کے آخری ظالم بادشاہ ملک عادل کو شکست دیکر ہندوستان کی حکومت پر قابض ہوا تھا۔ اس نے اگرچہ صرف ۴ سال حکومت کی لیکن ملک میں امن وامان قائم کردیا۔ کہتے ہیں۔ کہ اس نیک صفات بادشاہ کی ہلاکت کا باعث ۱۳۲۵ء میں اپنا بیٹا جونا خاں ہوا۔ لیکن دراصل وُہ اپنی موت مرا ہے۔

۱۳۲۵ء میں غیاث الدین بلبن کے مرنے بعد اس کا بیٹا جونا خاں تخت ہند پر جلوہ افروز ہوا۔ جس نے اپنا لقب محمد تغلق قرار دیا۔ اس کے عہد سلطنت میں ہی دکن میں ظفر خان نامی ایک افغان نے سلطان علاؤ الدین بہمنی کے بہمنی القاب سے ملقب ہوکر سلطنت بہمنی کی بنیاد ڈالی۔

۱۳۴۹ء میں سندھ کے مغربی شہر محمد تغلق کے ہاتھ سے نکل گئے۔ اُن کی سرکوبی کیلئے تیاری ہی کر رہا تھا۔ کہ بخار میں مبتلا ہو گیا۔ اور اسی بخار میں ۱۳۵۱ء میں جان بحق ہوا

۱۳۵۱ء میں محمد تغلق مرحوم کا چچا زاد بھائی فیروز تغلق سریر آرائے سلطنت ہوا فیروز تعلیم یافتہ شخص تھا اس نے تمدن ہند کو اسلامی رنگ میں لانے کی بڑی کوشش کی ہے۔ انتظام سلطنت امور مملکت میں بھی سابقہ شاہان ہند سے کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مذہب اسلام کا خادم تھا۔ مگر تمام رعایا کو خوش رکھتا تھا۔ اور نہایت رحم دل بادشاہ تھا۔

لیکن اس رحمدلی کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اڑیسہ بہار اور بنگال کے ہندو راجے خود مختار ہو گئے۔ جن کی وجہ سے اسلامی سلطنت کا بہت سا حصہ نکل گیا۔

۱۳۸۷ء میں فیروز تغلق اپنے آپ تخت ہند سے دست بردار ہو گیا۔ اور اپنی جگہ اپنے لڑکے ناصر الدین کو مامور کیا۔ ۱۳۸۸ء میں فیروز تغلق نے وفات پائی۔ اور اُس کے مرنے پر اُس کی اولاد میں نفاق پڑ گیا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اس خاندان کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

ادھر ان دنوں مصر و بغداد میں خلافت اسلامی کا یہ حال تھا۔ کہ سلطان مصر ملک الناصر نے خلیفہ المستکفی کو قوص بھیجا تھا۔ تو اُس کے ساتھ ہی اُس کو اس بات کی بھی وصیت کر دی گئی تھی۔ کہ اُن کے بعد اُن کا بیٹا احمد خلیفہ بنایا جاوے۔

لیکن خلیفہ المستکفی نے سلطان مصر کے اس مشورہ کو نہ مانا۔ اور اسی نارضگی میں خلیفہ المستکفی جان بحق ہوا۔

اس کے مرنے بعد ۳۰ رمضان ۷۴۰ھ خلیفہ المستکفی کے بھتیجے ابراہیم کو سلطان مصر ملک الناصر نے خلیفہ مقرر دیا۔

چنانچہ یہ خلیفہ الواثق باللہ کے لقب سے ملقب ہوا۔ اس واقعہ کو ابھی ایک ہی

سال گذرا تھا ۔ کہ سلطان مصر ملک الناصر مرض موت میں گرفتار ہو گیا ۔ اور اس وقت اپنے کئے پر پچھتاتے ہوئے مرتے وقت یہ وصیت کر دی کہ الواثق باللہ خلافت سے معزول کر دیا جائے ۔ اور اس کی جگہ المستکفی کے بیٹے احمد کو خلیفہ بنایا جائے ۔

چنانچہ ملک الناصر کی وفات کے بعد جب ملک الناصر کا بیٹا ابو بکر منصور سلطان ہوا ۔ تو اس نے ایک بڑا بھاری دربار منعقد کر کے خلافت کے متعلق علماء سے بحث کی ۔ اور جب المستکفی کے بیٹے احمد کی موافقت میں فیصلہ ہوا ۔ تو الواثق باللہ کو خلافت سے معزول کر دیا گیا ۔ اور اسکی جگہ احمد کو مامور کیا گیا ۔ احمد نے خلیفہ ہوتے ہی المستنصر باللہ کا لقب اختیار کیا ۔ اور ۷۵۳ھ مطابق ۱۳۵۲ء میں اس نے وفات پائی ۔

چونکہ خلیفہ المستنصر باللہ نے اپنے بعد کسی کو خلیفہ بنانے کی وصیت نہیں کی تھی اس لئے علمائے اسلام نے آپس میں مشورہ کر کے اس کے بھائی ابو بکر بن المستکفی باللہ کو خلیفہ قرار دیا ۔ جو المعتضد باللہ کے لقب سے ملقب ہوا ۔ اس خلیفہ نے دس سال خلافت کر کے ۸ جمادی الاوّل ۷۶۳ھ مطابق ۱۳۶۱ء کو انتقال کیا اور انتقال کرتے وقت اپنے بیٹے ابو عبداللہ محمد کو اپنا جانشین مقرر کر گیا جس نے المتوکل علی اللہ کا لقب اختیار کیا ۔

یہ وہ دن تھے ۔ جبکہ مصر کے تخت حکومت پر ملک الظاہر برقوق متمکن تھا ۔

۷۸۵ھ میں اسے یہ معلوم ہوا کہ میرے قتل کی سازش کی گئی ہے جس میں خلیفہ المتوکل علی اللہ بھی شامل ہے ۔ اس خبر کے سنتے ہی ملک الظاہر والی مصر نے تمام علماء اور فضلا کو جمع کر کے ان سے خلیفہ المتوکل علی اللہ کو معزول کرنے کیلئے کہا ۔ لیکن علمائے اسلام نے ملک الظاہر کی خواہش کے مطابق ایسا فتویٰ دینے سے انکار کر دیا ۔ اس پر سلطان مصر نہایت برافروختہ ہوا اور اس نے جبراً اپنے حکم سے اس خلیفہ کو معزول کر کے ایک قلعہ میں قید کر دیا ۔ بعدہٗ اس کی جگہ الحاکم بامر اللہ

سے کے پوتے عمر بن ابراہیم کو مامور کیا۔

عمر نے خلیفہ وقت ہوتے ہی الواثق باللہ کا لقب اختیار کیا۔ لیکن چند روز بعد سلطان مصر ملک الظاہر کو اپنی اس بے اعتدالی کا افسوس ہوا تو اُس نے خلیفہ سابق المتوکل علی اللہ کو قید سے رہا کر کے اپنے محل میں بلایا۔ اور نہایت عزت او حرمت سے رکھا۔ مگر خلیفہ وقت الواثق باللہ ہی رہا۔

آخر جب ۲۹ شوال ۷۸۸ھ مطابق ۱۳۸۶ء کو الواثق نے انتقال کیا۔ تو اُس کے مرنے پر لوگوں نے سلطان مصر سے استدعا کی کہ اب المتوکل علی اللہ کو ہی خلیفہ مقرر کیا جائے لیکن سلطان مصر نے رعایا کی اس استدعا پر سماعت نہ کی۔ بلکہ الواثق باللہ کی جگہ اس کے بھائی زکریا کو خلیفہ مقرر کیا گیا۔ جس نے المعتصم باللہ کے لقب سے اپنے آپ کو ملقب کیا۔

لیکن رعایا المتوکل علی اللہ کو خلیفہ بنانا چاہتی تھی۔ کچھ تو رعایا کی پاس خاطر اور کچھ از راہ ترحم سلطان مصر نے ایک سال بعد المعتصم باللہ کو خلافت سے معزول کر کے المتوکل علی اللہ کو خلیفہ مقرر کیا۔

۸۰۸ھ مطابق ۱۴۰۶ء میں خلیفہ المتوکل علی اللہ نے اس دار فانی سے رحلت کی۔

یہ خلیفہ دولت مندی اور صاحب اولاد ہونے میں نہایت ہی خوش قسمت تھا۔ اس کے ایک سو لڑکے تھے جن میں چار کو مسند خلافت پر جگہ ملی۔

خلیفہ المتوکل علی اللہ کے ہی زمانہ میں خاندان عثمانیہ کی سلطنت کی بنیاد روم میں پڑ چکی تھی۔ اور عثمان خان کا بیٹا بایزید خان حکومت کر رہا تھا۔ مگر ابھی خاندان عثمانیہ کے کسی حاکم کی یہ مجال نہ تھی۔ کہ اپنے آپ کو سلطان یا بادشاہ کہلائے۔ کیونکہ جبتک دربار خلافت کسی بادشاہ یا سلطان کو تسلیم نہ کرے۔ اس وقت

کوئی بادشاہ یا سلطان نہیں کہلا سکتا تھا۔

چنانچہ ان دنوں اسوقت روم میں تو خاندان عثمانیہ کی بنیاد پڑ چکی تھی اور اس طرف ہندوستان میں تاتاری حملوں کے بعد تاتاری قوم کا سردار سمرقند سے ہندوستان پر حملہ آور ہوا تھا۔

قبل اس کے امیر تیمور اور اس کے حملہ ہندوستان کے حالات لکھے جائیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تاتاری قوم کی مختصر تاریخ بیان کر دی جائے۔

تاتاری قوم اور امیر تیمور والی سمرقند کے حملے ہندوستان سنہ ۱۳۶۹ تا سنہ ۱۴۱۲

تاتاری قوم بھی دراصل ترکی قوم ہی سے ہے۔ اسلام لانے سے قبل انکی ایسی ہی حالت تھی جیسے عرب کے خانہ بدوش بدوؤں کی۔ یہ لوگ بھی بدوؤں کی طرح اپنی زندگی ایشیا کے بیابانوں میں گھومتے گذارتے تھے۔ عہد اسلامی سے قبل یہ لوگ وسط ایشیا کے جنوب میں آباد تھے۔ مذہب اسلام قبول کرنے کے بعد یہ لوگ مہذب بن گئے اور قوم ترک میں شمار ہونے لگے۔

اسی قوم کا سردار سنہ ۱۳۶۹ء میں سمرقند کے تخت حکومت پر متمکن ہوا۔ جس کا نام امیر تیمور تھا جس نے ۳۴ سال کی عمر میں ایشیا کے چاروں طرف مسلسل فتوحات کے بعد ہندوستان کا رخ کیا۔

امیر تیمور کو معلوم تھا کہ ہندوستان کے دارالخلافہ دہلی کی سلطنت کمزور ہے اس لئے وہ ایک سال کے اندر دریائے اٹک کو عبور کر کے سنہ ۱۳۹۸ء میں دہلی کے سامنے آموجود ہوا۔ اسوقت خاندان تغلق کا آخری سرمایہ یعنی فیروز تغلق کا بیٹا محمود دہلی کے تخت کو سنبھالے ہوئے تھا۔ بھلا وہ بچارا کم سن اور ناتجربہ کار بے سروسامان امیر تیمور جیسے ترک کا مقابلہ کیا کر سکتا تھا۔ چنانچہ دہلی کے دروازہ

پر دشمن پہنچا ہوا۔ آخر محمود کو شکست فاش ہوئی اور گجرات کی طرف بھاگ نکلا اور امیر تیمور نے ہندوستان میں اپنے نام کا ڈنکا بجا دیا۔ مگر امیر تیمور صرف ۱۵۔۲۰ روز دہلی میں ٹھہرا اور بہت سامال متاع لیکر سمرقند کو واپس لوٹ گیا۔

اور ہندوستان پر خضر خان کو اپنا نائب مقرر کر گیا۔

امیر تیمور کے واپس چلے جانے پر سلطان محمد گجرات سے پھر دہلی میں واپس آیا لیکن سنہ ۱۴۱۲ھ مر گیا۔

خاندان سادات کی حکومت اسلامی ہندوستان پر ۱۴۱۴ء تا ۱۴۵۱ء

محمود کے مرنے کے بعد ارکین سلطنت نے دولت خان لودھی کو بادشاہ بنایا لیکن امیر تیمور کے نائب خضر خان نے تخت پر نہ بیٹھنے دیا۔ اس لیے تخت ہند پر خضر خان قابض ہو گیا۔ خضر خان کے بعد یکے بعد دیگرے اس کے تین جانشین ہندوستان کے تخت پر متمکن ہوئے اور یہی جانشینی خاندان سادات کے نام سے مشہور ہوئی۔

ہم پہلے لکھ چکے ہیں اسوقت اسلامی سلطنت کے کسی والی کو سلطان یا بادشاہ کے لقب سے ملقب نہ کیا جاتا تھا جبکہ دربار خلافت کی طرف سے یہ خطاب حاصل نہ کیا جائے۔

چنانچہ روم میں خاندان عثمان کا جو بادشاہ اسوقت سر پر آرا تھا۔ اس کا نام بایزید خان تھا۔ چنانچہ بایزید نے خطاب شاہی حاصل کرنے کے لیے خلیفہ وقت المتوکل علی اللہ کے پاس بہت سے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تحائف بھیجکر التجا کی۔ کہ اُسے شاہی القاب سے ملقب کیا جائے۔ آخر بایزید خان کی التجا قبول ہوئی اور خلیفہ وقت نے اُسے سنہ ۷۹۷ھ میں سلطان روم کا خطاب دیا۔

لہذا اس وقت سے آل عثمان کے فرمانروائے روم سلطان روم کے

القاب سے ملقب ہوئے۔

المتوکل نے اگرچہ شروع سے ہی اپنے بیٹے احمد کو اپنا جانشین قرار دیدیا تھا بلکہ اس کا القاب المعتمد علی اللہ نے خود ہی تجویز کر دیا تھا لیکن کسی وجہ سے چند روز بعد اس کو اس ولی عہدی سے محروم کر کے اپنے دوسرے بیٹے ابوالفضل کو ولی عہد قرار دیا چنانچہ خلیفہ المتوکل علے اللہ کے بعد وہی خلیفہ ہوا اور اس نے اپنے آپ کو المستعین باللہ کے القاب سے ملقب کیا۔

لیکن المستعین باللہ آٹھ سال خلافت کر کے ۸۱۶ھ مطابق ۱۴۱۳ء میں معزول کر دیا گیا۔ اور اس کی جگہ اس کا بھائی داؤد خلیفہ مقرر کیا گیا جس نے اپنا لقب المعتضد باللہ قرار دیا۔

معزول خلیفہ المستعین باللہ اسکندریہ چلا گیا۔ المعتضد پورے تین برس تک خلیفہ رہا۔ اور جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بھائی ابوالربیع سلیمان کو اپنا جانشین قرار دیا۔ ۴ ربیع الاول ۸۴۵ھ کو خلیفہ المعتضد کے مرنے پر ابوالربیع المستکفی باللہ کے لقب سے خلافت کی اور آخر ذی الحجہ ۸۵۴ھ مطابق ۱۴۵۱ء میں وفات پائی اسکی جگہ اسکا بھائی ابوالبقا حمزہ القائم بامر اللہ کے لقب سے خلیفہ مامور ہوا۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ہندوستان میں خاندان سادات کی حکومت کا خاتمہ ہوتے کے بعد خاندان لودھی کی حکومت تھی اور لودھی خاندان کا پہلا بادشاہ علاؤالدین بہلول لودھی تخت حکومت پر جلوہ افروز تھا۔

خاندان لودھی کی اسلامی حکومت ہندوستان میں ۸۵۵ھ تا ۹۳۲ھ (۱۴۵۱ء تا ۱۵۲۶ء)

بہلول نہایت عقلمند اور شائستہ مزاج بادشاہ تھا۔ اس نے تخت حکومت پر متمکن ہوتے ہی سلطنت کی بد انتظامیوں کو دور کیا۔ چھبیس ۲۶ سال کے عہد

حکومت میں جونپور کو فتح کیا۔ اس کے بعد ۸۹۴ھ میں اس کا بیٹا سکندر لودھی تخت ہند کا جانشین ہوا۔ جس کی عہد سلطنت میں ہندو مسلمان ایک ہوگئے گویا خلافت عباسیہ کے خاتمہ اور آل عثمان کی سلطنت کے آغاز میں ہی سکندر لودھی تخت ہند پہ جلوہ فرما تھا اس کے باقی حالات ہم خلافت آل عثمان میں لکھینگے کیونکہ ۱۵۱۷ء میں ہی خلافت سلاطین ترکان آل عثمان سے وابستہ ہوگئی تھی۔

پچھلے صفحات میں ہم لکھ چکے ہیں کہ ۸۴۹ھ میں القائم بامر اللہ مسلمانوں کا خلیفہ تھا۔

اسی القائم کے عہد خلافت میں ایک دفعہ مصری فوج سلطان مصر کے خلاف ہوگئی تھی۔ اس بغاوت میں خلیفہ نے بھی فوج کا ساتھ دیا تھا۔ لیکن سلطان مصر نے جب فوج کی اس سرکشی پر فتح پائی تو القائم مارے شرم کے سلطان مصر کو منہ نہ دکھا سکا۔ اور اس شرمندگی میں خود ہی ۸۵۹ھ مطابق ۱۴۵۵ء میں عہدہ خلافت سے دست بردار ہوگیا۔ اس پر مسلمانوں نے اس کے بھائی ابوالعباس یوسف کو اپنا خلیفہ مقرر کیا جس نے اپنا لقب المستنجد باللہ قرار دیا۔ معزول خلیفہ القائم القاہرہ کو چھوڑ کر اسکندریہ میں چلا گیا۔ اور وہیں ۸۶۳ھ میں جان بحق ہوا۔

المستنجد باللہ نے محرم ۸۸۴ھ مطابق ۱۴۷۹ء کو دنیا سے رحلت کی اور اپنے بھتیجے سیدی عبدالعزیز ابوالعز یعقوب بن متوکل کو اپنا جانشین قرار دیا جس نے المتوکل علی اللہ کا لقب اختیار کر کے تقریباً ۵ سال تک خلافت کی آخر ماہ محرم ۹۲۳ھ مطابق ۱۵۱۷ء کو آل عثمان کا صاحب عظمت و جبروت تاجدار سلطان سلیم خان عساکر مصر کو شکست دے کر قاہرہ میں داخل ہوا۔ اور مصر و شام کے ساتھ عرب اور حرمین شریفین کی حکومت بھی اس کے قبضہ

تصرف میں ہوگئی۔ ان فتوحات کے بعد سلطان سلیم خلیفہ عباسی المتوکل علی اللہ سے ملا اور بہ لطف و مرحمت پیش آیا۔ اور اس کو اپنے ساتھ قسطنطنیہ میں لے گیا۔

ان مہربانیوں کے معاوضہ میں خلیفہ المتوکل علی اللہ نے دعوے خلافت سے دست بردار ہو کر خلافت اسلامیہ کا حق سلطان سلیم کو تفویض فرمایا۔ اور جو علامات و تبرکات خلافت خزانہ خلافت میں علامات خلافت کے طور پر تھے وہ سب قسطنطنیہ سلطان روم کے حوالے کر دیئے۔ ان تبرکات میں سے ایک عہد رسالت کا علم مبارک تھا۔ اور ایک حضور پر نور آنحضرت محمد صلعم کی تلوار تھی۔ اور ایک حضور پر نور صلعم کی چادر مبارک تھی۔ چنانچہ اس وقت سے سلطان سلیم نے اپنے القاب میں امیر المومنین خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خادم حرمین شریفین کے خطابات اضافہ کئے۔

حکومت بنی عباس کے اسباب زوال

ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ خلیفہ معتصم باللہ عباسی نے ملک مصر میں لوت نشرقیہ اور قبطیہ کے رہنے والوں سے ایک جماعت بنا کر انہیں اپنی فوج میں بھرتی کیا تھا اور اس کا نام معزلی رکھا تھا۔ اس کے علاوہ سمرقند۔ اقسرو سنترا اور فرغانہ سے بھی بہت سے آدمی اکٹھے کر کے اُن کو بھی فوجی خدمت میں رکھا تھا۔ اور اُن کا نام فراغنہ مقرر کیا تھا۔ جو زیادہ تر اس کے حاشیہ میں رہتے تھے۔ یہ دونوں جماعتیں اُن گروہوں کے علاوہ تھیں جو اُس کے یہاں خالص عربی فوجوں سے موجود تھے۔

خلیفہ معتصم باللہ کے بعد اور خلفاء نے بھی نئے نئے گروہ تیار کئے اور دوسری قوموں کے لوگوں کو اپنے یہاں انتہا رسوخ اور اقتدار بخشا جس کے سبب سے خلافت عباسیہ میں بہت سے مختلف عنصر پیدا ہو گئے۔

چونکہ امور ممالکت و انتظام سلطنت میں رکاوٹ ڈالنے والے اجنبی عناصر بکثرت ہو گئے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلفائے عباسیہ کمزور ہوتے ہو گئے اور عمال و حکام اپنے اپنے صوبوں اور ملکوں میں رفتہ رفتہ خود مختار ہوتے گئے اور خلفاء کی سلطنت نیز حکمرانی کا دائرہ سمٹتے سمٹتے اس قدر تنگ ہو گیا کہ صرف دجلہ اور فرات کے مابین کا حصہ ملک اُنکی قلمرو میں داخل رہ گیا۔ اگرچہ چوتھی صدی ہجری شروع بھی نہ ہونے پائی تھی کہ یہ قلمرو بھی اُنکے قبضہ اقتدار سے باہر ہو گئی اب محض شہر بغداد خلیفہ اسلام کے زیر حکومت تھا اور اس میں بھی اُس کی کامل حکومت نہ تھی۔ چنانچہ نمونے کے طور پر ہم اس وقت کی اسلامی حکومت کے ٹکڑے

جو چوتھی صدی ہجری کے پہلے ربع حصہ میں راضی باللہ کے عہد میں ہو چکے تھے ذیل میں دکھاتے ہیں۔

اسلامی حکومت کے حصے خلیفہ راضی باللہ کے عہد خلافت ۳۲۲ھ میں

ممالک اسلامیہ	اور ان کے احکام	
بصرہ (عراق عرب)	ابن رائق	کے قبضہ میں
خوزستان	بریدی	"
فارس	عماد الدین بن بویہ	"
کرمان	ابی علی محمد بن الیاس	"
رے۔ اصفہان اور کوہستان	رکن الدولہ بن بویہ	"
موصل۔ دیار بکر۔ مضر اور ربیعہ	بنی حمدان	
شام۔	اخشیدیہ	
خراسان اور ماوراء النہر	سامانی خاندان	
طبرستان اور جرجان	دیلمیون	
بحرین اور یمامہ	قرامطہ	

اور جس وقت خلافت بنی عباس کے ہاتھوں میں پہنچی ہے اسوقت اسلامی ممالک کی ترتیب مندرجہ ذیل تھی۔

کل اسلامی حکومت جسوقت بنی عباسیہ کا اس پر قبضہ ہوا

نام ملک	اور اُس کے ماتحت علاقے
(۱) کوفہ	مضافات سواد وغیرہ
(۲) بصرہ	مہرجان قباد کنارہ دجلہ تک اور وہ حصہ ملک جو دجلہ کے اُس پار بحرین اور اُس کے علاقہ عمان تک چلا گیا ہے۔
(۳) حجاز	یمامہ
(۴) یمن	
(۵) اہواز	اور سوزیانا
(۶) فارس	
(۷) خراسان	
(۸) موصل	
(۹) جزائر	مابین النہرین آذربائیجان آرمینیا
(۱۰) شام	
(۱۱) مصر	
(۱۲) افریقہ	
(۱۳) ملک سندھ	
(۱۴) اندلس	

خاندان عباسیہ کے عہد خلافت کے زمانہ ترقی میں مملکت اسلامی کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ عہد اسلام میں آج تک جتنی وسعت اسلامی قلمرو کو حاصل ہوئی ہے وہ سب سے زیادہ اسی عہد میں تھی۔ اگرچہ بعض صوبے عباسیوں کی حکمرانی سے خارج ہو کر خود مختار بن گئے تھے۔ لیکن یہ سب صوبے خلافت کے زیر اثر تھے اور خلیفہ کا خطبہ ہی پڑھا کرتے تھے۔

ہمارے خیال میں خواہ کتنی ہی جداگانہ حکومتیں کیوں نہ رہی ہوں۔ پھر بھی اسلامی سلطنت بہرحال قائم تھی اور مسلمان لوگ ہی اس پر حکمران تھے عباسی مملکت کی حدود شمال میں ترکستان کے بالائی حصہ تک ایشیا میں اور کوہستان پرنہیر تک سپین میں۔ جنوب میں بحر عرب بحر اعظم ہندوستان اور صحرائے افریقہ تک مشرق میں ملک سندھ اور پنجاب تک۔ ملک ہندوستان میں اور مغرب میں ز طالطک روشن تک پھیلی ہوئی تھیں اور اس کا رقبہ یورپ کے رقبہ سے دوگنا تھا۔ اس وسیع سلطنت کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے ہم اس کے صوبوں کے نام لکھے دیتے ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان صوبوں کے متعلق کتنے شہر ہونگے۔

خلافت عباسیہ کی ترقی کے زمانہ میں اقالیم اسلامی

نمبر شمار	نام صوبہ	نمبر شمار	نام صوبہ	نمبر شمار	نام صوبہ	نمبر شمار	نام صوبہ
۱	سواد	۱۲	ہمدان	۲۳	طبرستان	۳۴	طریق فرات
۲	اہواز	۱۳	ماسبذان	۲۴	تکریت	۳۵	قنسرین عواصم
۳	فارس	۱۴	مہرجان قذق	۲۵	شہر زور	۳۶	حمص
۴	کرمان	۱۵	ایغارین	۲۶	صامغان	۳۷	دمشق
۵	مکران	۱۶	قم و کاشان	۲۷	موصل	۳۸	اردن
۶	اصفہان	۱۷	آذربائیجان	۲۸	دیار ربیعہ	۳۹	فلسطین
۷	سجستان	۱۸	رے	۲۹	اران	۴۰	مصر
۸	خراسان	۱۹	قزوین	۳۰	طرون	۴۱	حرمین شریفین
۹	حلوان	۲۰	زنجان	۳۱	آرمینیا	۴۲	یمن
۱۰	کوفہ	۲۱	قومس	۳۲	آمد	۴۳	یمامہ اور بحرین
۱۱	بصرہ	۲۲	جرجان	۳۳	دیار مضر	۴۴	عمان

یہ صوبے اندلس کی سلطنت کے علاوہ ہیں جس کے حکمران مسلمان تھے۔

اسلامی اقالیم کی مردم شماری

یہ بات ہماری طاقت سے باہر ہے کہ ہم اسلام کے زمانہ ترقی کی مردم شماری بتلاسکیں۔ کیونکہ خلافت راشدہ کے بعد ہمیں کسی تاریخ سے مسلمانوں کی مردم شماری معلوم نہیں ہوسکی اور نہ کسی مؤرخ نے اس کو صحیح طور لکھا ہی ہے۔

اس لئے ہم ان دنوں کی مردم شماری کا نقشہ پیش کئے دیتے ہیں اسی اندازہ کے مطابق اسلام کے زمانہ ترقی کی مردم شماری کا پتہ لگ سکتا ہے۔ جبکہ ہر طرح اسلام ہی اسلام نظر آتا تھا۔

نام ملک	آبادی	نام ملک	آبادی
ایران	۹۰۰۰۰۰۰	جزیرہ عرب	۵۰۰۰۰۰۰
افغانستان	۴۱۰۰۰۰۰	ممالک مصر	۱۰۰۰۰۰۰۰
بلوچستان	۵۰۰۰۰۰	نوبیہ سوڈان	۱۰۰۰۰۰۰
سندھ	۳۰۰۰۰۰۰	طرابلس الغرب	۱۰۰۰۰۰۰
ترکستان	۴۰۰۰۰۰۰	الجزائر	۴۴۲۹۰۰۰
اناطولیا	۵۰۰۰۰۰۰	ٹیونس	۱۵۰۰۰۰۰
آرمینیا	۳۵۰۰۰۰۰	مراکو	۹۰۰۰۰۰۰
عراق	۲۵۰۰۰۰۰	سپین	۱۶۰۰۰۰۰۰
شام	۲۷۱۱۰۰۰	قبرس	۲۰۹۰۰۰
		کریٹ	۲۹۴۰۰۰

علامات خلافت اور انکی تاریخ

خلافت کی تین علامتین تھیں (۱) چادر مبارک (۲) انگوٹھی (۳) عصا مبارک
لہٰذا ہم ان علامات خلافت کے متعلق الگ الگ بیان عرض کرتے ہیں

چادر مبارک

یہ چادر مبارک حضور پرنور حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ جسے حضور صلعم اوڑھا کرتے تھے۔ یہی چادر مبارک حضور پرنور صلعم نے کعب بن زہیر کو عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ کعب کے گھرانے میں یہ چادر مبارک اسوقت تک موجود رہی جبکہ امیر معاویہ رضؓ بن ابی سفیان نے اپنی خلافت کے زمانہ میں خاندان کعب سے یہ چادر مبارک چالیس ہزار درہم دیکر لے لی

اس کے بعد خاندان اُمیہ اور عباسیہ خلفاء میں وراثتاً منتقل ہوتی رہی۔ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ خلفائے عباسیہ سے تاتاریوں نے لے لی۔ بہرحال کسی کے پاس رہی ہو۔ ابتک یہ چادر مبارک آستانہ (قسطنطنیہ) کی سرائے قدیمہ کے اندر تبرکات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہے۔

انگوٹھی یا مُہر

حضور پرنور ہادی اسلام آنحضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تبلیغ اسلام میں جب قیصر و کسریٰ کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے گئے تو اس وقت ہادی اسلام صلعم نے ایک چاندی کی مہر بنوائی اور اُس کے نگینہ کی جگہ "محمد الرسول اللہ" کا تبرک کلمہ کھدوا دیا۔

یہ مہر حضور پر نور صلعم کی وفات حسرت آیات کے بعد ابو بکر صدیق رض کو تفویض ہوئی اور ان کے بعد حضرت عمر رض کو پھر حضرت عثمان کے ہاتھ سے چاہ میں گر گئی۔ جب نہایت تلاش کرنے پر بھی یہ انگوٹھی مبارک نہ ملی تو حضرت عثمان رض نے ایک اور مہر بنوالی۔

غرضیکہ جتنے خلفا ہوئے سب اپنی اپنی مہریں بنواتے چلے گئے۔ لیکن خلفا مہروں پر اپنا نام نہیں کھدواتے تھے۔ بلکہ ایسا کلمہ کھدواتے تھے جس میں خدا کی حمد و ثنا یا پند نصیحت پر مبنی ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر کی مہر پر نعم القادر (یعنی اللہ ہی سب سے بڑھکر قادر ہے) کندہ تھا اور حضرت عمر رض کی مہر پر کفی بالموت واعظاً یا عمر (یعنی اے عمر موت کا واعظ ہے) منقوش تھا۔ حضرت عثمان کی انگوٹھی لتصبرن اولتندمن (یعنی یا صبر یا ندامت) اور حضرت علی رض کی مہر الملک اللہ (یعنی ملک اللہ ہی کا ہے) کندہ تھا۔

خلفائے بنی امیہ اور بنی عباس بھی اس طریق کار کے پابند رہے۔ ان میں سے ہر ایک کے واسطے ایک خاص فقرہ تھا جس سے اس نے اپنی مہر پہ کندہ کرایا تھا۔ اور اکثر اس مہر کی عبارت میں اور خلیفہ کے نام میں کوئی معنوی مناسبت بھی ہوا کرتی تھی۔ جیسے کہ ہارون الرشید کی مہر کا نقش تھا۔

عبداللہ یومن باللہ مخلصاً (یعنی بندہ خدا۔ خدا پر اخلاص کے ساتھ ایمان لایا ہے) اور واثق باللہ کی مہر پہ "اللہ ثقۃ الواثق" (یعنی خدا کا بھروسہ پکا ہے) کندہ تھا۔ متوکل علی اللہ کی انگوٹھی پر (علی اللہ توکلت (یعنی میرا بھروسہ اللہ پہ ہے) اور معتمد باللہ کی خاتم پر "اعتمادی علی اللہ و ھو حسبی" کندہ تھا۔

اور ان دونوں تبرکات علامات کو خلافت سے تعبیر کیا جاتا ہے جو استانہ علیہ کے محل سرائے قدیمہ کے اندر ایک خاص کمرہ میں چاندی کے صندوق کے

اندر محفوظ ہیں۔ اور وہ تبرکات حسب ذیل ہیں۔
(۱) چادر مبارک (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) (۲) دندان مبارک نبی صلی اللہ علیہ وسلم (۳) موئے مبارک نبی صلی اللہ علیہ وسلم (۴) پاپوش مبارک نبی صلی اللہ علیہ وسلم (۵) علم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم (۶) دو لوہے کے برتن جن میں حضرت خلیل اللہ علیہ السلام زمزم کا پانی پیا کرتے تھے (۷) امام ابی حنیفہ کا جبہ مبارک (۸) سیدنا حضرت یحییٰ کا ذراع۔ ان تبرکات کی ہر سال رمضان شریف کی ۱۵ تاریخ کو زیارت ہوتی ہے۔ جلالتمآب سلطان المعظم اپنے جلوس سواری کے محل موصوفہ بالا کی جانب تشریف لے جا کر وہاں رسم زیارت ادا فرماتے اور ان متبرک چیزوں سے برکت حاصل کرتے ہیں۔ اس موقعہ پر سلطنت کے بڑے بڑے اراکین اور عہدہ دار بھی سلطان کے ہمرکاب ہوتے ہیں۔

عصا

خلافت کی تیسری علامت عصا ہے۔ جس وقت کوئی نیا خلیفہ مسند خلافت پر متمکن ہوتا ہے۔ تو چادر۔ انگوٹھی۔ عصا اس کے سامنے پیش کیا جاتا تھا۔ بنی اُمیہ اور بنی عباس کے عہد پر بھی دستور ہمیشہ جاری رہا۔

خلیفہ سے بیعت کرنے کا طریقہ

بیعت کے معنے اقرار اطاعت ہیں۔ جب کسی شخص نے کسی امیر سے بیعت کی تو گویا اُس نے اُس کی فرمانبرداری کا اقرار کر لیا بلکہ اپنی ذات کے تمام معاملات کا اُسے مختار بنا دیا۔

اہل عرب کا دستور یہ تھا کہ جب وہ کسی امیر سے بیعت کرتے تھے اپنے ہاتھوں کو اس کے ہاتھ میں دیتے اس طرز عمل سے اقرار کی مضبوطی کا اظہار مقصود ہوتا تھا۔

اسلام میں سب سے پہلے بیعت عقبہ ہوئی۔ اور اسی بیعت کے اصول پر بیعت کا طریقہ جاری ہوا۔

جس وقت انصار نے حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم سے مقام عقبہ میں بیعت کی ہے تو انہوں نے یوں کہا تھا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگ آپ کو پناہ دہی سے اسوقت تک بے تعلق ہیں جبتک کہ آپ ہمارے ہاں تشریف نہ لے چلیں" لہذا جب آپ ہمارے وطن میں پہنچ جائینگے تو ہماری پناہ میں آجائینگے اس وقت جن باتوں سے ہم خود اپنا اور اپنے بال بچوں کا بچاؤ کرتے ہیں آپ کو بھی اُن باتوں سے محفوظ رکھیں گے۔ نیز ہم نے بیعت کی اس اقرار پر کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائینگے چوری نہ کرینگے۔ زنا نہ کرینگے۔ اپنی اولاد کو قتل نہ کرینگے اور کسی پر بہتان نہ باندھیں گے اور نہ کسی امر معروف میں نافرمانی کرینگے جس زمانہ میں ابو مسلم خراسانی نے بنی عباس کے لئے بیعت طلب کرنی شروع کی تو اس کا مضمون یہ تھا۔

"میں تم سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم اور اہل بیت اللہ صلعم کی رضامندی کے لئے انکی اطاعت کرنے پر بیعت لیتا ہوں اور اس قول کے

نباہنے کے لئے خدا وند پاک کا تم پر عہد اور میثاق ہے تم روزینہ کا مطالبہ نہ کروگے اور نہ کسی قسم کا لالچ کروگے۔ جبتک کہ تمہارے حکام از خود تمہیں روزینہ دینا شروع نہ کریں۔ اگر تم اس کے خلاف کرو تو تمہاری عورتوں پر طلاق۔ غلام کا آزاد کرنا اور پا پیادہ کعبتہ اللہ کا سفر کرنا لازم ہوگا۔"

جب کسی خلیفہ کی بیعت ہوتی تھی تو اس کا دستور یہ تھا کہ سب سے پہلے اکابر سلطنت بیعت کرتے تھے اور اُنکے بعد اصحاب مناصب میں سے جو اُن سے دوسرے درجہ پر ہوتے تھے۔

عباسی حکومت میں سب سے پہلے خلیفہ سے بیعت کرنے والے فوجی لوگ اور سپہ سالار اور بغداد کے قاضی ہوا کرتے تھے۔ اور اکثر اوقات ان لوگوں سے قسم لینے پر فوج کا میر منشی مقرر ہوتا تھا اور لوگوں کا نام لیکر پکارا جاتا تھا اس کے بعد وزیر یا اُس کا قائم مقام اٹھکر خلیفہ کے سر پر اپنے ہاتھوں سے عمامہ باندھتا تھا۔ اور اُسے چادر اڑھاتا تھا۔ جس وقت بیعت کی کاروائی ختم ہوجاتی تو خلیفہ کے روبرو بہت سے القاب پیش کئے جاتے تھے جن میں سے کسی ایک لقب کو پسند فرماکر وہ اپنے آپکو ملقب کرتا تھا۔

اس قسم کے القاب صرف زمانہ اسلام ہیں ہی ایجاد ہوئے تھے۔ عباسی حکومت کے پہلے دور میں یہ القاب بہت ہی سادے ہوا کرتے تھے۔ مثلاً امین۔ مامون۔ رشید وغیرہ مگر جب معتصم کا زمانہ آیا تو ایک بزرگی کا نام بھی اس کے لقب پر بڑھایا گیا۔ اور اس کا نام المعتصم باللہ قرار پایا۔ اس کے بعد خلفائے عباسیہ کے تمام القاب اسی قسم کے رکھے جانے لگے۔ جب خلیفہ سے اُس کے محل میں بیعت کرلیجاتی تو پھر خلافت کا جلوس اُس کے سامنے حاضر کیا جاتا۔ جس میں بہت سے گھوڑے ہوتے تھے۔ جو جڑاؤ ساز و سامان سے

آراستہ اور اُنکے سائیس بھی زرق و برق کی وردیوں سے ملبوس ہوا کرتے تھے۔

پھر خلیفہ کو خاص سواری پر سوار کرایا جاتا اور بڑے بڑے عائد سلطنت گھوڑوں پر اُس کے گرد حلقہ باندھ لیتے خلیفہ کے روبرو ایک شخص ننگی تلوار لئے پاپیادہ چلتا اور فوجیں سرراہ دو رویہ صف بستہ رہتیں انہیں صفوں کے بیچ میں شاہراہ پر مرکب خلافت قصر خلافت تک جاتا جو کہ بغداد شریف کا دیوان عام تھا۔

خلیفہ کے دیوان عام میں جلوس کرنے کے بعد حسب حالت وموقع ممالک غیر اور صوبجات باتخت سے تہنیت جلوس پیش کرنے کے لئے آنے والے وفد حاضر دربار ہوتے اور لوگ تہنیت نامے پیش کرتے تھے۔

ولیعہد کی بیعت خلفاء اپنے بیٹوں کے واسطے ولیعہدی کی بیعت لیا کرتے تھے۔ بااولاد نہ ہونے یا اُس کے صغیر سن ہونے کی صورت میں اپنے بعد قرابتداروں کو ولیعہد بنایا کرتے تھے۔

نیز خلفاء کو جس وقت ایسا کرنا منظور ہوتا کہ کسی شخصوں کو ولیعہدی کے لئے نامزد کریں تو اپنے ارادہ کو اہل الرائے لوگوں سے ظاہر کرکے اُن سے مشورہ لیتے جس طرح کہ خلیفہ منصور عباسی نے کیا۔ کیونکہ اُس نے جسوقت اپنے فرزند مہدی کے لئے بیعت لینی چاہی اور جعفر اس معاملہ میں اسپر معترض ہوا تو منصور نے لوگوں کو حاضر ہونے کا حکم دیا چنانچہ متعدد لوگوں نے جمع ہوکر تقریریں کیں۔ اور سب نے مہدی کی تائید کی اس لئے مہدی کی بیعت لی گئی رہی۔

خلفاء کا یہ بھی دستور تھا کہ جب اپنے بیٹوں یا بھائیوں میں سے ایک سے زائد شخصوں کے خلافت کے قابل دیکھتے تھے تو ایک بیٹے یا بھائی سے ولیعہدی

کی بیعت لیتے اور شرط لگا دیتے کہ اس کا جانشین فلاں یا فلاں شخص ہو۔
جیسا کہ یزید بن عبد الملک نے کیا یعنی جسوقت اپنے ولیعہد کی بیعت لینی چاہی چونکہ اسوقت اس کا بیٹا بہت ہی کم عمر تھا تو اس نے اپنے بھائی ہشام سے اس شرط پر بیعت کی کہ اس کے بعد میرا بیٹا ولید بن یزید جانشین ہو
اکثر صورتوں میں جبکہ کوئی ضروری اور لازمی بات خیال میں آ جاتی تو وقتاً فوقتاً شرائط بیعت میں کچھ تغیر و تبدل بھی ہو جاتا تھا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ خلیفہ اپنے کسی بیٹے کو ولیعہدی کی بیعت لیتے ہوئے اس شخص کو نامزد کر دیتا جو ولیعہد کا جانشین ہو سکے اور ولیعہد کو اختیار دیدیتا تھا کہ وہ چاہے تو نامزد شدہ شخص کو خلیفہ بنائے اور چاہے نہ بنائے۔
جیسے کہ خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے بیٹے امون الرشید کے لئے ولیعہدی کا حکم لکھتے وقت اُس کے بعد اپنے دوسرے فرزند قاسم کو نامزد کرتے ہوئے امون الرشید کو یہ اختیار دیدیا تھا کہ اگر اس کی مرضی ہو تو قاسم کی ولیعہدی قائم رکھے ورنہ اُسے علیحدہ کر دے۔

دولت عباسیہ کی ثروت

زمانہ عروج میں

اس میں کچھ شک نہیں کہ خلفائے راشدین کا عہد اسلامی تاریخ میں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے یہ مبارک زمانہ حقیقی انصاف اور خدا ترسی کا دور تھا۔ اس دور میں حکومت حق پسندی۔ راستبازی اور سچی غیرت مندی کے قابل قدر اصول پر قائم تھی اسوقت کے مسلمان دینداری میں نہایت راسخ تھے اور دنیا کو حقیر سمجھنا ان کا شیوہ تھا۔ یہ وہ زمانہ ہے جس کو اس کے بعد مسلمانوں نے اپنے طرز عمل کا رہنما بنایا۔ اور اُس کی پیروی کو اپنا فخر سمجھا۔ اور جسوقت کسی اسلامی حکومت نے اُن اصول کے خلاف ورزی کی۔ تمام مسلمان پبلک برافروختہ ہو جاتی تھی۔ اور حکومت سے شاہراہ حق کی طرف رجوع کرنے اور خلفائے راشدین کے نقش قدم پہ چلنے کی خواہش کرتے تھے۔ ان برگزیدہ حکمرانوں کے بعد اسلامی حکومت کا طرز عمل بدل گیا اور دینی خلافت کی جگہ دنیوی ملکداری کے قانون قائم ہو گئے۔ خلفا اور اُنکے عاملوں گورنروں کے دلوں میں حرص و طمع نے گھر کر لیا اور وہ ہر ایک جائز اور ناجائز وسیلہ سے صرف مال و دولت کا جمع کرنا اپنا اصلی مقصد خیال کرنے لگے۔

لیکن یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ خلفائے راشدین کے بعد مسلمان حکمرانوں کے نزدیک مال کا جمع رکھنا ایک ضروری امر تھا۔ تاکہ فتوحات میں ملک کا خزانہ مدد دے سکے۔

چنانچہ اندلس کے مشہور بادشاہ عبدالرحمٰن بن الناصر جس نے سنہ ۳۰۰ھ

۳۵۰ھ تک فرمانروائی کی اس نے ۳۴۰ھ تک تقریباً دو کروڑ دینار ملکی خزانہ میں جمع کئے تھے۔ اس کے زمانہ میں اندلس کے سالانہ محاصل خراج و جزیہ چون لاکھ اسی ہزار دینار تھے۔ اور بازاروں اور مستخلص کی آمدنی سات لاکھ پینسٹھ ہزار دینار تھی جس کی تمام میزان باسٹھ لاکھ پینتالیس ہزار دینار ہوتی ہے اور یہ رقم مال غنیمت کے خمس کی آمدنی سے علاوہ تھی جو بکثرت آیا کرتے تھے اور خلیفہ مامون الرشید کے ایام میں ملکی لگان کا جسقدر روپیہ خزانہ میں ہر سال آیا کرتا تھا۔ اتنا کسی اسلامی یا غیر اسلامی حکومت کے یہاں کبھی جمع نہیں ہوا۔ ہم کو اس محاصل کی مقدار ابن خلدون کے مقدمہ سے معلوم ہوئی ہے جس کو وہ سلطنت کے مالی دفتر سے نقل کرتا ہے لہذا اس کے بعد اس جلد کو ختم سمجھیں۔

نام ممالک	تعداد درہم	دیگر سامان
سواد	۲۷۸۰۰۰۰۰	نجران کے ۲۰۰ حلے اور ۲۴۰ رطل گل مختوم
کسکر	۱۱۶۰۰۰۰۰	
کوروجلہ	۲۰۸۰۰۰۰۰	
حلوان	۴۸۰۰۰۰	
رہواز	۳۵۰۰۰۰۰	۳۰۰۰۰ رطل شکر
فارس	۲۷۰۰۰۰۰	۳۰۰۰۰ قرابے عرق گلاب کے بیس ہزار رطل روغن سیاہ کے

میزان نقدیات ۱۱۷۰۰۰۰۰ درہم

ختم شد

حضرت شاہ عبد القادر محدث دہلوی علیہ الرحمۃ
کی
تفسیر ترجمۃ القرآن
یعنی
تفسیر موضح القرآن

دنیائے اسلام میں علامہ حضرت شاہ عبد القادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی محتاج تعارف نہیں ہے چنانچہ یہ آپ کی وہ بے بہا عالمانہ تالیف ہے جسکی مدد کے بغیر کوئی تفسیر القرآن تیار ہوئی ہے اور نہ ہو سکتی ہے لہذا بحیثیت مسلمان ہونے کے اگر آپ کلام الٰہی کے معانی اور آیات ربانی کا شان نزول و دیگر احکامات الٰہی کی تشریح و توضیح سے آشنا ہونا چاہتے ہیں۔ تو یہ تفسیر موضح القرآن منگا کر مطالعہ فرمائیں جو نہایت معتبر اور مدلل ترجمۃ القرآن کی عام فہم تفسیر ہے اور نہایت اعلیٰ ولایتی چکنے کاغذ پر نہایت خوشخط صحیح۔ اور صاف طبع ہوئی ہے قیمت علاوہ محصول ڈاک صرف تین روپے مجلد تین روپے آٹھ آنہ ہے

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ
کی
تصنیف لطیف
کیمیائے سعادت ترجمہ اردو

علامہ امام غزالی علیہ الرحمۃ ایسے بلند پایہ عالم اسلام ہیں۔ جس کے فلسفہ اسلام سے موجودہ علماء سائینس نے بھی استفادہ حاصل کیا ہے۔ لہذا اگر آپ فلسفہ اسلامی کو اپنے عقلی دلائل اور موجودہ سائنس کے خیالی نکتۂ ادراک کے مطابق جانچنا چاہتے ہیں۔ اگر حسیات نفس روح فلسفہ عذاب قبر حشر و نشر بہشت دوزخ وغیرہ کے مسائل سے یقین حاصل کرنا چاہتے ہیں تو علامہ موصوف کی یہ کتاب مطالعہ فرمائیں۔ پہلے یہ کتاب عربی زبان میں مصنف نے لکھی۔ پھر اسکا فارسی میں ترجمہ ہوا۔ اب ہم نے ایک قابل مترجم سے اس کتاب کا اردو ترجمہ کرا کر ولایتی کاغذ پر نہایت خوشخط اور عمدہ چھپائی سے طبع کیا ہے قیمت دو روپے بارہ آنہ ۱۲/ مجلد ہے

پتہ ملنے کا ملک دین محمد اینڈ سنز پبلشر تاجران کتب کشمیری بازار لاہور

۷۸۶

الٰہی غنچۂ امید بکشا

این کتاب مسمّٰی بہ

تاریخ اسلام

سستی کتابیں ملنے کا پتہ

ملک دین محمد اینڈ سنز پبلشرز و تاجران کتب
کشمیری بازار لاہور

کتب خانہ دین محمدی کی شہرۂ آفاق کتابیں

نقاش عادل

محمد حسین کاتب

تفسیر وضح القرآن اردو	ے
تفسیر سورۂ یوسف اردو	۸ر
قرآن مجید ۲۲×۲۹ چوبی ۱/۴ سعید کلاں	۳ے
قرآن مجید ۲۰×۲۲ ۱/۴ چوب قلم	۳ے
قرآن مجید ۲۲×۲۹ ۱/۸ سعید ۱۵ سطور	عہ
قرآن مجید ۲۲×۲۹ ۱/۸ مترجم شاہ رفیع الدین	۳ے
نماز حنفی مدلل حصہ اول	علہ
ایضاً حصہ دوم	عہ
جواہر القرآن	۴ر
دلائل الخیرات	۸ر
اقوال الاولیاء	۸ر
اقوال الرسول	۸ر
عناصر الشہادتین	۱۲ر
سوانح عمری رسول مقبول	علہ
بہشتی زیور کامل معہ بہشتی گوہر	عہ
مسائل دین محمدی	۸ر
احکام دین محمدی	۳ر
قصص الانبیاء کلاں	عہ
قصص الانبیاء خورد	۱۲ر
تذکرۃ الاولیاء	عہ
کیمیائے سعادت اردو	۱ے
ودی احوال الآخرت	
برہان پنجابی	۵ر
آداب الاستاد والوالدین	۵ر

ہندوستان کی شہزادیاں	۸ر
تاریخ شاہان اسلام	۱۲ر
تعلیم نسواں کی پہلی	۲ر
تعلیم نسواں کی دوسری	۳ر
تعلیم نسواں کی تیسری	۴ر
تعلیم نسواں کی چوتھی	۵ر
قاعدہ اسلام سے لیکر اسلام کی ساتویں تک	عہ
رفیق نسواں	۸ر
سوانح عمری چہار یار	۱۲ر
صبح کا ستارہ	۲ر
میلاد اکبر	۶ر
رکن دین	۸ر
مصباح الصلوٰۃ	۶ر
زیور ایمان	۵ر
گلزار حسین	۴ر
رقعات غالب	۶ر
مولانا شبلی کے تاریخی مضامین	۶ر
بابو نذیر احمد کے علمی مضامین	۶ر
گلزار اکبر	۳ر
نہال روضۂ اکبر	۴ر
عملیات غوثیہ	۴ر
عملیات چشتیہ	۴ر
عملیات صابریہ	۴ر
عملیات علی ہجویری	۴ر
کنز الحسین اردو	۱۲ر
کتاب التعویذات	۶ر

کتاب التعویذات	۶ر
مسدس حالی	۶ر
تراب الدین قادری	عہ
الف لیلہ	عہ
داستان امیر حمزہ	عہ
طوطا مینا	۶ر
حاتم طائی	۶ر
انوار سہیلی	۶ر
گلستان چوب قلم	۱۲ر
بوستان چوب قلم	علہ
قصہ ڈھول بادشاہ	۵ر
میزان الطب اردو	۶ر
خطبات دین محمدی	عہ
سیر وارث شاہ کلاں	عہ
سیف الملوک	علہ
ہنسی کا گول گپا	۴ر
بنگال کا جادو	۴ر
راہ جنت	۴ر
فضائل بسم اللہ	۱ر
ترکیب الصلوٰۃ	۳ر
ترتیب الصلوٰۃ	۵ر
فضائل الشہور والصیام	۴ر
سرمایۂ آخرت	۶ر
تحفۃ الزوجین	۳ر
احکام العیدین	۲ر
مفتاح الجنت	۵ر
ترجمہ اردو کنز الدقائق	عہ
صراط الاسلام	۳ر
زینت القاری	۳ر

خلاصۃ النکاح	۳ر
تعویذ نامہ	۳ر
پکی روٹی کلاں	۳ر
مسی روٹی معہ مربا جات	۴ر
شرح نجات المؤمنین	۱۲ر
در مجالس	۵ر
مجموعہ سلطانی	۴ر
تنبیہ الغافلین	۸ر
شرع محمدی	۵ر
ضرورت المسلمین	۳ر
مقاصد الصالحین	۴ر
پیغمبروں کے حالات	۵ر
ولیوں کے حالات	۵ر
تعلیم نامہ	۶ر
ادیب نسواں	۵ر
انشاء نسواں	۴ر
زنانہ خط وکتابت	۵ر
انتظام خانہ داری	۴ر
کھانا پکانا	۴ر
ہنر آموزی	۴ر
پردۂ نسواں	۴ر
رفیق نسواں	۸ر
لیڈی ڈاکٹر یا طبیب النساء	۳ر
بہشتی حوریں	۴ر
خورشید جہاں	۴ر
سوانح عمری زیب النساء	۳ر
سگھڑ سہیلی	۲ر
حکایات لطیف	۲ر
ابواب الصرف	۳ر

دیوان حافظ	۸ر
قصہ حمد جامی چہاپری	۴ر
بدائع منظوم فارسی	۴ر
بول چال فارسی	۱۲ر
تحفۂ نصائح	۵ر
نحو میر فارسی	۳ر
انشائے قندری فارسی	۳ر
مکتب نامہ فارسی	۵ر
مصدر فیوض	۳ر
صرف میر	۳ر
انگلش ٹیچر	۶ر
تحفۃ العشاق	۴ر
مولود شریف شہید	۸ر
زیور ایمان	۵ر
خدا کی رحمت	۳ر
مولود شریف جدید	۳ر
مولود رحمت الرحیم	۳ر
ریاض اکبر	۴ر
محفل گیارہویں	۴ر
مناجات مقبول	۳ر
مجموعہ اعجاز عیسوی	۴ر
طلسم روحانی	۴ر
گنجینۂ عملیات طلسمی	۱۰ر
اعجاز محمدی	۳ر
حرز سلیمانی	۸ر
دولتمند بننے کی چالیس ترکیبیں	۲ر
تین سپاہی حصہ اول	۵ر
تین سپاہی حصہ دوم	۹ر

ملنے کا پتہ ملک دین محمد اینڈ سنز تاجران کتب بل روڈ لاہور

سرورق و تصاویر در زینت پریس بل روڈ لاہور طبع شد

وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصٰلحٰت لیستخلفنہم فی الارض

تاریخ اسلام

جلد پنجم

سنہ ۹۲۳ھ تا سنہ ۱۳۴۴ھ

مطابق

سنہ ۱۵۱۷ء تا سنہ ۱۹۲۶ء

متعلقہ

تاریخ سلاطین عثمانیہ و ترکان احرار

مؤلفہ
شوق امرتسری

بعد حصول حقوق

حسب فرمائش

ملک دین محمد پبلشر اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور

جس کو

ملک دین محمد نے باہتمام ابو عبد الحمید محمد [illegible]

ہر قسم کی سستی کتابیں ملنے کا پتہ :- ملک سراج الدین تاجر کتب کشمیری بازار لاہور

فہرست مضامین تاریخ اسلام جلد پنجم

تاریخ اسلام ۱۳۲۵

جلد پنجم

۹۲۳ھ تا ۱۳۴۴ھ

مطابق

۱۵۱۷ء تا ۱۹۲۶ء

مع

مکمل تاریخ آل عثمانیہ و ترکان احرار

خلافت عباسیہ کا گذشتہ تیسرا دور جس کی مدت قیام تقریباً تین سو سال تھی وہ زمانہ تھا جبکہ سیاسی اقتدار کا خاتمہ ہو چکا تھا اور خلافت کے شاہانہ حقوق سلب ہو چکے تھے۔ اسوقت اسلام کا سیاسی اور دینوی اقتدار جیسا کہ مسلسل طور پر اس زمانہ تک جاری و ساری ہوتا چلا آتا نظری طور پر فرض کر لیا گیا ہے۔ مصر کے مملوک سلطانوں اور دیگر مسلمان حکمرانوں کے قبضہ میں تھا۔ اسی اقتدار حکومت کے باعث ۸۰۸ھ مطابق ۱۴۰۵ء میں سلطان مصر ملک الظاہر نے جس طرح المتوکل علی اللہ کو خلیفۃ المسلمین بنا دیا تھا۔ اسی طرح اُس زمانہ میں جبکہ خاندان آل عثمانیہ کی بنیاد پڑ چکی تھی اور خاندان عثمان کا بیٹا بایزید خان ۷۹۲ھ میں روم

ؔ انگریزی و دیگر مورخوں نے بایزید یلدرم کے نام سے اس بادشاہ کو لکھا صفحہ ۱۲ -

خاندان آل عثمان کا آغاز حکومت پر حکومت کررہا تھا۔ بایزید خان کی استدعا و سلطان روم کا خطاب ۷۹۷ھ مطابق ۱۳۹۵ء کے مطابق خلیفہ المتوکل علی اللہ نے اُسے سلطان روم کے خطاب سے ممتاز فرمایا تھا۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان آل عثمان کو مصر کے دربار خلافت سے ہی خلافت اسلام نہیں ملی بلکہ اس سے پیشتر بادشاہی بھی اُسی دربار سے ملی تھی۔

خاندان عثمان و خلافت انقلاب زمانہ دیکھئے کہ ایک وقت وہ تھا جب ۷۹۷ھ میں خاندان عثمان کے حاکموں نے بڑی التجا سے خلیفہ وقت سے خطاب "شاہی سلطان روم" حاصل کیا تھا۔ اس کے واقعہ کے صرف ایک سو بیس ۱۲۰ برس کے بعد یعنی ۹۲۳ھ میں جب آل عثمان کا صاحب عظمت تاجدار سلطان سلیم خان "سلطان روم ہوا" اسوقت خلیفہ وقت یعنی سید عبدالعزیز ابو العز یعقوب بن متوکل نے حق خلافت سے دست بردار ہو کر خلافت اسلامیہ کے کل حقوق سلطان سلیم کو تفویض کر دیئے۔

عجیب بات ہے ۷۹۷ھ میں خلیفہ وقت المتوکل علی اللہ ہی تھے جنہوں نے خاندان عثمان کو "سلطان روم" کے لقب سے سرفراز کر کے بادشاہ تسلیم کیا تھا اور ۹۲۳ھ میں بھی خلیفہ وقت المتوکل علی اللہ کے لقب سے ہی ملقب تھے جنہوں نے خاندان عثمان کو خلیفہ اسلام سے بھی ممتاز کر دیا۔

چنانچہ جب سلطان سلیم نے خلیفہ کا لقب اختیار کر لیا تو علمائے شریعت کی جماعت میں اس کے حق کے متعلق اختلاف آرا پیدا ہو گیا۔ لیکن آخر ہر طرح کے مباحثہ اور رد و کد کے بعد اُسکی جانشینی تسلیم کر لی گئی۔ بلکہ مکہ معظمہ میں بھی اُسے خلیفہ اسلام جائز مانا گیا۔

اس کے بعد سے پھر کبھی کسی نے سلاطین عثمانیہ کے حق خلافت پر اعتراضات

یا تنازعات پیدا نہیں کئے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ فرقہ اہل سنت والجماعت نے بھی جائز خلیفہ تسلیم کیا اور اُس کی نظیر میں یہ واقعہ پیش کیا گیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے اپنے انتقال کے وقت حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین خلیفہ نامزد کیا تھا۔ متوکل علی اللہ چونکہ خاندان عباسیہ کا آخری جانشین تھا اور مصر میں اُسکی خلافت مسلم طور مانی جا چکی تھی۔ اس لئے اسے پورا شرعی اور قانونی حق حاصل تھا کہ سب سے طاقتور مسلمان بادشاہ کو منصب خلافت حوالہ کر کے خود علیحدہ ہو جائے۔

سلطان سلیم کے خاندان کا حق خلافت صرف متوکل کی نامزدگی ہی پر مبنی نہیں بلکہ اُس کی نامزدگی کو تمام اسلامی دنیا نے بھی جائز تسلیم کیا ہے۔

سلیم نے اس امر میں اہل العقد کی شرعی و قانونی منظوری حاصل کی۔ اور اس کی یہ دلیل پیش کی گئی کہ جماعت اہل العقد مدینہ شریف سے منتقل ہو کر دمشق اور دمشق سے بغداد اور پھر بغداد سے قاہرہ چلی گئی تھی۔ اس لئے اسے قاہرہ سے قسطنطنیہ جائز طور پہ منتقل کیا جا سکتا ہے۔

سلطان سلیم نے قاہرہ میں جامع ازہر کے علماء کی۔ اور مسجد ایوب میں ترکی علماء کی مجلس قائم کی جنہوں نے اسے خلیفہ منتخب کیا۔ یہی طریقہ انتخاب اسوقت بھی قسطنطنیہ میں مروج ہے کہ ہر سلطان اپنی جانشینی کے وقت اپنی منظوری حاصل کرتا ہے اور جامع ایوب میں شیخ الاسلام کے ہاتھوں سے علامات خلافت اُسے تفویض ہوتے ہیں

اس میں کچھ شک نہیں کہ ترکوں نے خلافت کو حاصل کر کے اگلی سی وہ شان و شوکت حاصل کر لی جو مامون الرشید و معتصم کے بعد اُن سے رخصت ہو گئی تھی۔ چونکہ اصل میں تاتاریوں کے حملے سے صدیوں پہلے ہی عربوں کا دور ختم ہو چکا تھا اس لئے المعتصم کے چند ہی روز بعد سے خلافت اگر برائے نام باقی رہ گئی تھی تو وہ

بھی سلجوقیوں اور دیلمیوں کی قوت سے۔

بغداد کی تباہی کے بعد جو نقط نام کی خلافت مصر میں قائم تھی مذہبی عنوان سے چاہے اسکا جسقدر ادب و احترام کیا گیا تھا۔ مگر اصل میں وہ سلاطین مصر کے ہاتھ کٹھ پتلی تھی۔ جس خلیفہ کو وہ چاہتے مسند خلافت سے دھکیل دیتے اور جس کے سر پر چاہتے جانشینی رسول مقبول صلعم کا عمامہ رکھ دیتے تھے۔

سنہ ۹۲۳ھ تا سنہ ۹۲۶ھ
مطابق سنہ ۱۵۱۷ء تا سنہ ۱۵۲۰ء

سلطان سلیم خان (تاریخ خلافت محرم سنہ ۹۲۳ھ عہد حکومت تقریباً ۴ سال) غرضیکہ شاہ روم خلیفۃ المسلمین سلطان سلیم (جو پچاس سال کی عمر میں سابق سلطان روم بایزید کے بعد تخت روم پر جلوہ افروز ہوا تھا) کے عہد حکومت کے پہلے ہی سال یعنی سنہ ۹۲۳ھ میں جب سلیم کی تاجپوشی و منصب خلافت کے متعلق تمام بادشاہوں نے تہنیت نامے بھیجے تو شاہ ایران شاہ اسمٰعیل صفوی کی طرف سے کوئی تہنیت نامہ نہ پہنچا۔ اسکی یہ وجہ تھی کہ شاہ سلیم نہایت متعصب سنی تھا۔ اور اہل تشیع سے اُس کو دلی عداوت تھی۔ تقریباً ۴۰ ہزار اہل تشیع اس کے پاس قید تھے۔ اس لئے شاہ ایران نے تہنیت نامہ روانہ نہیں کیا۔ اور اس اظہار ناراضگی پر اسوقت تو سلیم نے کچھ خیال نہ کیا۔ بلکہ کچھ دن بعد شاہ ایران کی خدمت میں بطور نذر چند تحفے ایلچی کے ہاتھ روانہ کئے۔ مگر اُس کے عوض شاہ ایران نے شاہ سلیم کے پاس ایک طلائی حقہ افیون سے بھرا ہوا اپنے ایلچی کی معرفت روانہ کیا۔ شاہ سلیم یہ دیکھکر نہایت غضبناک ہوا اُسی وقت ایران کے ایلچی کو قتل کرکے ایک لاکھ چالیس ہزار لشکر کے ساتھ شاہ ایران اسمٰعیل صفوی کی سرکوبی کے لئے ایران کی طرف بڑھا۔ لیکن اسمٰعیل صفوی تاب مقابلہ نہ لا کر تبریز کو بھاگ گیا۔ مگر بھاگتے وقت اُس نے

کئی منزل تک جنگلوں میں آگ لگا دی تاکہ غنیم کے گھوڑوں اور اونٹوں کو چارہ نہ مل سکے۔ چنانچہ ترکی لشکر بہت تکلیفیں اٹھاتا ہوا تبریز پہنچا۔ اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن شاہ ایران وہاں بھی مقابل نہ ہوا۔ آخر سلیم نے ایک روز اسمٰعیل صفوی کے پاس ایک زنانہ لباس روانہ کر کے کہلا بھیجا کہ اگر تاب مقابلہ نہیں ہے تو اس زنانہ لباس کو پہن لو۔ اگرچہ شاہ ایران میں جبار سلیم کے ساتھ مقابلہ کرنے کی طاقت نہ تھی۔ لیکن سلیم کی عبرت دلانے سے اُس نے مجبور ہو کر مقابلہ کیا۔ اگرچہ ایرانیوں نے بڑی جانبازی سے میدان کارزار گرم کیا۔ لیکن ترکی تلواروں کے آگے اُنکی کچھ پیش نہ چلی۔ بلکہ سلیم کے جانبازوں میں سے ایک نے شاہ صفوی کو ایک ہی وار سے گھوڑے سے گرا دیا۔ لیکن ایرانیوں نے بھی اسوقت کمال دلاوری دکھلائی جسوقت شاہ ایران۔ ترکی سپاہ کے نرغہ میں تھا ایک ایرانی سوار اس نرغے میں گھس آیا۔ اور اُس نے بڑی پھرتی سے شاہ اسمٰعیل کو اپنا گھوڑا دیدیا۔ اگرچہ وہ ایرانی سوار خود مارا گیا۔ لیکن اُس نے شاہ ایران کو بچا دیا۔ چنانچہ شاہ اسمٰعیل صفوی تو اس طور میدان جنگ سے اپنی جان بچا کر شہر تبریز میں گھس گیا۔ مگر سلطان سلیم کے لشکر نے ایرانیوں کو پوری شکست دی۔ اور شاہ ایران کے خیموں کو لوٹا۔ اسی لوٹ میں بیگم ایران یعنی شاہ صفوی کی ملکہ سلیم کے ہاتھ آئی۔ جو کہ ایک ترک جانباز مسمی جعفر حلبی کو بخش دی گئی۔ شاہ ایران کو جب اس بات کی خبر پہنچی تو وہ اسی صدمہ سے جان بحق ہو گیا۔

اس فتح یابی کے بعد سلطان سلیم شہر اماسیا سے ہوتا ہوا کوماخ میں پہنچا اور علاو الدولہ سردار ترکمان پر بسر کردگی سینان پاشا حملہ کر کے اُس کو قتل کروا دیا۔

سنہ ۹۲۴ھ مطابق سنہ ۱۵۱۸ء میں ینگ چری[1] فوج کے سپاہیوں نے قسطنطنیہ میں یہانتک بغاوت کردی۔ کہ صدر اعظم کا گھر لوٹ لیا۔ یہ خبر سنتے ہی سلطان سلیم نے اسلام بول میں پہنچکر مجرموں کو قتل کیا۔ اور اس بغاوت کو فرو کرکے ماردین سنجارہ موصل و دیگر شہروں کو فتح کرتا ہوا۔ مصر میں پہنچا۔ اسوقت مصر کے تخت پر قالضو متمکن تھا اُس کی طرف سے مغل بیگ سفیر سلطان سلیم کے پاس پہنچا اور اُس نے عزیز مصر کی طرف سے اشتعال انگیز گفتگو کی جس پر سلیم نے اسکو بے عزت کیا جب بادشاہ مصر کو یہ حال معلوم ہوا تو اُس نے سلطان سلیم کے ساتھ اعلان جنگ کردیا قالضو کی عمر اگرچہ اسوقت اسّی سال کی تھی۔ لیکن وہ بڑا دلیر شخص تھا۔ اس معرکہ کارزار میں مصری فوج کا سپہ سالار بنکر مقابل ہوا۔ لیکن ترکی تلوار سے اپنی جان نہ بچا سکا عزیز مصر کے قتل ہوتے ہی مصری لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے اور سلطان سلیم کی فتح ہوئی مصر کے بعد۔ حلب۔ حمص۔ دمشق۔ اور شام کا تمام علاقہ بہادر سلیم نے فتح کرلیا۔ اور تمام امرائے عرب سے ملاقات کی۔

پھر کوہ لبنان میں زیارت مقامات متبرکہ سے مشرف ہوکر جامع اموّیہ کو دیکھا۔ اور مسجد اموّیہ کے لئے پچاس ہزار قرش عطا گئے۔

سنہ ۹۲۵ھ مطابق سنہ ۱۵۱۹ء میں سابق والئی مصر قالضو کی شکست و قتل کے وقت میں مصر کا تخت حکومت شاہ طومان نے سنبھال لیا تھا۔ چونکہ اُس نے سلطان سلیم کی اطاعت منظور نہ کی۔ اسلئے سلیم نے اس پر فوج کشی کی مصریوں نے بھی بڑی مردانگی سے مقابلہ کیا۔ اسی جنگ میں سپہ سالار روم سینا پاشا مارا گیا۔ اسپر سلطان سلیم کو طیش آگیا۔ ترکی تلواریں بجلی کی طرح دشمنوں کے سر پر چمکنے لگیں۔

---

[1] ینگ چری ترکی لفظ ہے ینگ بمعنی نو اور چری بمعنی سپاہ۔ چنانچہ اس فوج میں ۱۵ سالہ سے ۲۵ سالہ تک کے جوان بھرتی ہوئے تھے۔ اسلئے ینگ چری نام سے یہ فوج مشہور ہوئی ۱۲

جب ہزاروں مصری خاک و خون میں تڑپنے لگے۔ تو مصری فوج ہوش و حواس کھو کر بدحواسی کے عالم میں بھاگی۔ والیٔ مصر طوماس نے جب یہ حالت دیکھی تو وہ عرب کی طرف بھاگ کھڑا ہوا سلطان سلیم کو دوسری دفعہ مصر فتح کئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ طوماس نے عرب میں جاکر ایک زبردست لشکر آراستہ کیا۔ اور اس لشکر کے ساتھ پھر مصر پر قابض ہو گیا۔

یہ سنکر سلطان سلیم نے مصطفیٰ پاشا کو طومان کے پاس یہ کہلا کر بھیجا کہ وہ سیدھی طرح اطاعت گذار ہو جائے۔ لیکن طوماس نے رومی سفیر مصطفےٰ پاشا کو قتل کر دیا۔ اس لئے سلطان سلیم کو پھر تلوار اٹھانا پڑی۔ اور مصریوں کو بہت بری طرح رگیدا۔ طوماس پھر بھاگنے کو تھا۔ لیکن ایک مصری سردار نے اُسے گرفتار کر کے سلیم کے پیش کر دیا۔ اور سلطان سلیم کے حکم سے اسی وقت قتل کر دیا گیا۔

اب سنہ ۹۲۲ھ مطابق سنہ ۱۵۱۶ء کا زمانہ تھا۔ سلطان سلیم نے اس دفعہ مصر کو فتح کر کے مصر کی حکومت پر امیر الامرا خیر بک کو نائب السلطنت مقرر کر کے ہر طرف سے طوائف الملوکی دور کی۔ ایک ایسی زبردست سلطنت قائم کر دی۔ جس کے آگے دریائے دجلہ تک۔ دریائے فرات سے نیل تک۔ اور بحر اسود سے ہند تک تمام ممالک اور کل قومیں سر جھکائے ہوئی تھیں۔

ہندوستان میں خاندان سادات لودھی کی اسلامی حکومت کے فرمانروا ابراہیم لودھی کا عہد حکومت ۱۵۱۶ء

ہم تاریخ اسلام کے حصہ چہارم کے آخری صفحات پر لکھ چکے ہیں۔ کہ ۱۴۸۸ء سے ۱۵۱۶ء تک سکندر لودھی تخت ہند پر متمکن رہا۔ اس زمانے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کا رابطہ اتحاد مضبوط ہو گیا تھا۔

کبیر اور اس کا صلح کل مذہب

کیونکہ اس وقت کبیر پنتھ کو عام لوگ صلح کل مذہب خیال کرتے تھے کبیر ایک پارسا بزرگ تھے جو قوم کے جلاہے تھے سنہ [illegible] میں پیدا

ہوئے اور بڑے ہو کر راما نند کے چیلوں میں شامل ہو گئے۔ اس بزرگ نے صلح کل ہمیشہ کی تلقین کرتے ہوئے ہندو و مسلم کا اتحاد کیا۔ آخر ۸۸۷ھ میں فوت ہو گئے۔ انکے بعد بھی انکا صلح کل مذہب رائج رہا یہی وجہ تھی کہ لودھی کے عہد حکومت میں ہندو مسلم قوموں کا چولی دامن کا ساتھ تھا۔ آخر سکندر لودھی نے ۹۲۳ھ مطابق ۱۵۱۷ء میں وفات پائی اور اس مرحوم کا بیٹا۔ ابراہیم لودھی تخت ہند کا جانشین ہوا۔ یہ خاندان لودھی کا آخری بادشاہ تھا۔ اور نہایت تند مزاج تھا۔

تخت حکومت پر بیٹھتے ہی اُسے اپنے بھائی جلال خان کے ساتھ معرکہ آرا ہونا پڑا اس معرکہ کارزار میں جلال خان شکست کھا کر مارا گیا۔ جس کے قتل ہوتے ہی ملک میں پھر بدانتظامی پھیل گئی اور ساتھ ہی بہار اور پنجاب میں بھی فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھی اسی فساد کے متعلق صوبہ دار پنجاب دولت خان (جو بادشاہ ابراہیم لودھی کا رشتہ دار بھی تھا) نے کابل کے بادشاہ بابر (جو تیمور کی نسل سے تھا) کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی تحریک کی۔

یہ واقعات سلطان سلیم کے آخری عہد حکومت کے ہیں۔ انہی دنوں میں یعنی ۹ شوال ۹۲۶ھ مطابق ۱۵۲۰ء میں بہادر سلیم نے اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو لبیک کہا۔

۹۲۶ھ تا ۹۷۴ھ

مطابق ۱۵۲۰ء تا ۱۵۶۶ء

سلطان سلیمان خان ثانی **تاریخ خلافت شوال ۹۲۶ھ** **عہد حکومت تقریباً ۴۸ سال**	سلطان سلیم کے بعد اس کا بیٹا سلطان سلیمان جانشین ہوا۔ اس کا عہد سلطنت بڑا شاندار اور با اقبال تھا۔ اور خود بھی بڑا بہادر تھا۔ ۱۳ دفعہ خود میدان جنگ

میں لڑا اور فتحیاب ہوا۔ اسی کے عہد سلطنت میں فرانسیسیوں نے باب عالی خلافت کے درمیان تعلقات دوستی قائم کئے۔

ان دنوں فرانس کا بادشاہ فرانسیس اول تھا جسکی چارلس شاہ اسٹریا سے رقابت تھی اور چارلس ان دنوں قرابتوں اور مختلف اسباب سے اسپین۔ ہالینڈ جرمنی اور جنوبی اٹلی پر متصرف ہوگیا تھا۔ جس کے باعث فرانس کی مملکت بالکل محصور ہوگئی تھی۔ شاہ فرانس کو اپنی یہ نازک حالت دیکھکر سوائے اس کے کسی بات میں مضر نظر نہ آیا کہ وہ خلافت اسلامیہ کو اپنے حال پر مہربان کرے شاہ فرانس کی چنانچہ اس نے سلیمان عالیشان کے دربار میں سفارت بھیجی جسکو سفارت باب عالی میں سلطان کی باریابی حاصل ہوئی۔

چنانچہ سلطان سلیمان نے ماہ ربیع الثانی ۹۳۲ھ میں شاہ فرانس کو جو مکتوب ارسال کیا گیا ہے وہ تاریخوں میں موجود ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مکتوب کی پوری نقل یہاں کردی جائے تاکہ ناظرین کو معلوم ہوسکے کہ ان دنوں خلافت عثمانیہ کی شان کیسی ارفع و اعلیٰ تھی۔ لہذا وہ مکتوب یہ ہے۔

نیابت حضرت الٰہی جلت قدرتہ وعلت کلمتہ و معجزات کثیر البرکات سردار گروہ انبیاء مقتدائے طائفہ اصفیاء محمد مصطفےٰ صلعم و بقوت مقدس ارواح صاحبان اربعہ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور جملہ اولیاء اللہ میں سلطانوں کا سلطان خاقانوں کی برہان بادشاہوں کو تاج پہنانے والا اور زمین پر سایہ الٰہی سلطان بحر ابیض و بحر اسود و اناطولیا و رومیلیہ و قرامان روم و ولایۃ ذی القدریہ و دیار بکر و کردستان و آذربائیجان و عجم و شام و حلب و مصر و مکہ و مدینہ شریف و بیت المقدس و جملہ بلاد عرب و یمن و دیگر ممالک کثیرہ جن کو میرے محترم آبائے ذی عظمت جداد نا را اللہ برہانہم نے اپنی قوت قاہرہ سے فتح کیا تھا اور بہت سے اور شہر جن کو میری عظمت کے بازو نے نصرت شمشیر سے فتح کیا۔ میں ہوں سلطان سلیمان خان بن سلطان سلیم خان بن سلطان بایزید خان بجانب فرانسیس

فرنسیس شاہ ولد بت فرنسا جو خط تم نے بھیجا ہے مع تمہارے خادم فرانقیپال بشرط
کے ملیانے سلاطین کے آستان پر پہنچا۔ وہ واقعات بھی معلوم ہوئے جو تم نے زبانی
کہلا بھیجے ہیں۔ اور ہمیں اس کی بھی خبر ہوئی کہ تمہارا دشمن تمہارے شہروں پر غالب آگیا
اور تم گھیرے ہوئے ہو اور اس جانب سے اس بارے میں مدد و توجہ کے خواستگار
ہو خصوصاً اپنی رہائی کے بارے میں جو کچھ تم نے کہا ہے وہ سب ہمارے شاہانہ
دربار کے تخت کے سامنے آستان پر پیش کر دیا گیا۔
میرا علم شریف تفصیل کے طور پر اس سے آگاہ ہو گیا اور پوچھا حسن منکشف ہوا یا دشاہوں
کا قید ہونا اور تنگی میں پڑنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے لہٰذا تم خاطر جمع رکھو اور پریشاں
نہ ہو اس لئے کہ میرے بزرگ آبا اور سراپا جلال وا جلال اجداد (خدا اُنکے مرقدوں کو
نورانی کرے) کبھی جنگ و پیکار سے خالی نہ رہے شہروں کو فتح کرتے اور دشمنوں کو
بھگاتے رہتے اور ہمارا بھی یہی شعار ہے اس لئے کہ ہم انکے نقش قدم پر چلتے ہیں
اور ہمیشہ دشوار گذار شہروں کو اور مضبوط قلعوں کو فتح کرتے رہتے ہیں۔ ہمارے
گھوڑے شب و روز کسے کھڑے رہتے ہیں۔ ہماری تلواریں ہمیشہ میان کے باہر
رہا کرتی ہیں اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ اپنے ارادے اور اپنی مشیت سے کامیابی کو آسان
کر دیتا ہے باقی حالات و واقعات کو تم اپنے خادم کی زبان سے معلوم کر دگے۔
بس تمہیں اتنا ہی معلوم رہے۔"
اس مکتوب گرامی میں سلطان سلیمان نے اگرچہ کسی بات کا وعدہ کیا ہے۔
اور نہ کوئی کارروائی اپنے ذمہ لی ہے۔ مگر ان دونوں فرماں روائے اسلام کے دو کلمے
تسلی بھی یورپ کے مغلوب کرنے کے لئے کافی سمجھے جاتے تھے چنانچہ دوسرے
ہی سال شعبان خان نے ہنگاریہ پر حملہ کر دیا۔ موہکر کے میدان میں شاہ ہنگاریہ کو
ایسی فاش شکست دی کہ سارا ہنگاریہ مطیع فرمان ہو گیا۔

پھر بوداپسٹ میں داخل ہو کر سلطان سلیمان نے جان زاپولی کو تاج بخشی کر کے ہنگری کا بادشاہ بنادیا۔ اور دارالخلافت قسطنطنیہ میں واپس آگیا۔ اس کے بعد ترکوں اور سلطنت فرانس میں ایک خاص معاہدہ ہو گیا جسکی رو سے عام عیسائیوں کو امن وامان اور حفاظت کے ساتھ زیارت بیت المقدس کی آزادی دی گئی اور عیسائیوں کی ہر طرح سے بے انتہا خاطر داشت کی گئی۔

۹۳۱ھ مطابق ۱۵۲۴ء میں سلطان سلیمان خان عجم میں آیا۔ بغداد فتح کیا۔ اور مقبرہ امام اعظم ابو حنیفہ کو از سر نو تعمیر کیا۔

۹۴۰ھ مطابق ۱۵۳۳ء میں خیرالدین پاشا وزیر سلطان سلیمان خان نے شہر ٹونس افریقہ فتح کیا۔ مگر شاہ ٹونس نے بادشاہ اسپین سے مدد لیکر اپنا ملک پھر واپس لے لیا۔

۹۴۲ھ مطابق ۱۵۳۵ء میں اپنے بحری کمانڈر انچیف اور وزیر اعظم خیرالدین پاشا کی وساطت سے ۲۵ جزائر نیا دقہ سے فتح کئے۔

۹۵۳ھ مطابق ۱۵۴۶ء میں سلطان نے اپنے سفیر علاؤالدین کو شاہ ہند و چین کے درباروں میں بھیجا تاکہ وہ اپنے تمام شہروں کے خطیبوں کو حکم دیں کہ ہر ایک امام مسجد خطبہ میں خلیفۃ المسلمین سلطان سلیمان کے نام کو شامل کرے۔

چنانچہ سلطان کا سفیر جہاں گیا وہاں کے مسلمانوں نے بادشاہ اسلام سلطان ٹرکی کے سفیر کی حیثیت سے اس کی بڑی عزت و خاطر کی۔ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں نے اس جوش و خروش سے اسکا استقبال کیا کہ سفیر سلطان بہت خوش ہوا۔ تمام بادشاہوں نے اس کے سامنے ایڈریس پیش کئے جس میں بادشاہ اسلام کے ساتھ وفاداری و اطاعت کا اظہار کیا گیا تھا۔

۹۵۴ھ مطابق ۱۵۴۷ء میں ایران پر حملہ کیا گیا۔ ابھی شہر حلب پر ہی قبضہ ہوا تھا کہ شاہ ایران نے صلح کی درخواست کی۔ اور جو منظور کی گئی۔

۹۶۰ھ میں ۱۵۵۳ء میں سلطان کے بیٹے مصطفٰے ابن سلیمان نے اپنے باپ سے بغاوت کی اس جرم میں اُسکو قتل کردیا گیا۔

۹۶۳ھ مطابق ۱۵۵۶ء مسجد سلیمانیہ تعمیر کی گئی اور اسی سال سلطان کا دوسرا بیٹا بایزید بھی باغی ہوگیا اور میدان جنگ میں شکست کھاکر ایران کو بھاگا اور وہیں سلطان کے حکم سے قتل کردیا گیا۔

۹۷۰ھ مطابق ۱۵۶۲ء میں براعظم افریقہ پر فوج کشی کی گئی۔ اور بہت فتوحات حاصل ہوئیں۔ اس کے بعد طغیارہ پر حملہ کیا گیا۔ اور یہ دولت عثمانیہ کے خاص شباب کا زمانہ تھا۔ خیرالدین پاشا کے وزیراعظم و سپہ سالار بحری کے مطیع بن جانے سے سلطنت خلافت کی بحری قوت یک بیک اس قدر ترقی کر گئی تھی کہ ساری دنیا میں سب سے اول درجے کی بحری قوت دولت عثمانیہ کی تھی اور بحیرۂ روم میں ترکوں کی ایسی سطوت قائم ہوگئی تھی کہ دور سے ہلالی پرچم دیکھتے ہی دشمنوں کے حواس جاتے رہتے اور کسی کو بجز ہتھیار رکھ دینے اور ہاتھ پاؤں ڈال دینے کے کسی کام میں مصلحت نظر آتا تھا۔

اسی سلسلہ میں تونس۔ طرابلس اور الجزیرہ سوئیزا اسے آل عثمان کے زیرنگین ہوگئے بعدازاں پورا جزیرہ نما سے عرب بھی قلمرو خلافت میں شامل ہوگیا۔

ہندوستان میں اسلامی حکومت پرتگیزوں کی شکست حکومت خاندان لودی کا خاتمہ اور خاندان مغلیہ کا آغاز ظہیرالدین بابر ۱۵۲۶ء تا ۱۵۳۰ء

پچھلے صفحات میں ہم بیان کرچکے ہیں کہ ۱۵۱۷ء میں ابراہیم لودی کے تخت ہند پر متمکن ہوتے ہی ہندوستان میں فتنہ و فساد کی آگ پھر بھڑک اٹھی تھی۔ اور دولت خان صوبہ دار لاہور نے بابر کو ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی تحریک کی تھی۔

قبل اس کے کہ ہم خاندان لودھی کی حکومت کے خاتمہ اور خاندان مغلیہ کا ذکر

کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں کی دیگر اسلامی سلطنتوں کا مختصر حال بھی تحریر کر دیں۔ گذشتہ خاندان تغلق کے عہد سلطنت کی بدنظمی کے باعث ہندوستان میں بہت سی خود مختار حکومتیں قائم ہو گئی تھیں اور پرتگیزوں نے بھی ہندوستان میں اپنے پاؤں جما لئے تھے۔ جو اگرچہ احاطہ بنگال تک محدود تھیں۔ تاہم گجرات میں بھی اُن کے کئی چھوٹے چھوٹے صوبے تھے۔

وسطی حصہ میں ہندو راجاؤں کی حکومت تھی۔ لیکن پندرہویں صدی کے آغاز میں احمد شاہ نے احمد آباد کی بنیاد ڈالی۔ پانچ میل مدوّر فصیل اور ایک شاندار مسجد اُس نے تعمیر کرائی۔ احمد شاہ کے بعد بہادر شاہ والئے گجرات ہوا اور ۱۵۳۳ء میں جب ہمایوں نے گجرات کے حکمران بہادر شاہ پر حملہ کیا تو اُس نے فوراً ایک سفیر سلطان سلیمان کی خدمت میں روانہ کیا اور خلیفہ سے مدد کی درخواست کی چنانچہ ۸۰ جہازوں کا ایک جنگی بیڑا ۱۵۳۸ء میں بھیجا گیا۔ جس نے ایک کامیاب جنگ کے بعد نہ فقط بہادر شاہ کی مدد کی بلکہ جا بجا پرتگیزوں کو بھی ہندوستان کی بندرگاہوں سے مار کے نکال دیا۔

بابر امیر تیمور کی اولاد میں سے تھا۔ اور شاہ فرغانہ[1] عمر شیخ مرزا کا بلند اقبال بیٹا تھا۔ ابھی بارہ ہی برس کا ہوا تھا کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اس چھوٹی سی عمر میں بابر کو نہایت مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن اس نے بھی بڑے استقلال کے ساتھ مقابلہ کیا۔ ۱۴۹۷ء میں چودہ برس کی عمر میں اس نے سمرقند پر قبضہ کر لیا۔ مگر قوم ازبک نے اُسے پھر وہاں سے نکال دیا۔ اس بہادر نونہال نے پھر ہمت کی۔ اور ۱۵۰۴ء میں کابل کے افغانوں کو شکست دی اور اپنے جنگجو بہادر ترکی جوانوں کی مدد سے بدخشاں اور قندھار پر قابض ہو گیا۔ اسی اثنا میں دولت خاں

[1] فرغانہ ترکستان کی حدود میں ہے۔ جسے اسلامی عربی مورخین نے خوقند کے نام سے تعبیر کیا ہے ۱۲

صوبہ دار لودھی کے پیغام سے اسے ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی جرات ہوئی چنانچہ کابل سے فتح کا ڈنکا بجاتا ہوا۔ پشاور پہنچا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں لاہور پر بھی اسکا تسلط ہو گیا۔ اسوقت ابراہیم لودھی آگرے میں تھا۔ بابر کی فتوحات کا حال سنکر اُسے سخت حیرت ہوئی۔ اور وہ آگرے سے دہلی میں آگیا۔

شاہی فوج نے پانی پت کے میدان کارزار میں پڑاؤ ڈالا۔ راجہ گوالیار بھی ابراہیم کی مدد کے لئے ساتھ تھا۔

بابر نے اپنے بہادر ترکوں کے ساتھ مشرق کی طرف چند میل کے فاصلے پر مقام کیا۔

اگرچہ بابر کی فوج پچیس ہزار کے لگ بھگ تھی اور اُس کے مقابل ۸۰ ہزار فوج تھی۔ لیکن بہادر بابر کے استقلال میں ذرا بھی فرق نہ آیا۔

غرضیکہ ۱۵۲۶ء میں لڑائی شروع ہوئی اور ایسی خونریز لڑائی ہوئی جسکی سرخی آجتک صفحات تاریخ پر روشن ہے۔

ابراہیم بھی بڑی بہادری سے لڑا۔ اُسکی فوج کے پاؤں کئی بار اکھڑ گئے۔ لیکن اُس نے ہر دفعہ کوشش کر کے اور خود میدان کارزار میں کود کر اپنی فوج کے پاؤں جمائے اور اسی بہادری۔ اور جانفروشی میں آخر جاں بحق ہوا اس لڑائی میں ۱۵ ہزار افغان مارے گئے۔ اور فاتح اکبر فتح کا علم لہراتے ہوئے دہلی میں داخل ہوا۔

فتح دہلی کے بعد اُس کے بیٹے ہمایوں نے جونپور اور بنگال صوبہ بہار کا ایک حصہ فتح کر لیا۔

ابھی بابر کی بہادر فوج کو اچھی طرح ستانے کا موقعہ نہ ملا تھا کہ راجہ میواڑ رانا سانگا نے تمام راجپوت راجاؤں کو اپنے ساتھ ملا کر بابر سے اعلان جنگ کر دیا۔

چنانچہ ۱۵۲۷ء میں فتح پور سیکری (آگرہ) کے قریب کنوا ہہ کے میدان میں معرکہ

کارزار گرم ہوا۔

راجپوت بڑے جوش و خروش سے لڑے۔ لیکن ترکی تلواروں نے بھی اُنکے منہ پھیر دیئے۔ بابر کے بہادر ترک جس طرف حملہ کرتے تھے راجپوتوں کو درہم برہم کر دیتے تھے۔ جب ہزاروں راجپوت خاک و خون میں تڑپنے لگے تو یہ حالت دیکھکر رانا سانگا۔ میدان جنگ سے جان بچا کر بھاگ نکلا۔ اور یہ میدان بھی بابر کے ہاتھ آیا۔

۱۵۲۸ء میں رانگا سانگا کو شکست فاش دینے کے بعد بابر نے رانا سانگا کے ایک سردار میدنی رائے پر چڑھائی کی جو چندیری کے مشہور سنگین قلعے میں مقیم تھا۔ یہاں بھی راجپوت دل کڑا کر کے لڑے۔ لیکن بہادر ترکوں نے سب کو موت کے گھاٹ اتار کر میدنی رائے کو بھی قتل کر دیا۔ جس کے مرتے ہی باقی راجپوت سر پر پاؤں رکھکر بھاگے اور بابر نے اس قلعہ کو بھی فتح کر لیا۔

ادھر لودھی کے شہزادہ محمود نے بہار پر قبضہ کر رکھا تھا۔ بابر نے اُس کو بھی اپنا مطیع بنا لیا۔ غرضیکہ صرف چار سال کے اندر بابر نے افغانستان پنجاب و بہار بنگال پر قبضہ کر لیا۔

۱۵۳۰ء میں ہمایوں سخت بیمار ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ بابر نے اُس کے پلنگ کے اردگرد پھرتے ہوئے درگاہ ایزدی میں یہ دعا کی کہ اُس کی بیماری مجھے لگ جائے۔ میں مر جاؤں اور میرا بچہ اچھا ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ ہمایوں اچھا ہو گیا اور بابر بستر مرگ پر جا لیٹا۔ یعنی ۲۶ دسمبر ۱۵۳۰ء کو اس دار فانی سے رحلت کر گیا۔

ہمایوں اکبر کا بیٹا ہمایوں فیاض اور بہادر تھا۔ لیکن ساتھ ہی اُس کے ۱۵۳۰ تا ۱۵۵۶ء انتظام سلطنت سے ناواقف تھا۔ اس لئے اُس نے اپنے

معتمد شیر خان پر اعتماد کیا۔ شیر خان پہلے سکندر لودھی کا نمک خوار رہا۔ اور بعد بابر کا جانثار بن گیا تھا۔

ہمایوں کے عہد سلطنت میں ملک میں بدامنی پھیل رہی تھی۔ اسی اثنا میں معتمد شیر خان بھی ہمایوں سے باغی ہو کر تمام بنگال پر قابض ہو گیا۔

جب ہمایوں کو اپنے بے وفا معتمد شیر خان کا یہ حال معلوم ہوا تو وہ بنگال کی طرف بڑھا۔ اتنے میں شیر خاں وہاں سے سب مال واسباب لیکر چلدیا۔

انہی دنوں میں برسات شروع ہو گئی جس کی وجہ سے شاہی فوج کو بخار نے اس قدر پریشان کیا۔ کہ ہر روز بہت سے آدمی مرتے گئے۔ اس وجہ سے ہمایوں کو وہاں سے لوٹنا پڑا۔ اور لوٹتے وقت ہمایوں دریائے گنگ میں ڈوبنے لگا تھا۔ مگر ایک سقے کی مدد سے جس کا نام نظام تھا بچ گیا۔ اسی احسان کے بدلے ہمایوں نے نظام کو دوپہر کی سلطنت کرنے کا اختیار دیا تھا۔ جس نے چمڑے کا سکہ چلایا۔ جس میں سونے کی کیلیں جڑی ہوئی تھیں۔ اور اُس نے اپنے خویش واقارب کو خوب مالامال کر دیا۔

ہمایوں جب آگرہ میں پہنچا۔ تو اُسے معلوم ہوا کہ شیر خاں نے پھر سب بنگال وبہار پر قبضہ کر لیا ہے۔ چنانچہ ایک سال کے بعد ہمایوں پھر ایک فوج لیکر شیر خاں کی سرکوبی کیلئے بڑھا۔ اس وقت شیر خاں نے شیر شاہ کے نام سے اپنے آپ کو موسوم کیا تھا۔

آخر قنوج کے قریب جنگ ہوئی۔ لیکن ہمایوں نے شکست کھائی۔

ہمایوں وہاں سے بمشکل آگرے میں پہنچا۔ اور وہاں سے اس خیال سے لاہور آیا۔ کہ شائد اس کا بھائی کامران کچھ امداد کرے۔ مگر کامران اپنے بھائی ہمایوں کو اکیلا چھوڑ کر کابل کو چل دیا۔

اب ہمایوں کو سخت مصائب کا سامنا تھا۔ وہ سندھ کے ریگستانوں سے ہوتا ہوا۔ راجہ جودھپور سے امداد کا طالب ہوا۔ لیکن یہاں بھی وہ ناکام ہوا۔ پھر امرکوٹ کا رُخ کیا۔ اور اسی جگہ ۱۴ اکتوبر ۱۵۴۲ء کو ملکہ حمیدہ بانو کے بطن سے اس کے ہاں اکبر اعظم پیدا ہوا۔

امرکوٹ کے راجہ نے ہمایوں کو کچھ فوج دی۔ تاکہ وہ سندھ کو پھر فتح کر سکے۔ لیکن ہمایوں کا ستارہ گردش میں تھا۔ اس لئے وہ سیدھا قندھار کی طرف چل دیا۔ قندھار میں اس کا بھائی عسکری تھا۔ اور اُس سے ہمایوں کو بہت کچھ امداد ملتی۔ لیکن جب وہ بھی ہمایوں کے درپے آزار ہوا۔ تو ہمایوں اپنے چھوٹے بچے اکبر کو پیچھے چھوڑ کر فارس کی طرف بھاگا۔ اور اکبر اپنے ظالم چچا عسکری کے ہاتھ آ گیا۔ اس کے آگے کا حال ہم پھر لکھیں گے۔ سردست شیر خاں کا حال لکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے جس نے حکومت خاندانِ سوری کی بنیاد ڈالی۔

شیر خان سوری ۱۵۴۰ء تا ۱۵۴۵ء شیر شاہ اگرچہ غاصب بادشاہ تھا۔ لیکن وہ بڑا سمجھدار اور لائق تھا۔ اُس نے ملکی بدامنی دور کرنے میں بہت کوشش کی ملک کا باقاعدہ انتظام کیا۔ رفاہ عام کے لئے بہت اچھے کام کئے۔ سڑکیں بنوائیں۔ کنوئیں کھدوائے۔ سرائیں تعمیر کرائیں۔ درخت لگوائے مسجدیں بنوائیں۔ پُل باندھے۔ غرضیکہ رعایا کے آرام کے لئے بہت کچھ کیا اِس کے علاوہ قوانین دیوانی و فوجداری مروج کئے۔ عدالتیں قائم کیں۔ اُس نے اپنے آخری عہد حکومت میں بنگال کے فتنہ فساد کو ہمیشہ کے لئے فرو کرنا چاہا۔ اور مارواڑ میں راجپوتوں سے سخت مقابلہ کیا آخر ۱۵۴۵ء میں بندھیل کھنڈ میں کالنجر کا محاصرہ کرتے ہوئے ایک سرنگ پھٹ جانے سے سلیم سے جان بحق ہوا۔

سلیم شاہ
۱۵۴۵ء تا ۱۵۵۴ء

شیر شاہ کے بعد اسکا بیٹا سلیم شاہ جانشین ہوا۔ اگرچہ اپنے باپ کی کچھ نیک خصلتیں اس میں پائی جاتی تھیں۔ لیکن وہ شیر شاہ جیسا قابل نہ تھا۔ تاہم اس نے نو سال سلطنت کی اور آخر ۱۵۵۳ء میں مرگیا۔

محمد عادل شاہ
۱۵۵۳ء تا ۱۵۵۶ء

سلیم شاہ کے بعد اس کا خورد سال بیٹا محمد عادل شاہ تخت نشین ہوا۔ مگر چند دنوں کے بعد ہی اپنے ماموں عادل شاہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور محمد عادل نے تخت پر قبضہ کرلیا۔

یہ بادشاہ۔ بڑا بے رحم تھا۔ اور پرلے درجے کا فضول خرچ۔ شرابی اور عیاش تھا۔ اس ناعاقبت اندیشی کے باعث نہ فقط خزانہ شاہی ختم ہوگیا بلکہ ملک میں بدامنی کا طوفان امڈ آیا۔

چنانچہ عادل کے ایک رشتہ دار ابراہیم نے بھی بغاوت برپا کی اور وہ دہلی اور آگرہ پر قابض ہوگیا۔ پنجاب سکندر نے دبالیا۔ اور وہاں سے اس نے ابراہیم پر حملہ کیا۔ اگرچہ سکندر نے ابراہیم پر فتح پائی۔ لیکن یہ فتح باقی قائم نہ رہی کیونکہ ہمایوں اب افغانستان میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہو چکا تھا۔ اور موقع پاکر اپنی کھوئی ہوئی سلطنت حاصل کرنے کے لئے ہندوستان کی طرف آرہا تھا۔

چنانچہ ابراہیم سوری سکندر سے شکست کھانے کے بعد کالپی کی طرف بھاگا۔ جہاں اسے ہیمو کی سپاہ سے مقابل ہونا پڑا ہیمو نے بھی اسے شکست دی۔

ادھر بنگال میں محمد شاہ نے سر اٹھایا تھا۔ اس لئے ہیمو کو بنگال کی طرف لوٹنا پڑا۔ اور محمد شاہ کو شکست دیکر اس کا تعاقب کرکے بندیل کھنڈ

میں اُسے مار ڈالا اُس کے بعد ہیمو آگرہ کی طرف بڑھا اور آگرہ و دہلی دونوں شہروں پر قابض ہو گیا ہم ابھی لکھ چکے ہیں کہ ہمایوں ہندوستان پر حملہ آور ہونے کے لئے آرہا تھا چنانچہ وہ کابل سے دہلی کو روانہ ہوا۔ سرہند کے مقام ۱۵۵۵ء میں سب سے پہلے سکندر سوری سے اسکا مقابلہ ہوا۔ مگر ہمایوں کو اس معرکہ میں فتح ہوئی اور سکندر شوالک کی پہاڑیوں کی طرف بھاگ گیا۔

ہمایوں اس فتح کے بعد صرف چھ مہینے کے قریب زندہ رہا۔ اور جان بحق ہوا۔

اکبر اعظم (عہد سلطنت ۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء) اکبر ابھی چودھویں برس میں تھا کہ باپ کے مرنے پر اُسے تخت ہند پر متمکن ہونے کے لئے ایک معرکہ کارزار میں شامل ہونا پڑا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ ہمایوں کے آخری وقت میں اکبر اپنے باپ کے پاس نہ تھا۔ بلکہ اپنے اتالیق بیرم خاں کے پاس مقام کلانور ضلع گورداسپور پنجاب میں مقیم تھا۔ اس موقعہ سے عادل شاہ کے وزیر ہندو سپہ سالار ہیمو نے فائدہ اٹھا کر دہلی اور آگرے کو فتح کر کے پنجاب کی طرف رُخ کیا۔ اس لئے اکبر کو سخت مشکل پیش آئی۔ ادھر تو باپ کی موت کا تازہ غم اور ادھر سلطنت ہاتھ سے نکل جانے کا صدمہ کئی مشیروں اور سرداروں نے صلاح دی کہ کابل میں جا کر فوج فراہم کر کے پھر دشمن سے مقابلہ کیا جائے۔ لیکن بیرم خان نے اکبر کو یہیں سے ہیمو کے ساتھ جنگ کرنے کی صلاح دی۔ جو اکبر کو بھی پسند آئی۔

ہیمو اب دہلی پر قابض تھا اور اکبر کے جرنل تردی بیگ کو وہاں سے نکال چکا تھا۔ آخر دونوں فوجوں کا پانی پت کے میدان میں ۱۵۵۶ء کو پھر

مقابلہ ہوا۔ بیرم خان نے بڑی شجاعت سے ہیمو کا مقابلہ کیا اور نہ فقط اس کو شکست فاش دی۔ بلکہ گرفتار کر لیا۔ جو قتل کر دیا گیا۔

اب اگرچہ اکبر کو دہلی کا تخت مل گیا تھا۔ لیکن سکندر سوری ابھی پنجاب میں باقی تھا۔ ہیمو کے بعد اکبر نے سکندر کا پیچھا لیا۔ اور اُسے شوالک کی پہاڑیوں کے قلعہ مانکوٹ میں گھیر لیا۔ آخر چھ ماہ کے محاصرے کے بعد سکندر نے اطاعت منظور کی اور بنگال کی طرف چلا گیا۔

اکبر کا عہد سلطنت ہم پھر لکھینگے کیونکہ ہمیں اپنی اسلامی تاریخ کی ترتیب کے مطابق پہلے سلطان سلیمان خاں ثانی کے بعد اُس کے جانشین کے حالات لکھنے ہیں۔

یہاں صرف اتنا ہی عرض کر دینا کافی ہے کہ گیارہویں صدی ہجری یا پندرھویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کی حکومت کی ترقی کا زمانہ تھا اور ہر ایک شہر میں اسلامی شان و شوکت نمایاں تھی۔ ہمارے مکرم مولانا محمد عبداللہ چغتائی لیکچرار اسلامیہ کالج نے صرف شہر لاہور کی مساجد کے کتنے تحقیق فرمائے ہیں جو اس زمانہ یعنی عہد مغلیہ میں تعمیر ہوئی تھیں۔ لہٰذا چغتائی صاحب کا تاریخی اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

ہر خیال و ہر تحریر ماحول اور خارجی اثرات کے تابع ہوتی ہے ذیل کی تحریر اس ماحول کا نتیجہ ہے جس میں رہتا ہوں میں اپنے ارد گرد جو کچھ دیکھتا ہوں وہ زبان حال سے "فاعتبروا یا اولی الابصار" کا درس دے رہا ہے مشرق میں مسجد چینیانوالی (محلہ چابکسواراں) جنوب میں حویلی نواب میاں خاں ولد نواب سعد اللہ خاں مغرب میں ٹکسالی بازار رنگ محل و ملک ایاز کا مزار جو سلطان غزنوی کی یادگار ہے۔ شمال میں طلائی مسجد غرضیکہ یہ حدود ہر وقت صاحب بصیرت سے مقتضی

رہتے ہیں۔ کہ انکی یاد کو جس طرح بھی ہوسکے زندہ رکھا جائے یہ آثار اب حوادث زمانہ کی وجہ سے مٹ رہے ہیں۔ آئندہ نسلیں ان کے متعلق لوگوں سے قصے اور کہانیاں سنا کریں گی۔ یہ عبرت آموز یادگاریں جو سبق ہم کو سکھاتی ہیں اور جو واقعات وہ زبان حال سے کہہ رہی ہیں۔ ان کا مرقع پیش کرنا اس وقت مجھے مقصود ہے عہد مغلیہ کی بعض مساجد کے کتبات کی کیفیت ملاحظہ ہو۔

(۱) **مسجد چینیانوالی** (محلہ چابکسواراں) یہ مسجد ہمارے محلہ میں ہے اس پر کاشی کاری نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے۔ جو اس عہد کے فن تعمیر کا لاہور میں ایک امتیازی نشان ہے جو کسی اور شہر کو ہند میں نصیب نہیں ہے یہ مسجد حویلی نواب میاں خاں کے ساتھ دیوار بہ دیوار جانب جنوب بالکل ملحق ہے گویا کہ اس وقت کی رونق اور مسجد کی کمی محسوس کر کے تعمیر کی گئی تھی۔ حسب ذیل کتبات اس کے تین محرابوں پر ہیں:۔ محراب شمال کی پیشانی پر سے

ایں معبد جان کہ صورتش روحانیست

در معنی ظل کعبہ ربانیست

ان دونوں مصرعوں کے درمیان ہیں:۔ انما یعمر مساجد اللہ من امن باللہ الصمد المساجد ۱۰۶۹ھ ان کے اوپر محراب کے تینوں طرف اشعار ذیل ہیں:۔

وصف مسجد قلم چہ پردازد — فکر بر اوج آسماں تازد

تا بری انتخاب جلوۂ طور — چشم بد از تجلے او دور

چوں خیالش بدل دوچار شود — سینہ سپر شق نو بہار شود

از بیاض جبیں او خنداں — صبح امید آرزومنداں

میکند از اشارہ ابرو — طاق او کار تیغ بہر عدو

کنارشش صاحب کاآبود — پیر فخرشش بر اوج ماہ بود

درمیان کی بڑی محراب کے گرد ذیل کی تحریر ہے:۔

حمد و سپاس مبدع پاک و صلوٰۃ و سلام صاحب لولاک مستور نماند کہ بنائے زندگانی بر آب ست و خانہ عمر خراب رفیق شفیق حسن عمل است و قاطع طریق طول امل جندا حال ہوشیارانی کہ دریں ویرانہ بے اساس تعمیر خانہ دین پرداختہ اند و بخیر جاری انہار بواطن جو درا از بحار انوار الٰہی لبریز ساختہ و خوشا وقت بیدارانی کہ چشم از خواب غفلت سر مالیدہ براجابت داعی اللہ شتافتہ اند و بہرۂ وافر از خوان احسان کریم مطلق یافتہ فیض صلوٰۃ جماعت کہ بہفتاد درجہ از فرد افضل است و نقد وقت ایں ابرار است و فضل تکبیرۂ اولیٰ کہ از دنیا و مافیہا اولیٰ است بقیہ روزگار اخیار فنعم العباد للعابد المطیع ولنعم الفیض عام اتمام بنائے ھذا المسجد المنیع وھو عمیم الفیض واللہ المفیض واللہ المفیض۔ کتبہ میر مرتضیٰ"

یہ کتبہ ابتدا اور آخر سے ضائع ہونا شروع ہو گیا۔ اور درمیان میں مدھم پڑتا جاتا ہے۔ بظاہر صرف اور چند برسوں کا مہمان ہے اس کے نیچے افضل الذکر اور حقًا لکھا ہوا ہے۔ اور دو عدد طاقچے بھی بڑی محراب اور جنوبی و شمالی محراب کے درمیان ہیں۔ جن میں کچھ احادیث خط نسخ میں ہیں۔ مسجد کے اندر بھی نقش و نگار ہیں۔ لیکن کوئی کتبہ نہیں ہے۔

جنوبی محراب کی پیشانی پر:۔

ہر خشت اندر فرش او ست مہر گردوں ‍ چوں ماہ جباہ ساجداں نورانی است

ان دونوں مصرعوں کے درمیان:۔ ان المساجد للہ فلا تدعو مع اللہ

اس کے اوپر محراب کے گرد اشعار ذیل ہیں۔

بس کہ استاد نقش کاشی بست ‍ گل او نقش نو بہار شکست

کردہ مہرشس درون ماہ وطن | از پئے سجدہ شد چنین ہمہ تن
کرسی کردہ بہر خود مسکن | کہ بلند است چوں زہین سخن
شاہدانہ نشستہ بر کرسی | عرش زادیست گر نسب پرسی
سال ایں بیت جامع مجمع | بو سپاتی العلم حق مودع
مجمع سالکان راہ اللہ | جامع سر لا الہ اللہ

یہ مسجد اس قدر وسیع تھی کہ اس کا بہت سا حصہ گر چکا ہے اب ایک صحن اور اندرونی حصہ باقی رہ گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے دروازے پر شعر ذیل بھی درج تھا۔

طرفہ معمار خرد تاریخ سال | گفت زیبا مسجد از فراز خاں

اس مسجد کی تعمیر ۱۰۹۵ھ میں شروع ہوئی اور ۱۱۰۰ھ میں ختم ہوئی اس کا بانی فراز خان عہد عالمگیر میں پنجہزاری منصب پر سرفراز تھا۔

مسجد محمد صالح کمبو چینیانوالی (موچی دروازہ) یہ مسجد شاہجہان کے عہد میں ان کے مشہور و معروف مورخ و اہلکار محمد صالح کمبو نے تعمیر کرائی اور اس مسجد کے قریب ہی اُن کا مکان رہائشی تھا۔ اس کے باہر کے کتبے بالکل خراب ہو گئے ہیں اگر ان کی کوئی حفاظت نہ کی گئی تو وہ محو ہو جائیں گے اشتہارات لگانیوالوں نے ان کو اپنا بورڈ یا دیوار برائے اشتہارات بنا رکھا ہے افسوس کہ مسجد کے متولیان وغیرہ بھی اس سے بیخبر ہیں اس کے دروازے پر یہ کتبات ذیل ہیں:-

بانی این مسجد زیبا بنا | بندہ آل محمد صالح است
سال یکہزار و ہفتاد ہجری

یہ مسجد بھی متذکرہ بالا چینیانوالی کی طرح کاشی کاری سے مزین ہے گو بہت چھوٹی

ہے جس کے تینوں محرابوں کے کتبات حسب ذیل ہیں۔

شمالی محراب پر:-

وزی کرد صبح را گرو و نفس انگشت غیرت در دہاں

از صفا و نور باشی دیدہ عالم نوئی پیش و پس صفہائے طاعت از مژگاں عیاں

شکل محرابت کماں بازوئے ایماں بود وز دعائے مستجاب آمادہ تیرایں کماں

من نگویم کعبہ لیک ایں قدر دانم کہ ہست جبہ افتادہ عاشق ایں آستاں

اے ستونت شمع کافوری بزم اولیا منبر والات در رفیع عملہا زدہاں

درمیان کی محراب کے گرد یہ تحریر ہے:-

للہ الحمد والمنہ کہ ایں مقام محمود و ایں کعبہ مقصود کہ صحن صفا مسکنش چوں طبق آفتاب لبالب از نور ہست و بام تا شام از پیشانی نورانی ہر محرابش کہ مانند جبین روشن ضمیراں نور آبادیساں جوہر آئینہ مصفا ہست انوار سفیدہ صبح صادق بروز ظہور وحسن سعی فدوی آل محمد صالح در سال ہزار و ہفتاد و نہ ہجری صورت اتمام یافت امید کہ بمقتضائے درستی نیت عالی. رفع پایہ حسنات باعلی درجات و وسیلہ قبول عبادت و حصول مرضیات حضرت واہب العطیات گردیدہ ناصیہ ہر نیکبختی کہ بسجود ایں نمودار بیت المعمور نورانی شود ما نند جبہہ کشادہ روئے مہر ہرگز جبیں ملال و روئے ترکی کردن نہ بیند و دست نیاز ہر حاجتمند کہ دریں مکان فیض نشان بلند گردد۔ آرزوہائے ولش پیش از حرکت لب و زباں بدرجہ حصول انجامد"

اسی کے نیچے درمیان میں کلمہ توحید اور اس کے اخیر میں ۱۰۷۹ھ اور کلمہ کے دونو کونوں پر اللہ وافی واللہ شافی ہے اور اس کے نیچے درمیان محراب میں ہے ؎

محمد عربی کابروئے ہر دو سرا است کسیکہ خاک درش نیست خاک بر سر او

اس کے جنوبی محراب پر اشعار ذیل ہیں۔

آسمان فیض را صبح سعادت پرتوی — آفتاب روئے نورانی طاعت پیشگاں
وادایمن حرمت لاہور را فیض حرم — سرنوشت ساکنانش منت خیر حفظ الاں
مسجد آرائیست بیر بیدا امش جبرئیل — خلوت روحانیاں راشمع بابیدے دخاں
رائگاں فیض سماوی راکجا داری قبول — طاعت مقبول بالامے فرستی پیش از آں
بر نمازت صورت اتمام فائض نا شدہ — بہر ندا جزائش رایک بیک فلاک ارمغان
تا ہمیشہ قبلہ اسلام سمت کعبہ است — قبلہ گاہ مومناں باد اجنابت جاوداں

مسجد کے اندر کی محرابوں پر اللہ تعالی کے ننانوے اسمائے لکھے ہیں۔

(۳) **مسجد وزیر خاں**:- یہ مسجد نہایت مشہور و معروف وسط شہر میں بانی مسجد نواب وزیر خاں کے نام سے آجتک مشہور ہے۔ اس پر بھی کاشی کاری اپنی خاص امتیازی شان سے اسی آب و تاب سے موجود ہے جس کا جواب عراق و عجم میں بھی ملنا مشکل ہے اس کے ساتھ بہت بڑا چوک چوک وزیر خاں کے نام سے مشرق رویہ ہے۔ اور اس کا اصل دروازہ مشرق کی طرف ہے جس پر کتبات ذیل ہیں۔ اور وہ اس قدر بڑے نہایت موزون طریق سے کاشی میں لکھے ہیں کہ دور سے بھی پڑھے جا سکتے ہیں:-

دروازہ کے جنوب کی طرف:-

در عہد ابوالمظفر صاحب قران ثانی — شاہجہان بادشاہ غازی اتمام یافت
بانی بیت اللہ ثانی فدوی باخلاص — مرید خاص الخاص قدیم الخدمت وزیر خاں

ان سطور کے نیچے ایک چھوٹا سا بخارچہ ہے اور اس کے نیچے یہ کتبہ ذیل ہے

ایں خانہ کہ ہست چوں فلک مظہر فیض — دارد چوں حریم کعبہ سر در سر فیض
ہر چہرہ اہل قبلہ ایں در بمراد — تا حشر کشادہ باد ہمچوں در فیض

دروازے کے شمال کی طرف ان متذکرہ بالا کتبات کے جواب ہیں:-

سال تاریخ بنائے مسجد عالی مقام — از خرد جستم بگفتا گاہ اہل فضل

تاریخ این بنائے چو پرسیدم از خرد — گفتا بگو کہ بانی مسجد نو زرجاں سنہ ۱۱۲۸ھ

اسی کے نیچے ایک بخارچہ ہے اور اس کے نیچے کتبہ ذیل ہے سنہ ۱۱۲۸ھ

دہقان وسود بحشر لے نیک سرشت — در مزرعہ آنجہاں ہر آں چیز کہ کشت

در باب عمل بنائے خیرے بگذار — کا خر ہمہ راہ است از یں در بہشت

دروازہ کے درمیانی محراب میں پیشانی پر بڑی جلی قلم نستعلیق میں افضل الذکر الخ اور اس کے نیچے سنہ ۱۱۴۵ھ ہے۔

اس دروازہ کی سیڑھیاں چڑھ کر جب اندر آتے ہیں تو ایک صحن ملتا ہے جو دونو شمال جنوب رویہ راستوں کو ملاتا ہے گویا کہ مسجد کے دو اور دروازے بھی ہیں لیکن اصل دروازہ مشرقی ہی ہے۔ اس صحن اور راستوں میں کچھ حجرے اور دکانیں بھی ہیں۔ جو غالباً بطور مسافر خانہ کے تعمیر کی گئی تھیں۔ جن میں اب بھی ویسے ہی لوگ رہتے ہیں اور اوپر کی چھت پر ایک طرف امام مسجد قاری شمس الدین بخاری[له] رہتے ہیں جو خصوصیت سے اس مسجد کی زینت بلکہ ان سے قرآن کریم کی تلاوت سن کر اس مسجد کی کچھ پرانی شان بھی دلوں میں عود کر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں یہاں مطمئن اور قائم رکھے۔ پھر اس کے بعد ہم اصل مسجد میں جوتے اتار کر داخل ہوتے ہیں۔ یہ شاہی مسجد لاہور سے رقبہ میں چوتھائی معلوم ہوتی ہے انسان داخل ہوتے ہی تصور کرتا ہے کہ میں ایک اور دنیا میں آگیا جدھر نظر اٹھائے کاشی کاری مختلف رنگوں میں نظر آتی ہے اور کوئی جگہ نہیں چھوڑی۔ مسجد کے صحن میں ایک بڑا حوض برائے وضو اور اس کے آگے چل کر مسجد کے تین محراب ہیں جن پر کتبات ذیل ہیں:-

شمال کی طرف کی محراب کی پیشانی کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے

"اذ جعلنا البیت الخ واذ یرفع الخ" "قد نری تقلب"

له افسوس ہے کہ قاری صاحب سنہ [illegible] میں پشاور چلے گئے ہیں ۱۲

اس کے آخر میں کاتب نے نہایت خوبصورتی سے تین سطور میں لکھا ہے "اللّٰھم اغفر لنا ذطرہ و کاتبہ امین" پھر اس کے نیچے دو طاقچے ہیں۔ ایک میں تو کلمہ توحید واسد۔ محمدؐ۔ ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ۔ حسنینؓ خط طغریٰ میں لکھا ہے اور دوسرے نیچے والے میں حدیث المومن فی المسجد الخ ہے وغیرہ۔

درمیان کی محراب میں سورہ انا فتحنا الخ ہے۔ پھر اس کے نیچے آیۃ الکرسی ہے اور ساتھ ہی کنب محمد شریف لکھا ہے۔ پھر اسی طرح علاوہ اس کے بھی اندر کے رخ تینوں طرف قرآن شریف سے کچھ من جاء بالحسنہ الخ ہے۔

جنوبی محراب کی پیشانی پر اسی طرح تین حصے ہیں:۔

"ان اول بیتنا الخ۔ انما یعمر مساجد الخ۔ المسجد اسس علے التقوی الخ

ان کے اخیر میں کاتب نے اپنا نام اس طرح لکھا ہے جو نیچے سے پڑھنے سے اوپر تک آتا ہے:۔

کتبہ حاجی یوسف کشمیری غفر اللہ لہ ۱۰۴۳ھ

اسی طرح اسکے نیچے بھی درمیانی دیوار میں دو طاقچے ہیں۔ اوپر والے میں مثل مذکرہ بالا کی طرح کلمہ توحید وغیرہ ہے اور اس کے نیچے والے میں حدیث صلعم من ادرک الاذان الخ ہے وغیرہ

مسجد کے اندر نرالے نقش و نگار ہیں۔ جو انتہا درجے کے دلفریب ہیں اس کے علاوہ بے شمار آیات قرآن و احادیث اور درود شریف سے دیواروں کو زینت دی گئی ہے۔ غرضیکہ جہاں موزوں جگہ ملی ہے وہیں کچھ نہ کچھ موزونیت کے لحاظ سے نسخی ریختہ کاری میں لکھ دیا ہے۔ اور آدمی دیکھتا ہوا اور اللہ کی قدرت کا مشاہدہ کرتا ہوا واپس آجاتا ہے۔ اور واپسی پر نہایت اعلیٰ شان میں کاشی کا بہترین نمونہ جو ہو سکتا ہے۔ دروازے پر نظر آتا ہے ؎

محمد عربی کابروئے ہر دو سرا ست کسیکہ خاک درش نیست خاک بر سر او

اس مسجد کے چار بلند مینار ہیں۔ ان پر بھی کاشی کاری ہے غرضیکہ اس امتیازی شان میں سرتاپا سرشار ہے۔

(۴) **مسجد دائی انگا**۔ یہ عالی شان مسجد لاہور سٹیشن کے دیوار بار پلیٹ فارم[۱] کے مشرق کی طرف ہے۔ پہلے اس میں ریلوے کا دفتر تھا۔ کچھ اور بھی دفتر وغیرہ رہے مگر اب محکمہ آثار قدیمہ نے اپنے قبضہ میں لے لیا ہے اور خوب آباد ہے۔ حوض بھی ایک طرف ہے۔ اس پر بھی کاشی کاری ایک خاصی اہمیت رکھتی ہے اس کے تین محراب ہیں جن کے کتبات حسب ذیل ہیں:۔

جنوبی محراب کے گرد سورہ بقرہ کا اخیر رکوع ہے۔ درمیانی محراب کے گرد سورہ حشر یہ سب ابھی تک باوجود اس مسجد پر اس قدر انقلابات کے صاف پڑھے جاتے ہیں مگر مہمان چند روزہ ہیں۔ درمیانی محراب میں غالب کاری کے بجائے تین حصے کر کے الگ تحریریں درج کی ہیں۔ کلمہ توحید اس کے نیچے اللہ۔ محمد۔ ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ علی حسنین۔ یہ بعینہٖ اسی کتبہ کی نقل ہے جو مسجد وزیر خان کے طاقچہ میں اوپر خط طغرا میں بیان ہو چکا ہے۔

دائیں طرف:۔

"اللھم صل علی محمد صاحب العالمین ومحبوب المشرقین والمغربین الذی شرف لہ الفرد الصمد قال من لدن العرش الی تحت الارضین کلھم یطلبون رضائی وانا اطلب رضاءك یا محمد"

بائیں طرف:۔

"اللھم صل علی محمد نبی الحرمین ورسول الثقلین المتجلی بنعلتین، قال لہ الواحد الاحد یا نور نوری ویا سر سری ویا قرائن معرفتی فدیت منی علیك یا محمد"

جنوبی محراب کے نیچے کے حصے میں دونوں کونوں پر یہ مرقوم ہے۔

باھتمام خواجہ مقبول   کتبہ ابراہیم
باتمام رسید   سنہ ۱۰۴۵ھ

دائی انگا کا اصل نام زیب النسا تھا۔ یہ شاہجہان کی دودھ پلائی تھی اور وہ بہت عزت واکرام کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔ یہ اس قدر لاہور میں مشہور معلوم ہوتی ہیں کہ انکے نام سے ایک محلہ تھا جو مسجد کے قریب جہاں اب ریلوے یارڈ ہے اور بہت عمدہ عمدہ مکانات ہیں۔ ان کا مقبرہ بھی لاہور میں گلابی باغ کے اندر نہایت شاندار مکعب شکل کا کاشی کاری کی جان ہے۔ اس کے اندر غلام گردش میں سورہ انا فتحنا کا اول حصہ لکھا ہوا ہے۔ اور کاتب کا نام محمد صالح سنہ ۱۰۸۲ھ لکھا ہے۔

(۵) **مسجد مریم زمانی** (بیگمشاہی)، یہ مسجد مستی دروازہ کے اندر مریم زمانی جہانگیر کی والدہ کی تعمیر کردہ ہے غالباً اسی وجہ سے بیگمشاہی کے نام مشہور ہے یہ مسجد ریختہ کاری کا اعلیٰ نمونہ ہے اور اس پر چینی وغیرہ کا کام کہیں کہیں ہے اس کے شمالی دروازہ پر کتبہ ذیل ہے جو آجکل بالکل غیر آباد ہے۔

منت ایزد را کہ آخر گشت کار از ابتدائے   ہم بتوفیق خدا حکم صاحب شدے
حضرت مریم زمانی بانی ھذا المکان   کز عنایات الٰہی ساختہ جائے ہدے
از پئے تاریخ تمم این بنائے چوں بہشت   فکر میکردم کہ آخر یافتم خوش مسجدے
سنہ ۱۰۲۰ھ

مسجد کے مشرقی دروازہ پر جو آجکل اصل دروازہ شمار کیا جاتا ہے یہ تحریر ہے۔

شاہ عالمگیر نور الدین محمد بادشاہ   بادیا رب درجہاں روشن چونور مہرماہ

ان محرابوں پر کچھ تحریر ہے جو مدھم پڑ گئی ہے۔ بعض نے اس مسجد کو مسجد جہانگیر بھی لکھا ہے جو غلط ہے۔

(۶) **مسجد شاہی عالمگیر اعظم**۔ اس مسجد کے متعلق اتنا کہنا کافی ہے کہ جہاں قرطبہ وغیرہ کی مساجد کو وسیع ہونے کی وجہ سے دنیا میں خاص امتیاز کا درجہ حاصل ہے۔ وہاں یہ مسجد بھی کچھ کم حیثیت نہیں رکھتی۔ یہ مسجد عالمگیر نے خصوصیت سے اس سامان سے تعمیر کرائی جو دارا شکوہ نے اپنے پیرومرشد حضرت میاں میرؒ کے مزار کی خاطر جمع کیا تھا۔ عالمگیر نے مسجد بھی تعمیر کرائی اور مقبرہ بھی ایک خاص شان سے تعمیر کرا دیا۔ اس کے دروازے کی پیشانی پر جو بہت بلند چبوترے پر واقع ہے سنگ مرمر کی سل پر سنگ موسیٰ میں کتبہ ذیل کندہ ہے:۔

"مسجد ابوظفر محی الدین محمد عالمگیر بادشاہ غازی ۱۰۸۴ھ
باہتمام کمترین خانہ زادان فدائی خان کوکہ اتمام یافت"

یہ مسجد تمام سرخ سنگ خارا کی تعمیر ہے اور چار بلند مینار ہیں درمیان کی محراب پر چھوٹی سی سنگ مرمر کی سل میں افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ کندہ ہے۔

(۷) **مسجد ٹکسالی دروازہ**: یہ مسجد عبداللہ خاں نائب فدائی خاں کوکہ مہتمم مسجد شاہی کی تعمیر کردہ ہے۔ مگر بہت چھوٹی سی ہے۔ یہاں قریب ہی ٹکسال ہوتی تھی۔ اس پر بھی کاشی کا کام ہے۔ اب صرف درمیانی محراب کے گرد آیۃ الکرسی کے آگے تک آیت قرآنی کا سراغ ملتا ہے۔ باقی کچھ پتہ نہیں چلتا۔

(۸) **مسجد خواجہ ایاز**۔ یہ مسجد خشت و ریختہ میں بنی ہوئی باغبانپورہ میں مشرق و شمال کی طرف ہے۔ مادھولال حسینؒ کے مزار کے قریب ہے۔ خواجہ ایاز کے متعلق کہا جاتا ہے کہ نواب علی مردان خاں کے ماتحت شالامار کی تعمیر میں کام کرتا تھا۔ اس نے اپنی یاد میں یہ مسجد بنوائی۔ اس میں ایک حوض بھی ہے۔ اور درمیانی محراب کے اوپر اب صرف ایک سنگ مرمر کی سل نظر آتی ہے۔ جس پر ایک کتبہ خط طغریٰ میں ہے:۔

صلوا فی مسجد اسس بدیانہ علی التقوی ۱۰۹۳ھ

سنہ تعمیر غالبًا یہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس پر "بندہ درگاہ خواجہ ایاز" بھی تحریر تھا۔ اب یہ خوب آباد ہے، باغبانپورہ کے لوگ اسے خوجہ ایاز کی مسجد بولتے ہیں۔

اس اقتباس سے صرف ایک شہر لاہور میں سے جس قدر نشان اسلامی نظر آتی ہے وہ اس امر کا بین ثبوت ہے جو ہم اوپر عرض کر چکے ہیں۔

۹۷۴ھ تا ۹۸۲ھ
مطابق ۱۵۶۶ء تا ۱۵۷۴ء

سلطان سلیم خان ثانی
۹۷۴ھ تا ۹۸۲ھ
عہد خلافت تقریبًا نو سال

رفیع الشان سلطان سلیمان خان مرحوم کے بعد اس کا بیٹا سلطان سلیم خان جانشین ہوا۔ اس نے اپنے عہد سلطنت کے پہلے ہی سال امام صنعا پر حملہ کیا اور اس کو شکست دی اس کے بعد دوستانا می یہودی ندیم کے کہنے مطابق جزیرہ قبرس پر چڑھائی کی اور اس جزیرہ کو بھی فتح کیا۔ اس فتح یابی نے شاہ ہسپانیہ اور پوپ کو سلطان سلیم سے مشتعل کر دیا۔ اور اس نے اپنے جرار لشکر کے ساتھ سلطان کا مقابلہ کیا۔ اس جنگ میں سلطان سلیم خان نے بہت نقصان اٹھایا۔ ہسپانیہ نے سلطان کے ۲۲۴ جنگی جہاز تباہ کر کے شکست فاش دی۔ گو سلطان سلیم خان شراب خور اور عیاش تھا اس زمانہ میں جلال الدین اکبر نے ہندوستان میں

اکبر کی فتوحات ہند اپنی فتوحات کا ڈنکا بجانا شروع کر دیا تھا۔ اکبر اگرچہ

نو عمر تھا۔ لیکن نہایت ذہین اور عالی دماغ تھا۔ اُس نے ملکی حالت کو راست کرنے کیلئے جب غور کیا تو اُس کے ذہن میں فوراً یہ بات آگئی کہ خاندان مغلیہ کی بنیاد پختہ کرنے کیلئے ہر مذہب و ملت کے لوگوں کو اپنا جانثار بنانا چاہیئے۔ لیکن اکبر ابھی تک اپنے استاذ بیرم خان کے ماتحت تھا۔ اس لئے اکبر کو اپنے خیالات پر عمل کرنے کا موقعہ نہ ملا۔

بیرم خان ظالم و جابر شخص تھا۔ اور کئی طرح کی بدعنوانیوں سے اُس نے رعایا کو بیزار کر دیا۔ جب اکبر کو رعایا کی مصیبت کا حال معلوم ہوا تو اُس نے بیرم خان کو تخت حکومت سے معزول کر کے خود عنان سلطنت سنبھالی۔ اس پر بیرم خان نے بغاوت کر دی۔ لیکن اکبر کے جانثاروں نے اُسے گرفتار کر لیا۔ اور جب وہ اکبر کے پیش کیا گیا تو اکبر نے استاذانہ ادب کی خاطر سے جان بخش کے بیرم کو مکہ شریف روانہ کر دیا۔ چونکہ بیرم اپنے بہت سے دشمن بنا چکا تھا۔ اسلئے ابھی وہ گجرات تک بھی نہ پہنچنے پایا تھا کہ کسی پرانے دشمن نے اسکو ہلاک کر دیا۔

یہ ۱۵۶۱ء کا واقعہ ہے۔ انہی دنوں میں یعنی پانی پت کی دوسری لڑائی کے پانچ ہی برس بعد اکبر نے دہلی آگرہ۔ پنجاب۔ اجمیر۔ گوالیار۔ لکھنؤ۔ جونپور۔ پر اپنا تسلّط جما لیا۔

اسی اثناء میں بنگال میں شیر شاہ ثانی نے سر اٹھایا۔ اور اکبر نے اپنے وفادار جرنیل خاں زماں کو اس کی سرکوبی کیلئے بھیجا جس نے بنگال میں پہنچتے ہی شیر شاہ ثانی کو شکست فاش دی۔

۱۵۶۲ء میں اکبر نے راجہ بہاری مل والئی امبیر (جے پور) کی لڑکی سے شادی کی۔ اور اُس کے لڑکے بھگوان داس کو سلطنت کے معزز عہدے پر مامور کیا۔

۱۵۶۷ء میں اکبر نے چتوڑ پر حملہ کیا۔ وہاں رانا سانگا کا بیٹا اودے سنگھ حکومت کر رہا تھا۔ راجپوتوں میں میواڑ کی ریاست سب سے طاقتور تھی لیکن جب بابر حملہ آور ہوا تو راجہ اودے سنگھ تاب مقابلہ نہ لا کر اروَلی کی پہاڑیوں کیطرف بھاگ گیا۔ مگر اس کا بہادر جرنیل جے مل چتوڑ گڑھ میں محصور ہو گیا۔

اکبر نے قلعہ چتوڑ پر بڑی بہادری سے حملے کئے۔ لیکن راجپوتوں نے بھی جوانمردی سے انکے حملوں کو روکا۔ کئی روز تک یہ معرکہ کارزار گرم رہا آخر ایک رات جبکہ جے مل قلعہ کی فصیل پر اپنی دشمن کی فوج کا جائزہ لے رہا تھا۔ بہادر اکبر نے اُس کو تیر کا نشانہ بنایا۔ جس کے لگتے ہی جے مل کی روح پرواز کر گئی۔

جے مل کے مرتے ہی راجپوتوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ اور اکبر نے قلعہ چتوڑ کو فتح کر لیا۔

اودے سنگھ چتوڑ کو ہاتھ سے کھو کر چند روز بعد اودے پور میں آ گیا تھا اور وہیں سپرد خاک ہو گیا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا بہادر بیٹا رانا پرتاپ جانشین ہوا۔ جسے چتوڑ اور راجپوتوں کی شکست کا اسقدر افسوس ہوا کہ اس نے قسم کھائی کہ جب تک چتوڑ مسلمانوں سے واپس نہ لونگا گھاس پھوس کے بستر پر سوؤں گا اور پتوں پر کھانا کھاؤنگا۔

سُنا ہے کہ آجتک اس خاندان کے راجے رانا پرتاپ کی قسم کا لحاظ کرتے ہیں اگرچہ ریشمی اور مخملی بستروں پر استراحت کرتے ہیں۔ لیکن بستر کے نیچے کچھ گھاس پھوس بھی بچھا لیتے ہیں۔ نیز اگرچہ سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا تناول کرتے ہیں۔ مگر انپر پتے ضرور رکھ لیتے ہیں۔

لیکن افسوس ہے کہ رانا پرتاپ جیسے بہادر کی یہ قسم نہ جیتے جی پوری ہوئی اور نہ اُسکے خاندان کو اس قسم کے

پوری کرنے کی توقع ہے۔رانا پرتاپ یوں تو بہادر تھا لیکن اُسے کھلے میدان میں شاہی فوج سے لڑنے کی کبھی جرأت نہ ہوئی ہمیشہ غنیم کی بے خبری میں چھاپے مارتا رہا ہے۔

۱۵۷۶ء میں اکبر نے راجہ مان سنگھ کو اودے پور کی مہم پر روانہ کیا جس نے سنبھل میر اور کومل کے قلعوں پر ۱۵۷۶ء میں قبضہ کر لیا۔

رانا پرتاپ کو مان سنگھ کے مقابلہ کی بھی جرأت نہ ہوئی چنانچہ وہ اپنی بیوی بچوں سمیت پہاڑوں میں جا چھپا اور بہت سے مصائب برداشت کرنے کے بعد اُس نے جب دیکھا کہ شاہی فوجیں واپس ہو گئی ہیں اور اب کچھ عرصہ تک شہنشاہ اکبر اودے پور پر حملہ آور نہیں ہو سکتا تو رانا پرتاب پھر اودے پور میں داخل ہو کر اودے پور کے تخت پر بیٹھ گیا۔

۱۵۶۹ء اکبر نے رنتھمبور اور کالنجر فتح کئے۔

۱۵۶۹ء میں راجہ جے پور کی لڑکی اور اکبر کی بیوی کے بطن سے سلیم پیدا ہوا اور اسی سنہ میں اکبر نے فتح پور سیکری کی بنیاد ڈالی۔

۱۵۷۲ء میں اکبر نے احمد آباد گجرات کے خود مختار بادشاہ مظفر شاہ پر حملہ کیا مگر اُس نے اطاعت قبول کر لی۔

۱۵۷۲ء میں جب مظفر شاہ اکبر سے پھر باغی ہو گیا تو اُس کی سرکوبی کے لئے اکبر نے مرزا خان کو روانہ کیا جس نے ۱۵۷۳ء میں مظفر شاہ کو احمد آباد کے قریب شکست دے کر کاٹھیاواڑ کی طرف بھگا دیا۔ اِس کے بعد ملک گجرات بھی سلطنت مغلیہ میں شامل ہو گیا۔

اسی ۱۵۷۳ء میں شہنشاہ اکبر گجرات کو چھوڑ آگرے میں واپس آ گیا۔ کیونکہ ان دنوں بنگال میں بغاوت پھیل گئی تھی۔ اور داؤد خاں حاکم بنگال اکبر کا مخالف تھا۔ اکبر نے ہر چند چاہا کہ وہ اطاعت گذار ہو جائے۔ لیکن داؤد خاں اپنی مخالفت

سے باز نہ آیا۔ آخر ٹوڈرمل کی سرکردگی میں داؤد خاں کی سرکوبی کے لئے مہم روانہ ہوئی پہلے تو داؤد خاں نے اطاعت گذار بنکر صلح کر لی۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد وہ پھر سرکش ہوگیا۔ شاہی فوجوں نے پھر اس کو مغلوب کیا آخر گرفتار ہوکر قتل کر دیا گیا۔ داؤد خاں کے مرتے ہی افغانی خاندان کا خاتمہ ہوگیا۔ بلکہ بنگال اور بہار پر اکبر کا تسلط ہوگیا۔ اس کے بعد تین سال تک کوئی مہم نہیں ہوئی۔ اور اسی زمانہ میں سلطان سلیم خان ثانی نے ۲۰ ماہ شعبان ۹۸۲ھ مطابق ۱۵۷۴ء پچاس برس کی عمر میں وفات پائی۔

۹۸۲ھ تا ۱۰۰۳ھ

مطابق ۱۵۷۴ء تا ۱۵۹۶ء

مراد خان ثالث
۹۸۲ھ تا ۱۰۰۳ھ
عہد خلافت تقریباً اکیس سال

سلطان سلیم کے فوت ہونے پر اس کا بیٹا مراد خان ثالث جانشین ہوا۔ اس کے باپ کے عہد خلافت میں ہی سلطنت آل عثمان کی حالت خراب ہوگئی تھی۔ مراد خان اپنے باپ سے بھی بڑھکر عیاش طبع تھا۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنے پانچ بھائیوں کو بے گناہ اور بے قصور قتل کرا دیا۔ بعض امراء سلطنت کو معزول کیا۔ غرضیکہ اندھا دھند جو جی میں آتا وہی کرتا۔

۱۵۷۶ء میں مراد خان کو جب یہ خبر ملی کہ شاہ ایران کو کسی نے زہر سے ہلاک کردیا۔ اور اس کے بیٹے کو بھی فوج نے مار ڈالا۔ تو مراد خان نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کیلئے شہر تفلیس پر فوج روانہ کی۔ اور اس مہم میں گرجستان کا علاقہ فتح ہوا۔

۱۵۷۹ء میں شہنشاہ ہند جلال الدین اکبر پنجاب میں وارد ہوا کیونکہ شہزادہ

اکبر کی بقیہ فتوحات ہند حکیم مرزا حاکم کابل نے بغاوت اختیار کی تھی لیکن اکبر کے آتے ہی اُس نے اطاعت قبول کر لی۔

انہیں دنوں میں اکبر نے ملک دکن کی طرف توجہ کی اور دربار احمد نگر کے تمام امراء نے اکبر کا ساتھ دیا۔ اسی زمانہ میں حکیم مرزا کی جگہ راجہ بھگوان داس کے لڑکے راجہ مان سنگھ کو کابل کا گورنر مقرر کیا گیا۔

۱۵۸۶ء میں اکبر نے ملک کشمیر کو فتح کیا۔ اور بعد فتح بانی کشمیر جنت نظیر کی سیر سے مسرور ہوا۔

۱۵۹۲ء میں سندھ فتح ہوا اور اڑیسہ کی فتح سے سارا بنگال قبضے میں آگیا

۱۵۹۳ء مظفر شاہ فوت ہوگیا تو ملک گجرات میں کسی قسم کی بغاوت باقی نہ رہی

اس زمانہ میں ہندوستان میں اکبر کی سلطنت اسلامی ایک طرف افغانستان وکشمیر سے لیکر خلیج بنگال تک پھیل گئی اور دوسری طرف وسط ہند۔ گجرات اور سندھ تک۔ صرف دکن پر ابتک پورا تسلط نہ ہوا تھا۔ اس لئے

۱۵۹۵ء میں اکبر کو دکن کا خیال آیا۔ احمد نگر میں اسوقت بہت بدنظمی تھی کیونکہ ابراہیم نظام شاہ کی وفات کے بعد ایک نابالغ لڑکا تخت پر بیٹھا تھا۔ ارکین سلطنت اس سے ناخوش تھے۔ بلکہ وزیر نے خود اکبر سے مدد کی درخواست کی۔ چنانچہ اکبر نے شاہزادہ مراد کو احمد نگر کی طرف روانہ کر دیا۔

چاند بی بی والئی بیجاپور کی احمد نگر کا وزیر اسوقت بیجاپور میں تھا اور احمد نگر کی عنان حکومت چاند بی بی کے ہاتھ میں تھی۔

چاند بی بی بڑی مستقل مزاج اور بہادر عورت تھی۔ اُس نے اپنے بھتیجے بہادر نظام شاہ کے علاقے کی مردانہ وار حفاظت کی مغلوں نے ایک دفعہ زمین دوز سُرنگ لگا کر فصیل میں بڑا بھاری شگاف کر دیا تھا۔ لیکن یہ بہادر ملکہ تلوار کھینچ کر

اُس شگاف پر جا کھڑی ہوئی اور دشمنوں کے حملے کو بڑی دلیری سے روکا۔

چنانچہ مراد نے بھی بہت کوشش کی لیکن قلعہ فتح نہ کر سکا۔ البتہ برار کا صوبہ جو حال ہی میں فتح ہو چکا تھا۔ شاہ احمد نگر نے اکبر کو دینا منظور کر لیا اور اسی شرط پر صلح ہو گئی۔

یہ واقعات ۱۵۹۶ء تک کے ہیں۔ اور اسی سنہ میں یعنی ۹ جمادی الاول ۱۰۰۳ھ میں مراد خان ثالث نے وفات پائی۔

۱۰۰۳ھ تا ۱۰۱۲ھ

مطابق ۱۵۹۶ء تا ۱۶۰۳ء

محمد خان ثالث ۱۰۰۳ھ تا ۱۰۱۲ھ عہد خلافت تقریباً نو سال

مراد خان ثالث کے مرتے وقت اس کا بیٹا محمد خان ثالث قسطنطنیہ میں نہ تھا۔ بلکہ شہر مانیزر میں تھا۔ لیکن اُس کی والدہ صفیہ سلطان بڑی قابل اور دوراندیش عورت تھی۔ اُس نے اپنے خاوند کے مرنے کی اطلاع جب تک کسی ارکین سلطنت تک کو نہ دی جب تک اسکا بیٹا مراد خان ثالث ساتویں روز قسطنطنیہ میں پہنچ گیا محمد خان ثالث عادت و اطوار کے لحاظ سے اپنے باپ سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ اگرچہ اُسے شراب سے نفرت تھی۔ لیکن افیونی ضرور تھا۔ اور ساتھ ہی ظالم اظلم۔

تخت پر متمکن ہوتے ہی اپنے انیس ۱۹ چھوٹے بڑے بھائیوں کو قتل کر کے باپ کی قبر کے ساتھ دفن کر دئے۔

۱۵۹۶ء میں شاہ نمسا سے لڑائی چھڑ گئی۔ قریب تھا کہ اسلامی فوج شکست کھائیں لیکن مراد خان ثالث کے دل میں کچھ غیرت آئی فوراً خود میدان جنگ

میں آیا اور اپنی سپاہ کو بڑھاتا ہوا شہر ارلوبہ پر قابض ہو گیا۔

سوائے اس لڑائی کے عیش پرست بادشاہ نے نہ کسی سے جنگ کی اور نہ خود میدان جنگ میں اسے جانا ہی پڑا۔

فیضی و ابوالفضل و شہزادہ سلیم فیضی اور ابوالفضل شیخ مبارک عرب کے دو بیٹے ہیں۔ جو اپنے علم و عمل سے دنیا بھر میں مشہور ہیں علامہ فیضی علم ادب۔ حکمت۔ شاعری میں ماہر کامل ہونے کے علاوہ کئی زبانوں پر حاوی تھے۔ چنانچہ سنسکرت کی کئی ایک کتابوں کا ترجمہ آپ نے کیا جن میں بھگوت گیتا اور مہابھارت بھی شامل ہیں اور ابوالفضل۔ علم سیاست داں و دیگر علوم و فنون میں شہرہ آفاق تھا۔

۵۷۵ھ میں جبکہ اکبر چتوڑ کا محاصرہ کر رہا تھا۔ انہی دنوں میں اکبر نے فیضی کی شہرت سنی اور فوراً طلب کر کے اسے ملک الشعراء کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ بلکہ ارکین سلطنت میں شمار ہونے لگے۔ لیکن فیضی کی عمر نے وفا نہ کی۔ سات سال کے بعد رحلت کی فیضی کی سفارش سے ہی ابوالفضل بھی دربار اکبری میں داخل ہوا تھا۔ چونکہ نہایت ذہین اور عالی دماغ فاضل اجل تھا اکبر نے اسکی بڑی قدر و منزلت کی۔ حتےٰ کہ ابوالفضل وزیر اعظم ہو گیا۔

اکبر کو اگرچہ شہزادہ سلیم سے از حد محبت تھی لیکن اسکی حد سے زیادہ شراب خوری سے وہ سخت متنفر تھا۔ ایک دو دفعہ سلیم نے اپنے باپ سے بغاوت بھی کی لیکن پھر سنبھل گیا۔ ابوالفضل چونکہ دربار اکبری کا وزیر اعظم تھا اور تمام شاہی احکام ابوالفضل کے قلم سے جاری ہوتے تھے۔ اس فرض منصبی کے موجب شہزادہ سلیم کی بدعنوانیوں پر ابوالفضل نے جب تہدید و نصیحت آمیز احکام شہزادہ سلیم کے نام جاری کیے تو سلیم ابوالفضل کے خون کا پیاسا ہو گیا

چنانچہ جب ابوالفضل دکن سے واپس آرہا تھا تو شہزادہ سلیم نے راجہ نرسنگھ دیو والئی ریاست اوڑچھہ (بندیل کھنڈ) کے ہاتھ سے ابوالفضل کو قتل کرا دیا۔

اکبر کو اپنے لائق وزیر باتدبیر کی موت کا بہت رنج ہوا۔ لیکن سلیم پر کسی قسم کا شک نہ ہوا البتہ راجہ نرسنگھ سے اکبر نے بدلہ لیا۔

یہ وہ دن تھے جب کہ محمد خاں ثالث کی بدانتظامی سے عثمانی سلطنت پر فوج کی قوت اس قدر غالب آگئی تھی کہ اگر ینگ چری فوج سلطنت کا ساتھ نہ دیتی تو اسی وقت سلطنت عثمانی درہم برہم ہو جاتی۔

آخر ماہ رجب ۱۰۱۲ھ مطابق ۱۶۰۳ء میں محمد خاں ثالث ۳۷ برس کی عمر میں دنیا سے سدھارے۔

۱۰۱۲ھ تا ۱۰۲۶ھ

مطابق

۱۶۰۳ء تا ۱۶۱۷ء

احمد خان اوّل بن محمد خان
۱۶۰۳ء تا ۱۶۱۷ء
عہد خلافت ۱۴ سال ۵ ماہ

محمد خان ثالث کی وفات کے بعد اس کا بیٹا احمد خان اول تخت خلافت عثمانیہ پر متمکن ہوا۔ اگرچہ یہ بادشاہ بھی عیاش طبع تھا۔ لیکن جنگ جو بھی تھا۔

تیرہ برس کی عمر میں تخت نشین ہوتے ہی اس کو میدان کارزار گرم کرنا پڑا۔ کیونکہ ۱۶۰۳ء میں عباس صفوی بادشاہ ایران نے تبریز، ایریفان، اور قلعہ حرص وغیرہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ نوعمر احمد خان اول اپنی فوج کا سپہ سالار بنکر شاہ ایران کے مقابلے کو نکلا۔

اسی اثنا میں مصر کے لوگوں نے اپنے بادشاہ غسان کے ظلم و ستم کی شکایت

کی ۔۔۔ لئے اُس کی سرکوبی کے لئے بھی فوج روانہ کی گئی۔
۱۶۰۹ء میں فوج صدمیں آکر شاہ عباس نے خراج دینے کی شرط قبول کر کے صلح کر لی۔

۱۶۰۸ء میں مراد پاشا کو سپہ سالار مقرر کر کے اکراد اور لبنان کے حاکموں کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ مراد پاشا کے پہنچتے ہی حاکم لبنان امیر فخر الدین نے تو تاب مقاومت نہ لا کر شکست کھائی اور وہ حلب میں بھاگتے ہوئے مارا گیا۔

۱۶۲۱ء میں شاہ ایران سے پھر جنگ چھڑ گئی۔ لیکن احمد خاں نے بڑی مردانگی سے ایرانیوں کا مقابلہ کر کے شہر تبریز چھین لیا۔ اور شاہ عباس نے مجبوراً صلح کر لی۔

شہنشاہ اکبر کی وفات اور جہانگیر کا عہد حکومت ہندوستان میں ۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۷ء

شہنشاہ اکبر کے لئے بیٹوں کی نااتفاقی و ناقابلیت سوہان روح تھی۔ کیونکہ مراد اور دانیال تو شراب خوری کی زیادتی کے باعث فوت ہو چکے تھے۔ سلیم کا یہ حال تھا کہ ارکین سلطنت اور تمام رعایا اُس کی بدعنوانیوں سے اسقدر ناراض تھی کہ وہ سلیم کی بجائے اُس کے بڑے بیٹے خسرو کو ولیعہد بنانا چاہتے تھے۔ لیکن شہنشاہ اکبر کو اپنے بیٹے سلیم اور پوتے خسرو کے باہمی رشک و حسد کی خرابی کا حال معلوم تھا۔ اس لئے اُس نے شہزادہ سلیم کو ہی اپنا جانشین قرار دیا۔ ۱۶۰۵ء کا واقعہ ہے جبکہ اکبر آگرہ میں تھا۔ انہی دنوں میں وہ بیمار ہو گیا اور ایسا بیمار ہوا کہ ۱۶۰۵ء میں ہی اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو سدھارا۔

چنانچہ شہنشاہ اکبر کے بعد ہند کے تخت حکومت پر شہزادہ سلیم متمکن ہوا۔ اور اُس نے اپنے آپ کو نور الدین محمد جہانگیر کے لقب سے ملقب کیا۔ تخت پر بیٹھتے ہی اُس کی جوانی کی بدعنوانیاں رحم و شفقت سے بدل گئیں۔ حالانکہ خود بادشاہ

سے نوش تھا۔ لیکن شراب و دیگر منشی چیزوں کے استعمال کرنے کی ممانعت کردی۔ محاصل جنگی وغیرہ کے نقائص دور کئے۔ ملزموں کی سزاؤں میں تخفیف سے کام لیا۔ شاہی ایوان میں اپنے کانوں مظلوموں کی فریاد سننے کے لیے محل کی دیوار سے ایک زنجیر لٹکا دی جس کے کھینچنے سے بادشاہ کے کمرے میں چند سونے کی گھنٹیاں بجنے لگتی تھیں جس ۔۔۔ جہانگیر بہت جلد فریادی کی فریاد خود سن سکتا تھا

۱۶۰۶ء میں جہانگیر کے بیٹے خسرو نے بغاوت کی اور اس نے لاہور پر قبضہ کرنا چاہا۔ لیکن جہانگیر نے جب اس کا تعاقب کیا تو وہ کابل کی طرف بھاگا۔ اور شاہی سواروں نے اُسے راستے میں ہی گرفتار کر لیا۔ جہانگیر نے اس جرم کے بدلے اُسے قید کر دیا۔

۱۶۱۰ء میں دکن میں بغاوت پھیلی وہ اس لیے کہ شاہ احمد نگر نے اپنے وزیر (ملک عنبر حبشی) کے فہم فراست پر بھروسہ کر لیا ملک عنبر نے اپنی خوش تدبیر سے مرہٹوں کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ بلکہ ایک دفعہ جنوبی ہندوستان میں شاہی جرنیل خان خاناں کو شکست بھی دی تھی۔ لیکن اس دفعہ جہانگیر نے خان جہاں لودھی کو اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کر دیا۔

نور جہاں ۱۶۱۱ء میں جہانگیر نے نور جہاں سے شادی کی۔ اور اسکے عشق میں ایسا محو ہوا کہ تمام کاروبار سلطنت نور جہاں کے حوالے کر دیا۔ نور جہاں مرزا غیاث الدین ایرانی کی خوبصورت لڑکی تھی۔ جو سفر میں پیدا ہوئی۔ والدین مصیبت کے مارے سفر کر رہے تھے اس لڑکی کا آنا ان کو بار معلوم ہوا۔ اور ماں نے اپنے کلیجے پر پتھر رکھ کر اس کلیجہ کے ٹکڑے کو زمین پر ڈال دیا۔ میاں بیوی اپنی دودھ پیتی بچی کو میدان میں چھوڑ کر جب کچھ دور نکل گئے۔ تو پیچھے اُس میدان میں ایک قافلہ آ پہنچا۔ جہاں یہ خوبصورت بچی دودھ کے لئے بلک رہی تھی۔ قافلہ والوں نے اِس بچی کو اٹھا لیا۔ لیکن اس میدان میں دودھ کہاں

ہے تھا۔ اتنے میں ادھر سے ایک سوار آیا۔ اُس نے اس لڑکی کو دیکھ کر کہا۔ کہ جدہر سے میں آرہا ہوں۔ کوئی دو میل کے فاصلے پر مصیبت زدہ میاں بیوی جا رہے ہیں۔ اگر اُنکے سپرد اس بچی کو کردیا جاوے۔ تو شاید بچ جاوے۔ چنانچہ قافلہ والوں نے ایسا ہی کیا۔ اپنا ایک سوار بھیجکر مرزا غیاث اور اُسکی بیوی کو واپس بلوا کر یہ لڑکی اُن کے سپرد کی گئی۔

اگرچہ والدین نے اپنی بچی سے لاعلمی ظاہر کی تھی۔ مگر ماں کی مامتا کب چھپ سکتی ہے۔ غرضیکہ قافلہ والوں نے مرزا غیاث کو اپنے ہمراہ ہندوستان میں لاکر دربار اکبری میں نوکر کرادیا۔ اور یہ لڑکی یعنی مہرالنساء ناز و نعم سے پرورش پانے لگی۔ ہوتے ہوتے دس برس کی ہوگئی۔ اور کبھی کبھی اپنی ماں کے ساتھ مہرالنساء بھی محلات شاہی میں جاتی تھی انہیں دنوں میں جہانگیر مہرالنساء کو دل دے بیٹھا تھا۔ لیکن اکبر کو جب اس بات کی خبر ہوئی۔ تو اُس نے علی قلی خان شیر افگن جاگیردار بنگال سے مہرالنساء کی شادی کردی لیکن جہانگیر مہرالنساء کو نہ بھولا۔ تخت پر بیٹھتے ہی اس نے ہر چند کوشش کی لیکن مہرالنساء نے اس بات کو گوارا نہ کیا کہ وہ اپنے خاوند شیر افگن کو چھوڑ دے بلکہ خاوند کے مارے جانے پر بھی برابر چھ سال تک مہرالنساء نے شہنشاہ ہند جہانگیر کو قبول نہ کیا۔ لیکن جب جہانگیر نے اپنی محبت سے مہرالنساء کو سخت مجبور کیا تو ۱۶۱۱ء بادشاہ کے عقد میں آگئی۔

مہرالنساء کے ملکہ ہند بنتے ہی جہانگیر نے اس کو نور جہاں کے نام سے موسوم کیا اور ملکی انتظام سلطنت اُسی کے سپرد کردیا۔ نور جہاں جیسی خوبصورت تھی ویسی ہی ذہین اور عالی حوصلہ عورت تھی۔ اس نے اس خوبی سے کاروبار سلطنت چلایا کہ جہانگیر زندہ جاوید بن گیا تھا۔

سنہ ۱۶۱۴ء میں شاہزادہ خرم کو جہانگیر نے رانا اودے پور کی سرکوبی کے لئے

بھیجا۔ اور خرم نے رانا اودے پور کو شکست فاش دی۔

اسی فتح یابی پر جہانگیر نے شہزادہ خرم کو شاہجہان کے خطاب سے ممتاز فرمایا۔

سر طامس رو سفیر برطانیہ
انگریزوں کا داخلہ ۱۶۱۳ء ہندوستان میں

اسی سنہ یعنی ۱۶۱۳ء میں پارلیمنٹ برطانیہ کے ممبر سر طامس رو کو شاہ جیمز اول نے جہانگیر کے دربار میں بحیثیت سفیر بھیجا تاکہ ایک تجارتی عہدنامہ مرتب کیا جاوے جس میں انگریز تاجروں کو ہندوستان میں آنے کی کچھ مراعات دی جائیں۔

چنانچہ سر طامس رو کئی سال دربار جہانگیر میں رہا۔ آخر اُس نے اپنے صبر و استقلال سے کامیابی حاصل کر لی۔ یعنی انگریزوں کو عہدنامہ کی رو سے ہندوستان میں اس بات کی اجازت ملگئی کہ جہاں چاہیں تجارت کریں۔ علاوہ اس کے سورت کھمبایت گوگوا اور احمد آباد میں چار تجارتی کوٹھیاں انگریزوں کو تعمیر کرنیکی اجازت مل گئی۔

۱۶۱۶ء میں ملک عنبر کی گوشمالی کے لیے جہانگیر نے شاہجہان کو روانہ کیا اس مہم میں شاہجہان نے اپنے مقید بھائی خسرو کو بھی اپنے ساتھ لیجانے کی اجازت چاہی۔ اور اسی مہم میں خسرو فوت ہوگیا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ شاہجہان نے ہی خسرو کو زہر سے ہلاک کر دیا تھا کہ ولیعہدی کا کانٹا نکل جاوے۔

۱۶۱۷ء ۱۵ ماہ نومبر مطابق ۱۶ ذی القعدہ ۱۰۲۶ھ میں احمد خان اول نے اس جہان سے رحلت کی۔

سنہ ۱۰۲۶ھ تا سنہ ۱۰۲۷ھ

مطابق

سنہ ۱۶۱۷ء تا سنہ ۱۶۱۸ء

مصطفیٰ خان (عہد حکومت تقریباً ۳ ماہ) سلطان احمد خان اول نے مرتے وقت اپنے بیٹے کی خورد سالی کے باعث اپنے بھائی مصطفیٰ خان کو جانشین مقرر کیا تھا اس لئے مصطفیٰ خان سریر آرائے سلطنت ہوئے۔ لیکن یہ سلطان اسقدر زن پرست تھا کہ دن بھر عورتوں میں ہی رہا کرتا تھا۔ اس لئے ارکین سلطنت نے اس کو معزول کر کے احمد خان اول کے بیٹے عثمان ثانی کو تخت پر مامور کیا۔

سنہ ۱۰۲۷ھ تا سنہ ۱۰۳۲ھ

مطابق

سنہ ۱۶۱۸ء تا سنہ ۱۶۲۳ء

عثمان ثانی بن احمد خان اوّل (سنہ ۱۰۲۷ھ تا سنہ ۱۰۳۲ھ عہد خلافت ۵ سال) عثمان ثانی نے ۱۵ برس کے سن میں عنان سلطنت سنبھالی اور نہایت مستقل مزاجی سے حکومت کرنے لگا۔

عہد سلطنت کے پہلے ہی سال خلیل پاشا کی سرکردگی میں ایران کی طرف فوج کشی کی جب خلیل پاشا اردبیل تک پہنچا تو اس سے شاہ عباس شاہ ایران نے صلح کرلی لیکن سلطان عثمان ثانی اس صلح پر اسقدر ناراض ہوا کہ خلیل پاشا کو معزول کر کے اسی وقت چلپی پاشا کو سپہ سالار کا عہدہ بخشا چلپی پاشا بڑا بہادر تھا۔ اس نے والی پولینیا سے مقابلہ کیا جس نے غنیم کی دس ہزار

فوج کو موت کے گھاٹ اتارا اور دس ہزار سپاہی اسیر کر کے اسلام بول میں حاضر کئے۔

سنہ ۱۰۳۱ھ میں ان فتوحات کے بعد سلطان عثمان نے مفتی شہر کی خوبصورت بیٹی سے نکاح کیا۔ لیکن اس نکاح کے متعلق ارکین سلطنت و سرداران فوج اور شاہی خاندان والے سلطان عثمان سے برگشتہ ہو گئے۔ کیونکہ وہ لڑکی غیر کفو کی تھی۔

انہی برگشتگی کے دنوں میں سلطان عثمان نے حج کعبہ کا ارادہ کیا لیکن فوج میں یہ افواہ مشہور ہو گئی ہے کہ سلطان عثمان نئی فوج بھرتی کرنے کے لئے جا رہا ہے۔ اس افواہ کے اڑتے ہی فوج میں بغاوت پھیل گئی اور فوج نے کیمپ سلطانی کو گھیر کر سلطان عثمان کو قتل کر ڈالا۔

سنہ ۱۰۳۲ھ تا سنہ ۱۰۴۹ھ

مطابق

سنہ ۱۶۲۳ء تا سنہ ۱۶۴۰ء

سلطان مراد خان
سنہ ۱۰۳۲ھ تا سنہ ۱۰۴۹ھ
عہد حکومت ۱۷ سال

سلطان عثمان ثانی کے قتل ہونے پر پہلے تو ارکین نے احمد خان اول کے بھائی مصطفےٰ خان کو تخت حکومت پر بیٹھایا لیکن اسپر زنانہ پن اسقدر حاوی تھا کہ وہ حکومت کا بار اٹھانے کے نا قابل ثابت ہوا اس لئے احمد خان کے خورد سال بیٹے سلطان مراد خان کو تخت خلافت پر مامور کیا گیا۔ اس سلطان کی عمر بھی پندرہ برس کی تھی۔ اس کے عہد میں شاہ ایران نے بغداد پر حملہ کیا۔ شہر میں سخت قتل و خونریزی کی۔ وہاں کے حاکم ابو بکر پاشا کو زندہ جلایا۔ سرداران لشکر کو گرفتار کر کے پھانسی پر لٹکایا۔ بغداد پر قبضہ کر کے عباس صفوی شاہ ایران نے موصل

پر چڑھائی کی اور اسے بھی فتح کر لیا۔ آخر سنہ ۱۰۳۸ھ میں شاہ عباس نے اصفہان میں رحلت کی جب روم میں اس کی وفات کی خبر پہنچی تو خسرو پاشا ایک لاکھ پچاس ہزار فوج کے ساتھ عجم کو روانہ ہوا۔ اور سب سے پہلے اس نے موصل کو فتح کیا ادھر روم میں فساد برپا ہو گیا کیونکہ حاکم ایران امیر فخر الدین نے شاہ فرانس کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اسلیئے خسرو پاشا کو ایران کی مہم سے واپس آنا پڑا۔

حاکم لبنان کی سرکوبی کے لئے احمد شاہ مقرر کیئے گئے تھے۔ جس نے امیر فخر الدین حاکم لبنان کو شکست دے کر معہ اس کے دو بیٹوں امیر مسعود اور امیر حسین تینوں باپ بیٹوں کو گرفتار کر لیا۔

جب یہ تینوں سرکش دربار خلافت میں پہنچے۔ تو سلطان مراد نے جان بخش کر انکو نظر بند کر دیا۔

لیکن تھوڑے دنوں بعد امیر فخر الدین کے پوتے نے شہر بیروت پر حملہ کر دیا۔ اور اسی جرم میں پہلے تو تینوں باپ بیٹوں کو قتل کرنے کا سلطان نے حکم دے دیا تھا لیکن ارکین سلطنت کی سفارش سے امیر مسعود اور امیر حسین کی جان بخشی گئی اور امیر فخر الدین کو قتل کیا گیا۔

۱۰۴۸ھ میں سلطان مراد خان خود عربی سپہ سالار کی وردی میں ایک لاکھ سپاہ لے کر بغداد میں آیا۔ اور روضہ امام ابو حنیفہ کے قریب خیمہ زن ہوا۔ فوج ایران (جو بغداد میں تھی) اور لشکر سلطانی میں مڈبھیڑ ہوئی لیکن بہادر سلطان کے بہادر جانثاروں نے پچاس ہزار ایرانی خاک و خون میں ملا کر اور ایک ہزار کو اسیر کر کے بغداد کو فتح کر لیا

مگر اس فتح کے بعد قسطنطنیہ میں آکر مرض بخار میں مبتلا ہو گیا یہ وہ زمانہ تھا جب
شہنشاہ جہانگیر تخت ہند کے لئے اپنا **ولیعہد سلطنت ہند ہونے کے**
لئے شہزادگان کی چپقلش اور جہانگیر کا جانشین منتخب کرنے کی مشکلات میں پھنسا
ہوا تھا۔ کیونکہ جہانگیر کی چہیتی ملکہ نور جہان کی تو یہ خواہش تھی کہ شہزادہ شہریار
ولیعہد سلطنت ہو وہ اس لئے کہ شہزادہ شہریار نور جہان کی پچھلی بیٹی (جو
شیر افگن سے تھی) سے بیاہا ہوا تھا۔

ادھر شہزادہ پرویز کی یہ خواہش تھی کہ میں ہی ولیعہد بنوں۔ بادشاہ
اگرچہ دل سے شاہ جہاں کو ہی ولیعہد کے قابل سمجھتا تھا۔ لیکن وہ نور جہان
کے بس میں ایسا ہی تھا جیسے عقل کے بس میں خیالات۔ یا روح کے ماتحت
دل۔ چنانچہ نور جہاں نے جہانگیر کو اس بات پر آمادہ کر لیا۔ کہ شاہجہان کو قندھار
کی مہم پر روانہ کر کے شہریار کو ولیعہد بنا دیا جاوے۔

لیکن شاہ جہان بھی ان حیلوں سے خبردار رہتا تھا چنانچہ اس نے قندھار
کی مہم پر جانے سے انکار کر کے بغاوت شروع کر دی۔

اسوقت مہابت خان بھی شاہ جہاں کے ساتھ مل گیا۔ اور دونوں نے
دکن میں جا کر بغاوت کا پروگرام مرتب کرنا شروع کیا۔

اس اثناء میں بیچارہ پرویز جان بحق ہو گیا اس کے مرنے کے بعد شہریار اور
شاہ جہان یہ دونوں تخت ہند کے لئے لڑنے لگے۔ اسی فتنہ و فساد کے زمانہ
میں جہانگیر جوڑے کی بیماری میں مبتلا تھا۔ جو ۱۶۲۷ء میں لاہور آتے ہوئے
۵۹ سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ اور شہر لاہور کے قریب موضع شاہدرہ میں
دفن کیا گیا۔

ہندوستان کی اسلامی حکومت
شاہجہان کے عہد میں ۱۶۲۷ء تا ۱۶۵۸ء

جہانگیر کے فوت ہونے پر شاہجہان دکن میں تھا۔ اس لیئے شہریار نے لاہور پر قبضہ کر لیا اس کے بعد کچھ فوج لیکر آگرے کی طرف روانہ ہوا۔ اسی اثناء میں شاہ جہان کو اپنے باپ کے مرنے کی خبر ہوئی اور وہ دکن سے آگرہ کی طرف روانہ ہوا۔ اور ساتھ ہی اپنے رفیق مشیر آصف خان کو لکھ بھیجا کہ جس طرح بنے شہریار کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ آصف خان نے ایسا ہی کیا اور شہریار کا کام تمام ہو گیا۔

شہریار کے مرتے ہی نور جہاں کے سب منصوبے خاک میں مل گئے اور شاہجہان نے تخت پر بیٹھتے ہی نور جہان کا پنشن قرار وظیفہ مقرر کر دیا۔

۱۶۲۸ء میں شاہجہان نے بڑی دھوم دھام سے جشن تاجپوشی منعقد کیا۔ اس کے بعد دکن کے سپہ سالار خان جہاں لودھی نے سر اٹھایا۔ اور چند مرہٹے سرداروں کی مدد سے فوج شاہی کو شکست دے کر دکن کے بادشاہوں بھی اُسے اپنے ساتھ ملانا چاہا۔ لیکن کسی نے اسکا ساتھ نہ دیا۔ آخر شاہی فوج نے اُسے کالنجر کے میدان جنگ میں قتل کر دیا۔

۱۶۳۲ء شاہی فوج نے بیجاپور کا محاصرہ کیا۔ لیکن محصورین نے ایسا پر زور مقابلہ کیا کہ شاہی فوج کو وہاں سے ناکام واپس آنا پڑا۔

۱۶۳۳ء مہابت خان نے دولت آباد پر قبضہ کر لیا۔ اور احمد نگر کے نابالغ بادشاہ کو گوالیار کے شاہی قید خانے میں نظر بند کر دیا۔

۱۶۳۵ء میں شاہجہان خود دکن کی مہم پر روانہ ہوا۔ اور ۱۶۳۶ء میں محمد عادل شاہ نے ۲۰ لاکھ روپیہ سالانہ خراج دینے پر صلح کر لی۔ اسی اثناء میں ریاست گولکنڈہ بھی اطاعت گذار ہو گئی۔

ان فتوحات کے بعد شاہجہان ۱۶۳۷ء میں آگرہ میں واپس آ گیا۔

۱۶۴۰ء، ماہ فروری مطابق ۱۶ شوال ۱۰۴۹ھ میں سلطان مراد خان راہی ملک بقا ہوا۔

۱۰۴۹ھ تا ۱۰۵۸ھ

مطابق

۱۶۴۰ء تا ۱۶۴۸ء

ابراہیم خان اول
۱۰۴۹ھ تا ۱۰۵۸ھ
عہد سلطنت ۹ سال

ابراہیم خان سلطان مراد خان ثانی کا بھائی تھا۔ اسے سوائے عورتوں کی صحبت میں دن رات رہنے کے دنیاوی کاروبار کا بھی سلیقہ نہ تھا۔ تو حکومت کا بار کیسے اٹھا سکتا۔ ارکین سلطنت نے جب مجبور کر کے اسے تخت سلطنت پر مجبور کیا تو تمام کاروبار سلطنت وزراء سلطنت کے حوالے کر کے خود حسینوں کی جمگھٹ میں رہنے لگا۔ تاہم ارکین سلطنت و جانثاران خلافت نے بڑی خوش اسلوبی سے سلطنت کا انتظام کیا۔

چنانچہ ۱۰۵۱ھ میں جب انگریزوں نے روم کے جہازوں پر دست درازی کی تو دربار روم نے چار سو جنگی جہاز انگریزوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کئے اور کامیاب ہو کر واپس آئے۔

۱۰۵۶ھ میں عیسائیوں کو کئی ایک لڑائیوں میں شکست دی لیکن سرداران فوج اپنے سلطان ابراہیم سے اس کی لذات نفسانی کی بدعنوانیوں سے نہایت برگشتہ ہو گئے تھے۔ اس لئے اسکی جان لینے پر آمادہ ہو گئے۔ ابراہیم کو جب اس بات کی خبر لگی۔ تو اس نے بعض سرداران کو زر کثیر دے کر اپنی جان بچائی۔ تاہم اسے زنان خانہ میں ہی قید کر دیا گیا۔ اور چند افسران شاہی نے سلطان کو قید سے باہر نکالنا چاہا۔ لیکن جن افسروں کی رائے سے وہ قید کیا گیا تھا۔ انہوں نے اس

کو قید خانہ میں ہی قتل کرا دیا۔ یہ واقعہ ۱۸ رجب ۱۰۵۸ھ مطابق ۲۸ جولائی ۱۶۴۹ء میں واقع ہوا۔

۱۰۵۸ھ تا ۱۰۹۹ھ
مطابق
۱۶۴۸ء تا ۱۶۸۷ء

محمد خان رابع ۱۰۵۸ھ تا ۱۰۹۹ھ عہد سلطنت ۳۹ سال

اپنے باپ سلطان ابراہیم مقتول کے بعد اس کے خورد سال بیٹے محمد خان رابع کو ارکین سلطنت نے تخت پر بٹھایا۔ پہلے تو اس کی والدہ کوسم سلطان نے اپنے سے خورد سال بیٹے کی بجائے سلطنت پر حکومت کرنی چاہی لیکن امرائے سلطنت نے عورت کے ماتحت قبول نہ کی اور اس کش مکش میں سلطانی خواجہ سرا نے قتل کر دیا۔

چنانچہ ۱۰۶۶ھ تک محمد خان کی نابالغی میں ملک میں بدامنی کا طوفان اٹھا رہا۔ کئی امراء و ارکین سلطنت قتل ہوئے۔

آخر مولی محمد وزیر سلطنت نے اپنی قابلیت سے اس طوفان بے تمیزی کو دور کر کے ملک کا خاطر خواہ انتظام کیا۔ بلکہ جزیرہ تینیدوس وغیرہ فتح کئے ۱۰۷۱ھ بلاد سرب پہ فوج کشی کی گئی اس معرکہ میں ایک لاکھ پچیس ہزار عیسائی کام آئے اور اسلامی لشکر فتح یاب ہو کر قسطنطنیہ میں لوٹا۔

مولی محمد وزیر نہایت باتدبیر اور بہادر وزیر تھا۔ اس نے عثمانی عظمت کو از سر نو زندہ کر دیا۔ لیکن اسکی زندگی نے وفا نہ کی جو ۱۰۷۲ھ میں جان بحق ہوا اس وزیر باتدبیر کے بعد سلطان نے اس کے بیٹے احمد پاشا کو اپنا وزیر بنایا۔ اس نے بھی اپنے باپ کی طرح شاہی حق نمک ادا کیا۔

قلعہ کرٹیہ جو ۲۲ برس تک فتح نہ ہوا تھا۔ احمد پاشا نے اسے ۱۰۷۹ھ میں فتح کرلیا۔

۱۰۸۴ھ ماہ رمضان کے وسط میں سلطان محمد رابع کے شکوئے معلیٰ میں میں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام سلطان احمد رکھا گیا۔

۱۰۹۲ھ میں احمد پاشا وزیر بیس برس چھ ماہ وزارت کر کے فوت ہو گیا۔ اس کے مرتے ہی سپاہ نیک چری سلطان محمد رابع سے ناراض ہو گئی۔ جس کی وجہ سے سلطان محمد رابع کو تخت سے علیحدہ ہونا پڑا۔

یہ ۱۶۸۷ء کا زمانہ تھا۔ جبکہ فرانس کے تخت پر لوئیز چہاردہم متمکن تھا۔ اور ہندوستان کے تخت حکومت پر ابو المظفر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر جلوہ افروز تھا۔

اورنگ زیب عالمگیر ۱۶۵۸ء میں اپنے باپ شاہ جہاں کے مرنے پر ہندوستان کا شاہنشاہ بنا۔ اور ۱۶۵۹ء میں اس نے اپنا جشن تاجپوشی منعقد فرمایا۔

اورنگ زیب عالمگیر کی اسلامی حکومت ہندوستان میں ۱۶۵۸ء تا ۱۷۰۷ء

یہ بادشاہ دیندار مسلمان اسلام کا خادم شرع شریف کا پابند اور مذہب کا عالم با عمل تھا اس کی مذہبی تصنیف فتوٰی عالمگیری علماء اسلام کے مذہبی کورس میں داخل ہے جس سے عالمگیر کی مذہبی واقفیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

اورنگ زیب عالمگیر نے ملک کی بدامنی دور کرنے کے لئے جس مستقل مزاجی اولوالعزمی دلاوری کا ثبوت دیا ہے۔ اُسے مخالفین اسلام نے عالمگیر کو ظالم جابر بادشاہ کے نام سے تعبیر کیا ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ عالمگیر نے اپنے بھائیوں کو بغاوت کے جرم

میں قتل کرایا۔ ایک ایسے بادشاہ کے لئے جو ملک سے فتنہ و فساد کی آگ ہمیشہ کیلئے بجھانا چاہتا ہو۔ یہ کوئی جرم نہیں ہے بلکہ انصاف پسند لوگ یوں کہہ سکتے ہیں کہ اورنگ زیب عالمگیر نے ملک میں امن قائم کرنے کے لئے اپنے بھائیوں کو ہندوستان پر قربان کردیا۔ پھر ایسے وقت میں جبکہ تمام ہندوستان میں بدانتظامی کا طوفان اٹھا ہوا تھا۔ اور یہ طوفان ملک کے لئے اسقدر خطرناک تھا۔ جس کے ثبوت میں کسی انگریز مؤرخ کا ایک ہی فقرہ لکھ دینا کافی ہوگا۔ "اس طوفان کو روکنے کیلئے اورنگ زیب کے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ کہ یا تو وہ خود اپنے آپکو ہلاک کردیتا اور یا اپنے باغی خاندان کو قتل کردیتا"۔

اورنگ زیب عالمگیر کی فتوحات میں اس کے لائق جرنیل میر جملہ کا بڑا حصہ ہے۔ میر جملہ نے آسام تک فتح کرلیا تھا۔ لیکن ملک کی دشوار گذاری کی وجہ سے وہاں دیر تک اسلامی تسلط نہ رہ سکا لیکن ۱۶۶۳ء میں میر جملہ جاں بحق ہوا۔ اور اس کی جگہ عالمگیر کے ماموں شائستہ خان مقرر ہوئے۔

۱۶۶۶ء میں اُسے چٹا گانگ و پرتگال کے بحری ڈاکوؤں کی سرکوبی کے لئے عالمگیر نے روانہ کیا۔

اسی اثنا میں انگریزوں نے ہگلی اور قاسم بازار میں اپنی تجارتی کوٹھیاں بنائیں شائستہ خان نے انگریزوں کو بہت تنگ کیا۔ آخر ۱۶۸۶ء میں انگریزوں نے مقابلہ بھی کیا۔ لیکن شاہی فوج کا مقابلہ نہ کرسکے۔

سنہ ۱۰۹۹ھ تا سنہ ۱۱۰۲ھ
مطابق
سنہ ۱۶۸۷ء تا سنہ ۱۶۹۱ء

سلیمان خان ثالث بن ابراہیم سنہ ۱۰۹۹ھ تا سنہ ۱۱۰۲ھ عہد سلطنت نو ماہ ۳ سال

محمد خان الرابع کے معزول ہوتے ہی سلطان ابراہیم کا بیٹا سلیمان خان ثالث ۲۵ برس کی عمر میں خلافت پر متمکن ہوا۔ اس سلطان کے عہد حکومت کے پہلے ہی سال باغی فوج نے وزیر سیاوش پاشا کو قتل کر کے سلطنت میں فساد برپا کر دیا۔ جس کی وجہ سے والی عثمانی نے سنہ ۱۰۹۹ھ شہر بغداد کو اپنے قبضے میں کر لیا۔

سلطان سلیمان کو جب یہ خبر ہوئی تو اس پر فوج کشی کر کے تلوار کے زور بغداد کو واپس لے لیا۔ اس فتح یابی کے بعد ایسا کوئی واقعہ وقوع میں نہیں آیا جو قابل تحریر ہو۔

آخر ۲۶ شعبان سنہ ۱۱۰۲ھ مطابق ۲۲ جنوری سنہ ۱۶۹۱ء سلطان سلیمان خان مرض استسقا سے جانبر نہ ہو سکا۔

سنہ ۱۱۰۲ھ تا سنہ ۱۱۰۶ھ
مطابق
سنہ ۱۶۹۱ء تا سنہ ۱۶۹۵ء

احمد خان ثانی بن ابراہیم سنہ ۱۱۰۲ھ تا سنہ ۱۱۰۶ھ عہد سلطنت ۴ سال

سلیمان خان ثالث کی رحلت کے بعد سلطان ابراہیم کے دوسرے بیٹے احمد خان ثانی کو تخت خلافت تفویض ہوا۔

احمد خان نے عنان سلطنت سنبھالتے ہی حکیم باشی کو سلطان سلیمان کو مار

ڈالنے کے شبہہ میں قید کردیا۔

اور اسی سال شاہ غسا کی سرکوبی کے لئے مصطفیٰ پاشا کو روانہ کیا گیا اگرچہ مصطفیٰ پاشا بڑا دلیر اور جانباز سپہ سالار تھا۔ لیکن غنیم کی فوج سے ایک گولی لگنے کے باعث مصطفیٰ پاشا جان بحق ہوا۔ اُس کی جگہ علی پاشا منصب وزارت پر سرفراز ہوا۔ لیکن اس کی تند مزاجی سے امرائے سلطنت ناراض تھے۔ اس لئے سلطان نے اُسے منصب وزارت سے معزول کر کے جزیرہ قبرس میں بھیجدیا اور اُسکی بجائے حاجی علی کو وزیر سلطنت مقرر کیا۔

سنہ ۱۱۰۴ھ میں شاہ غسا نے موقعہ پاکر پھر بغداد پر قبضہ کرلیا۔ سلطان احمد خان نے اسلام بول سے اُس کی سرکوبی کے لئے لشکر جرار روانہ کیا۔

اسی سال قسطنطنیہ میں آگ لگی اور شہر کا چوتھا حصہ جلکر خاکستر ہوگیا۔ شاہ غسا نے فوج خلافت کے مقابلہ کی تاب نہ لاکر شاہ برطانیہ اور شاہ ہالنڈ کے ذریعے صلح کرلی۔

سنہ ۱۱۰۵ھ میں قسطنطنیہ میں دوبارہ آگ لگی۔ اس سے شہر کا ایک حصہ نذر آتش ہوگیا۔

سنہ ۱۱۰۶ھ ۲۲ جمادی الثانی مطابق ۲۷ جنوری سنہ ۱۶۹۵ء سلطان احمد خان ثانی بھی بعارضہ استسقا میں اس دار فانی سے چل بسا۔

سنہ ۱۱۰۶ھ تا سنہ ۱۱۱۵ھ
مطابق
سنہ ۱۶۹۵ء تا سنہ ۱۷۰۳ء

مصطفیٰ خان ثانی (سنہ ۱۱۰۶ھ تا سنہ ۱۱۱۵ھ عہد سلطنت ۹ سال) احمد خان ثانی کے بعد محمد خان رابع کا بیٹا مصطفیٰ خان ثانی تخت خلافت پر جلوہ افروز ہوا۔

اس سلطان نے تخت پر بیٹھتے ہی رعایا کو ایک فرمان کے ذریعے جہاد اسلام پر توجہ دلائی۔ اور ایک لشکر جرار کے ساتھ حسین پاشا کو اسلام کے دشمنوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ حسین پاشا نے بحر ابیض میں جاکر جزیرہ سافس کو فتح کیا۔

اس کے بعد سلطان مصطفےٰ خان نے خود والی غسا پر چڑھائی کی اور اس کو شکست فاش دی۔ عیسائیوں کے بہت سے قلعے منہدم کر ڈالے انہیں دنوں میں سلطان کو یہ خبر ملی کہ زار روس نے قلعہ ازدف کا محاصرہ کر لیا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی اسکی مدافعت کے لئے اسلامی فوجوں نے قسطنطنیہ سے کوچ کیا اور میدان کارزار میں پہنچکر تیس ہزار روسی سپاہ کو موت کے گھاٹ اتارا۔ اس مہم میں سلطان بذات خود شریک تھا۔ قلعہ ازدف پر قبضہ کرکے ایک لاکھ جانباز سپاہیوں کے ساتھ سلطان نے والی غسا پر زبردست حملہ کرکے اس کو بھی شکست دی۔

۱۱۱۰ھ میں والی غسا نے مسلمانوں سے پھر لڑائی چھیڑ دی۔ اس دفعہ سلطان نے اس کی سرکوبی کے لئے الماس پاشا کو روانہ کیا۔ لیکن یہ سپہ سالار راستے میں ہی جان بحق ہوا۔ چنانچہ الماس پاشا کی جگہ سلطان مصطفےٰ خان نے لی۔ فوج خلافت نے میدان جنگ میں محشر بپا کرکے شہر اودنہ پر قبضہ کر لیا آخر شاہ برطانیہ اور ہالینڈ نے صلح کرادی۔

ان فتوحات کے بعد ۱۱۱۵ھ میں فوج میں بغاوت شروع ہو گئی سلطان مصطفےٰ خاں کو سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ تخت سے دست بردار ہو جائے۔ اس لیے وہ خود بخود تخت سے دست بردار ہو گیا

۱۱۱۵ھ تا ۱۱۴۳ھ
مطابق
۱۷۰۲ء تا ۱۷۳۰ء

احمد خان ثالث سلطان مصطفیٰ خان فوج کی بغاوت کے باعث تخت خلافت سے دست بردار ہوگیا تھا۔ اور اپنی جگہ اس نے اپنے بھائی احمد خان ثالث کو تفویض کردی تھی جس کے ایک سال بعد مصطفیٰ خان نے رحلت کی۔

۱۱۱۵ھ تا ۱۱۴۳ھ
عہد سلطنت ۲۹ سال

احمد خان ثالث نے عنان سلطنت سنبھالتے ہی فوجی بغاوت کے فرو کرنے کی از حد کوشش کی لیکن یہ طوفان سرکشی کئی سال تک جاری رہا جس میں شیخ الاسلام تک قتل کئے گئے۔ گویا اسوقت کئی وزرائے سلطنت معزول ہوئے بہت سے امرائے شہر جلا وطن کئے گئے۔ گویا اسوقت سلطنت کا تمام انتظام باغی سرغنوں کے ہاتھ میں تھا۔ اور سلطان ایک کٹھ پتلی بنا بیٹھا سب کچھ دیکھتا تھا لیکن دم نہ مار سکتا تھا۔

آخر کئی وزرائے سلطنت کے تغیر و تبدل کے بعد علی پاشا وزیر سلطنت مقرر ہوئے جس نے عہدہ وزارت حاصل کرتے ہی فوج کو میدان جنگ کی طرف روانہ کردیا۔ چنانچہ ۱۱۱۵ھ میں شاہان یورپ سے کئی لڑائیاں ہوئیں۔ لیکن فوج کی نااتفاقی اور ملکی بدامنی کے باعث عیسائیوں نے اسلامی سلطنت پر دست درازی شروع کردی۔

لہذا زار روس پیطرس کی سرکوبی کے لئے محمد پاشا مقرر ہوئے لیکن آپس میں صلح ہوگئی۔ بلکہ پچیس سال کا میعادی صلحنامہ سلطان روم اور زار روس میں مرتب ہوگیا۔

۱۱۲۷ھ میں اکثر بلاد اور جزائر بنادقہ پر فوج کشی کی گئی اور فتح یابی ہوئی اس سنہ میں والی غسا نے پھر عہد شکنی کر کے اسلامی سلطنت پر دانت جمائے اسلامی فوج کا سپہ سالار علی پاشا والی غسا کی سرکوبی کے لئے مقرر ہوا۔ لیکن وہ مارا گیا اور اسلامی فوج کو شکست ہوئی۔ اس کے بعد سلطان نے خلیل پاشا گورنر بغداد کو سپہ سالار مقرر کیا۔ خلیل پاشا اور نہ کے راستے بلغراد میں پہنچا۔ لیکن وہ بھی فتح یاب نہ ہوا۔ اس لئے سلطان نے اُس کو معزول کر کے اُسکی جگہ محمد پاشا کو روانہ کیا اس سپہ سالار کو بھی چند ماہ کے اندر معطلی کا حکم پہنچا۔ اور اُسکی جگہ ابراہیم پاشا نے لی۔ اس بد انتظامی سے فتح یاب ہونا مشکل ہو گیا۔ آخر ۱۱۲۹ھ میں والی غسا سے صلح ہو گئی۔

اس مہم سے آتے ہی لشکر روم نے ایران کی راہ لی ابھی نہاوند اور تبریز تک ہی لشکر پہنچا تھا کہ شاہ ایران نے پیام صلح بھیجا۔ لیکن سلطان روم نے صلح کے لئے یہ شرائط پیش کیں کہ مملکت روم کے جتنے شہر ایران نے دبا لئے وہ واپس دیئے جائیں۔ ابھی شرائط صلح پہ غور ہو رہا تھا کہ اسی اثناء میں شاہ ایران جاں بحق ہو گیا اور اُسکی جگہ اسکا بیٹا شاہ طہماسپ ثانی تخت ایران پر بیٹھا۔ جس نے ان شرائط کو مسترد کر کے اپنے سپہ سالار نادر شاہ کو لشکر روم سے مقابلہ کرنے کے لئے تبریز بھیجا۔ نادر شاہ نے آتے ہی ایک زبردست حملہ کر کے فوج سلطانی کو شکست دی۔

۱۱۴۳ھ میں فوج میں پھر بغاوت کا طوفان اُمڈ آیا۔ اسی طوفان بے تمیزی میں سپہ سالار لشکر روم ابراہیم پاشا قتل ہو گئے۔ اور چند سال باغیوں نے سلطان احمد خان کو بھی تخت سے اتار دیا۔

۱۱۴۳ھ تا ۱۱۶۸ھ

مطابق ۱۷۳۰ء تا ۱۷۵۴ء

محمد خامس عرف محمود خان
۱۱۴۳ھ تا ۱۱۶۸ھ
عہد سلطنت ۲۵ سال

سلطان احمد خان نے ملکی بدامنی اور فوجی بغاوت سے تنگ آکر اپنے آپ کو تخت خلافت سے دست بردار کر دیا تھا۔ اس کے بعد باغیوں نے محمد خامس عرف محمود خان کو تخت پر بٹھایا۔ اس اثنار میں چھ ہزار سپاہی آپس میں قتل ہوئے۔ کئی پاشا پھانسی پر لٹکائے گئے۔ کئی وزرا معزول ہوئے۔ آخر کار ابراہیم پاشا والی حلب نے اس فتنہ و فساد کی آگ کو کسی قدر ٹھنڈا کر دیا تھا لیکن باغیوں نے اُسے بھی قتل کر دیا۔ اس کے بعد عثمان پاشا حاکم مصر قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوا تاکہ اس طوفان کو روکے لیکن راستے میں شاہ ہسپانیہ نے اُس کے کئی جہاز درہم برہم کر دیئے بلکہ عثمان پاشا اور اُس کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے شہر مالٹہ میں پہنچا دیا گیا۔ عثمان پاشا دشمنوں سے لڑتے ہوئے وہاں مجروح ہو گئے۔ آخر ایک شخص ارنود فرانسیسی نے انکو اپنے گھر میں پناہ دی جب وہ اچھے ہو گئے تو مصر کی طرف بھاگ آئے جب عثمان پاشا مصر پہنچے تو اپنے محسن ارنود کو بہت کچھ انعام واکرام دیا۔ کچھ روز بعد مصر سے قسطنطنیہ میں آکر بغاوت کو فرو کیا۔

چنانچہ ۱۱۴۴ھ میں ایران پر چڑھائی کی۔ اور نواح بغداد میں ایرانیوں کو شکست فاش دی۔ اس کے آگے کردستان تک پہنچکر مراجعت کی۔

۱۱۴۵ھ میں سلطان روم نے عارف پاشا۔ ابراہیم پاشا۔ رستم پاشا۔ احمد پاشا کو کثیر فوج کے ساتھ ملک ایران پر حملہ کرنے کے لئے مقرر کیا۔ ان سرداران لشکر

نے کرمان۔ شاہ وستا ۔اروکان۔ ہمدان فتح کئے۔ اور ایرانی لشکر کو شکست فاش دی
پھر بڑھکر کاشان تک قبضہ کرلیا۔ یہ حالت دیکھکر شاہ ایران نے صلح کرنی چاہی لیکن
نادر شاہ (جو اسوقت سلیسان کا حاکم اعلیٰ تھا) نے صلح کرنے سے انکار کردیا۔ بلکہ
شاہ طہماسپ ثانی کو تخت ایران سے معزول کرکے اس کے بیٹے عباس ثالث کو بادشاہ
کیا اور شاہ روم کے ساتھ اعلان جنگ کردیا۔ چنانچہ نادر شاہ نے اپنے جان نثار
ایرانی بہادروں کے ساتھ بغداد کا محاصرہ کرلیا۔ سلطان روم کو جب اس بات کی
خبر ہوئی تو عثمان پاشا کو اسی ہزار کا لشکر جرار دیکر نادر شاہ کے مقابلہ کے لئے روانہ
کیا۔

۱۱۴۶ھ ماہ صفر میں دریائے دجلہ کے قریب دونوں فوجوں میں زبردست
لڑائی ہوئی نادر شاہ کی فوج نے اگرچہ بڑی دلاوری سے مقابلہ کیا۔ لیکن رومی لشکر نے
اُن کو شکست دی۔

۱۱۴۹ھ میں مسلمانوں کو زار روس سے لڑنا پڑا۔ نادر شاہ نے اس موقعہ سے فائدہ
اٹھاکر سلطنت روم کے علاقہ کرکوک تک تسلّط کرلیا۔ شاہ روم نے ناچار صلح کی
درخواست کی۔ آخر اس شرط پر صلح ہوگئی۔ کہ سلطان مراد چہارم کے وقت میں جو سرحد
روم و ایران کی تھی۔ وہی قائم رہے۔

اور زار روس سے بھی ایسی ہی شرائط پر صلح کی گئی۔ کہ بحر اسود میں رومی جہاز نہ
آنے پائیں۔ اور جتنے شہر سلطان روم کے زار روس نے دبائے ہیں۔ وہ واپس
کئے جائیں۔ یہ صلحنامہ شہر بلغراد میں مرتب ہوا۔

۱۱۵۳ھ میں شاہ سویڈن سے بھی صلح ہوگئی۔

مگر ۱۱۵۸ھ میں محمد بن عبدالوہاب اور امیر سعود نے ملک عرب میں فتنہ و
فساد کی آگ بھڑکادی۔

۱۱۶۸ھ ماہ صفر میں مطابق ۱۳ دسمبر ۱۷۵۴ء سلطان محمد خامس عرف محمود خان نے ۵۸ برس کی عمر میں رحلت کی

۱۱۶۸ھ تا ۱۱۷۱ھ

مطابق

۱۷۵۴ء تا ۱۷۵۷ء

عثمان خان ثالث
۱۱۶۸ھ تا ۱۱۷۱ھ
تقریباً ۴ سال

سلطان محمد خامس محمود کی رحلت کے بعد عثمان خان ثالث تخت نشین ہوا۔ یہ سلطان محمد خامس کا بھائی اور مصطفیٰ خان ثانی کا بیٹا تھا۔ یہ سلطان عزلت پسند تھا۔ اس لئے اس نے سعید آفندی کو اپنا وزیر مقرر کر کے تمام کاروبار سلطنت اُس کے حوالے کر دیا۔

اب سعید آفندی ہی گویا سلطان روم تھا لیکن اُسے آئندہ کے لئے بھی اپنے ہی خاندان میں حکومت رہنے کا خیال پیدا ہوا۔ اس لئے سعید آفندی نے شاہی خاندان میں سے ولی عہد سلطنت محمد بایزید کو قتل کرا دیا۔

۱۱۶۹ھ میں قسطنطنیہ میں آتشزدگی سے دو ثلث حصہ شہر کے مکانات خاکستر ہو گئے۔ اسی میں صدر اعظم کا محل بھی نذر آتش ہو گیا۔

۱۱۷۰ھ میں سلطان نے سعید آفندی کو معزول کر کے محمد راغب پاشا کو اپنا وزیر مقرر کیا جسنے سلطنت کا انتظام اچھا کیا۔ شراب نوشی بند کی مسجد جامع عثمانی جس کی بنا محمد خامس محمود نے رکھی تھی اُسے مکمل کیا۔

آخر ۱۱۷۱ھ میں سلطان عثمان خان ثالث کا انتقال ہو گیا۔

سنہ ۱۱۷۱ھ تا سنہ ۱۱۸۷ھ
مطابق
سنہ ۱۷۵۵ء تا سنہ ۱۷۷۴ء

مصطفٰے خان ثالث
سنہ ۱۱۷۱ھ تا سنہ ۱۱۸۷ھ
عہد سلطنت ۱۶ سال ۸ ماہ

سلطان عثمان خان ثالث کے بعد مصطفٰی خان ثالث تخت خلافت پر متمکن کئے گئے۔

اس سلطان نے سابق وزیر سلطنت راغب پاشا ہی کو اپنا وزیر مقرر کیا۔ بلکہ راغب پاشا وزیر سے اپنی بہن صالحہ سلطان کا نکاح کرادیا۔ راغب پاشا نہایت منتظم اور صاحب تدبیر شخص تھا۔ اس کے عہد میں باغیوں کی بغاوت فرو ہوگئی تھی۔ فتوحات ملکی کی طرف راغب ہی ہوا تھا کہ راغب پاشا کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔

اس کے مرتے ہی ملک بھر میں پھر شورش ہوگئی۔ کئی وزیر یکے بعد دیگرے بحال اور معزول ہوئے۔

سنہ ۱۱۸۱ھ تک یہی بدانتظامی رہی۔ اور اسی اثنا میں زار روس نے جنگ چھیڑ دی لیکن سلطانی فوج نے اسکو شکست دی۔

آخر سنہ ۱۱۸۷ھ ماہ ذی قعدہ مطابق سنہ ۱۷۷۳ء میں مصطفٰی خان ثالث بھی راہی بقا ہوا

سنہ ۱۱۸۷ھ تا سنہ ۱۲۰۳ھ
مطابق
سنہ ۱۷۷۴ء تا سنہ ۱۷۸۹ء

سلطان عبد الحمید خان
سنہ ۱۱۸۷ھ تا سنہ ۱۲۰۳ھ عہد سلطنت ۱۶ سال

مصطفٰے خان ثالث کی وفات کے بعد سلطان عبد الحمید خان اول تخت خلافت پر رونق افروز ہوا یہ سلطان مصطفٰی خان ثالث کا بھائی تھا۔ جو نہایت رحم دل اور صلح جو

شخص تھا اس کے تخت نشین ہوتے ہی مصر کے حاکم اعلیٰ علی بیگ نے اہالیان مصر پر بہت ظلم و ستم کرنا شروع کیا۔ اور سلطان روم نے اسکو تادیب کی۔

فوج کی بغاوت سے اگرچہ عثمانی سلطنت میں زوال آگیا تھا تاہم شاہان یورپ سے صلح ہو چکی تھی۔ اس لئے کچھ دنوں تک جدال و قتال بند رہا۔

البتہ عرب میں کچھ فتنہ و فساد پیدا ہو گیا تھا۔ جس کو حسین پاشا نے فرو کر دیا۔

۱۷۸۸ء میں والی غسا نے پھر عہد شکنی کر کے جنگ چھیڑ دی۔ جسکی سرکوبی کے لئے یوسف پاشا اور علی پاشا مقرر ہوئے۔ یوسف پاشا بڑا دلیر سپہ سالار تھا اس نے لشکر غسا کو شکست دیکر قلعہ شیش وغیرہ تسلط کر لیا۔

۱۷۸۹ء میں روس نے بھی اعلان جنگ کر دیا جس کو شاہین پاشا نے شکست دی اور اسی سال میں سلطان روم عبد الحمید نے اس جہان فانی سے عالم جاودانی کو لبیک کہا۔

۱۲۰۳ھ تا ۱۲۲۲ھ

۱۷۸۹ء تا ۱۸۰۷ء

سلیم خان ثالث سلطان عبد الحمید اوّل کے مرنے بعد سلطان مصطفےٰ خان

۱۲۰۳ھ تا ۱۲۲۲ھ ثانی کا بیٹا سلطان سلیم خان ثالث تخت خلافت پر متمکن

عہد سلطنت تقریباً ۱۹ سال ہوا یہ سلطان بہادر اور منتظم تھا۔

عنان سلطنت سنبھالتے ہی سب سے پہلے اس نے فوج کا انتظام کیا۔ اور ایک لاکھ پچاس ہزار جانباز سپاہی جمع کئے۔

۱۲۱۵ء میں شاہ غسا اور روس پر چڑھائی کی گئی۔ آخر کئی مہینے کی خونریز لڑائی کے بعد سپہ سالار روس نے صلح کر لی۔

لیکن ملکہ کیتھرائن (جو ۱۷۹۱ء میں اپنے شوہر پیٹرس سوم کو زہر دیکر خود تخت

روس پر بیٹھ گئی تھی، یہ صلح منظور نہ کی۔ بلکہ ایک لشکر جرار قلعہ اسمٰعیل پر روانہ کر دیا۔
اس قلعہ میں صرف تین ہزار کی تعداد میں اسلامی فوج تھی روسی لشکر نے اس قلعہ پر اسقدر یورش کی۔ کہ قلعہ کا خندق مسلمان سپاہیوں کی لاشوں سے بھر گیا غرضیکہ قلعہ کی تمام محافظ فوج میں سے صرف ایک سپاہی کسی طرح بچ گیا جس نے قسطنطنیہ میں آکر اس ہولناک واقع کی خبر دی۔ اور اسلامی فوج میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔ قریب تھا کہ بلکہ کیتھرائن اور اسکی روسی فوج کو پامال کر دیا جاتا۔ لیکن شاہ برطانیہ و شاہ پرشیا نے بیچ بچاؤ کر کے صلح کرا دی۔ فوج میں چونکہ انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی اس لئے انہوں نے اس صلح کو ناپسند کیا بلکہ اسی سلسلہ میں یوسف پاشا کو عہدہ وزارت سے معزول کر دیا گیا۔ ان دنوں فرانسیس کا بادشاہ بونا پارٹ تھا جو انگریزوں میں بڑا مدبر اور بہادر بادشاہ گذرا ہے۔ سلطان روم نے اس سے عہد استوا قائم کر کے اپنی فوج کے چند افسروں کو بونا پارٹ کے پاس قواعد جنگ کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے روانہ کیا۔

لیکن اس بات سے ینگ چری فوج بدظن ہو گئی۔ اور انہوں نے بغاوت شروع کر دی۔

۱۲۰۱ھ میں ادرخان نے قسطنطنیہ میں بھی قواعد دان فوج تیار کر لی۔ اور جنہوں نے جنگ عکہ میں بڑی بہادری دکھلائی۔

دوسرے شہر قرمان میں قاسی پاشا کے زیر نظامت ۱۶ ہزار سپاہی قواعد دان ہو چکے تھے۔ سلطان روم نے ینگ چری فوج کی بغاوت دور کرنے کے لئے قاضی پاشا کو معہ قواعد دان فوج کے اسلام بول میں بلایا۔

جس کے آتے ہی ینگ چری فوج کی بغاوت دور کرنے کیلئے قاضی پاشا

کو معہ قواعد دان فوج کے اسلام بول میں بلایا۔
جس کے آتے ہی ینگ چری فوج نے طوفان بپا کر دیا۔ قاضی پاشا قتل ہوتے ہوتے بچ گئے۔ کئی مکان جلا دیئے گئے۔ قہوہ خانوں اور مسجدوں میں میں باغیوں نے اراکین سلطنت کے متعلق زہر اگلا۔ وزرا امرا اور سلطان پر کافر ملحد بے دین کے آوازے کسے گئے۔
سلطان روم نے سوائے اس کے کوئی چارا نہ دیکھا کہ قاضی پاشا کو قرمان کی طرف واپس روانہ کر دیا۔ ادھر باغیوں کو تسلی و تشفی دیکر اپنے قابو میں کر لیا۔
ادھر بونا پارٹ نے انگریزوں کا ناطقہ بند کر رکھا تھا انہوں نے سلطان روم کو بونا پارٹ سے علیحدہ کر کے اپنے ساتھ ملانا چاہا لیکن سلطان روم نے بونا پارٹ سے نہ بگاڑی۔ اس انکار پر شاہان یورپ نے ملکر سلطان روم پر چڑھائی کی۔ اسی مہم میں شہر اسکندریہ پر قبضہ کر لیا۔ لیکن محمد پاشا حاکم مصر نے اپنی تیغ جوہر دار چمکا کر اسکندریہ کو پھر واپس لے لیا۔
۱۲۲۱ھ سلطان سلیم خان ثالث نے پھر فوج نظام کو ترتیب دینا شروع کیا لیکن بحر اسود میں اس جدید فوج کا ایک بھاری دشمن پیدا ہو گیا جس کا نام قبیقچی اوغلی تھا۔ یہ اپنی ینگ چری فوج کے ساتھ قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوا تاکہ اس جدید فوج کے حامیوں کو خاک و خون میں ملا دے قبیقچی کا یہ گروہ جو فوج یمق کے نام سے مشہور تھا جب قسطنطنیہ کے پاس پہنچا تو اس گروہ نے قسطنطنیہ کی ینگ چری فوج کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور ان باغیوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا۔ تمام وزرا اور امرا سلطنت قتل کر ڈالے۔ شیخ الاسلام نے بھی قبیقچی کا ساتھ زیادہ اس لیئے دیا کہ وہ بھی اسلامی فوج کی وردی کے بالمقابل عسائیوں کی وردی میں فوج کو دیکھنا پسند نہ کرتا تھا۔

نیگ چری فوج کے سپاہیوں نے رعایا کو بھی اسلامی تمدن کا حوالہ دیتے اور اہل یورپ کی تقلید سے نفرت پیدا کرتے ہوئے اپنے ساتھ ملا لیا۔ جس کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۲۲۲ھ میں سلطان سلیم خان ثالث کو تخت سے اتار کر قید کر دیا گیا۔ ترکی کا زوال اسی گذشتہ سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں ہوا ہے جس کے متعلق جریدہ اخبار زمیندار کا مندرجہ ذیل اقتباس جو ناظرین کی تاریخی معلومات میں اضافہ کا باعث ہے۔ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

سلیمان کے بعد سلطانوں نے فوجی طاقت بڑھانے میں دلچسپی لینی چھوڑ دی ایران کے ساتھ متعدد جنگیں ہوئیں۔ لیکن نقصان اور فوائد کے برابر ہونے سے توازن قائم رہا سطواخورک میں ۱۶۰۶ کی صلح اور رواسوار کے عہد نامہ کی رو سے جنگوں کا خاتمہ ہو گیا۔ اور سابقہ مقبوضات طرفین کے قبضہ میں بدستور رہے اس عہد نامہ کی ایک دفعہ کی رو سے آسٹریا ترکی باجگذاری سے آزاد ہو گیا کریٹ کے حصول پر وینس کے ساتھ ۱۶۴۴ سے ۱۶۶۹ تک جنگوں کا خاتمہ ہو گیا۔ خاندان کیوپریلی میں وزارت آنے کی وجہ سے زوال سلطنت کچھ دیر تک رک گیا۔ یہ سلسلہ ۱۶۵۶ سے ۱۶۷۶ تک قائم رہا۔

۱۶۸۳ سے ۱۷۴۰ تک پھر نقصان ہونا شروع ہوتا ہے۔ ۱۶۸۳ میں جب ویانا کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔ تو سخت ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ روس آسٹریا اور وینس سے ۱۶۹۹ کی لڑائیوں میں شدید مقبوضاتی نقصان اٹھانا پڑا (صلحنامہ کارلووٹس) ۱۷۱۵ سے ۱۷۱۸ تک آسٹریا کی لڑائی میں روس اور آسٹریا سے چند علاقہ جات دوبارہ حاصل کئے (صلحنامہ بلگراد) ترکی نے ایک جدید عہد نامہ ۱۷۴۰ میں فرانس سے کیا۔ جس کی رو سے غیر ملکی باشندوں کو بہت مراعات سلطنت عثمانیہ میں مل گئیں۔

۱۷۶۸ سے ۱۷۷۴ کی جنگ سخت نقصانات پر ختم ہوئی۔ چنانچہ تاتاری کریمیا جاتا رہا۔ اور روس کو عثمانیہ سلطنت میں رعائتیں مل گئیں (عہدنامہ کوچک کینہارجی) روس کی بڑھتی ہوئی طاقت ۱۷۸۴ قسطنطنیہ کے عہدنامہ کی رو سے رک گئی۔ ۱۷۸۷ سے ۱۷۹۲ تک روس اور آسٹریا سے جو لڑائیاں ہوئیں ان میں سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ اور عہدنامہ جیسی کی رو سے روس کو چند ترکی علاقہ جات میں دخل حاصل ہو گیا

اسی دوران میں ایک مذہبی وہابی فرقہ نے عرب میں اقتدار حاصل کر لیا۔ زمانہ ۱۶۹۱ سے ۱۷۹۱ یعنی پوری ایک صدی تک رہا۔ ابن عبدالوہاب اس فرقہ کا بانی تھا۔ اس کے پیروں نے کربلا معلی اور مکہ مکرمہ کو ۱۸۰۱ میں فتح کیا۔ اور مدینہ کو ۱۸۰۴ میں تسخیر کر لیا۔ لیکن ان تمام علاقوں کو ابراہیم پاشا محمد علی پاشا والی مصر کے لڑکے نے ۱۸۱۸ میں وہابیوں سے فتح کیا۔ سلطان نے ابراہیم پاشا کو بہت انعام و اکرام دے کر خاص عزت کی۔ اگرچہ وہابی فرقہ کی سرکوبی ہو گئی لیکن آجتک یہ فرقہ چلا آتا ہے۔ اور ۱۹۲۵ میں سلطان ابن سعود نے پھر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پر قبضہ کر لیا ہے۔

مقامی حاکموں نے دلوں میں خود مختاری کا جذبہ بتدریج نشوونما پاتا رہا۔ چنانچہ ۱۸۰۰ کے قریب احمد پاشا والی تیبیا نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔

انیسویں صدی کے امور سیاسیہ (۱۷۹۲ تا ۱۸۰۷)

سلطان سلیم سوم کی اصلاحات ۱۷۸۹ سے شروع ہوتی ہیں۔ اور ۱۸۰۷ میں ختم ہو جاتی ہیں۔ ترکی بادشاہ (سلطان) اور مدبروں کا اصلاحات کی طرف یہ پہلا قدم ہے۔ فوج حکومت اور تعلیم کی اصلاح کی گئی۔

۱۷۹۸ اور ۱۷۹۹ میں نپولین اعظم نے مصر پر حملہ کیا۔ فرانسیسیوں نے مشرق اور مغرب کے درمیان آمدورفت کا راستہ پہلی دفعہ کھولا۔ چنانچہ مصر نے دوسری

یورپی طاقتوں کی بھی توجہ اپنی طرف کھینچی۔

۱۸۰۵ء میں محمد علی البانیہ مصر کا پاشا ہو گیا۔ نیوبیا۔ عرب۔ سارڈینیا۔ کریٹ شام اور سلیشیا پر بھی اس کی حکومت ہو گئی ۱۸۲۲ء میں یونانی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے سلطان نے اس سے کمک مانگی۔ کامیابی یقینی تھی مگر یورپی مداخلت سے ہزیمت اٹھانی پڑی (دوزینا کی لڑائی ۱۸۲۷ء) محمد علی پاشا نے خود ترکی پر حملے شروع کر دیئے (۱۸۳۱-۳۳-۳۹) مغربی مداخلت سے قسطنطنیہ بڑی مشکل سے اس کے ہاتھوں بچا۔ لیکن فرانس نے محمد علی پاشا کی حمایت برابر جاری رکھی روس نے سلطان کو ۱۸۳۳ء میں اپنی پناہ میں لیکر حفاظت کا ذمہ لیا جس کے صلہ میں سلطان نے روس کے سوا باقی تمام اقوام پر باسفورس۔ درہ دانیال اور بحیرہ مارمورا کے راستے بند کر دیئے روس نے انگلستان اور فرانس کا اتحاد ۱۸۳۹ء میں توڑ دیا۔ اور یہ عہد نامہ ہوا کہ تمام ترکی درے ہر قوم کے جنگی جہازوں پر مسدود کئے جائیں۔ محمد علی پاشا سے مصر اور نیوبیا اس کے خاندان کی وراثت قرار دی گئی ولی کا لقب جو گورنر مصر اختیار کرنے کا مجاز ہوتا تھا۔ خدیو یا وائسرائے تک ترقی کرے گا۔

ریاستہائے بلقان نے بھی آہستہ آہستہ خود مختاری کا اعلان کر دیا بلغاریہ کی آزادی ۱۹۰۹ء میں تسلیم کر لی گئی۔ اور ۱۸۰۴ء میں سرویا نے بھی بغاوت شروع کی۔ حتیٰ کہ ۱۸۷۸ء میں وہ بھی خود مختار ہو گیا۔ یونانی خود مختاری کی جنگیں ۱۸۲۱ء سے ۱۸۲۹ء تک ہوئیں اور اس کے بعد رومانیا ۱۸۷۸ء میں آزاد ہو گیا۔ ۱۹۰۸ء میں البانیہ بھی خود مختار ہو گیا۔

روسی لڑائیوں نے آگ پر تیل کا کام دیا۔ ۱۸۵۳ء سے ۱۸۵۶ء کی کریمیا کی جنگ خاص اہمیت رکھتی تھی۔ انگلستان اور سارڈینیا نے ترکی کی طرفداری کی

۱۸۵۶ میں روس کی بڑھتی ہوئی طاقت رک گئی۔ لیکن ۱۸۷۰ میں یورپ اور ایشیا دونوں میں اس سے بہت فائدہ ہوا۔

عبدالمجید اور عبدالعزیز کے عہد سلطنت میں بہت سی اصلاحات نافذ ہوئیں۔ پیرس کی کانگرس کے بعد ترکی کی سوشل حالت کو سدھر گئی۔ لیکن روپیہ کی کمی نے ترکی کی مالی حالت پر بہت برا اثر ڈالا۔ مالی کمزوری کی وجہ سے ۱۸۷۵ میں بوسنہ میں بغاوت ہو گئی۔ اور بلغاریہ نے اس کے ایک سال بعد سر اٹھایا۔ روس اور ترکوں کے درمیان ۱۸۷۷ اور ۱۸۷۸ میں ایک وحشتناک لڑائی ہوئی جس کے نتائج ترکی کے لئے بہت خطرناک ہوئے۔ چنانچہ انگلستان قبرص کا اجارہ دار ہو گیا۔ آسٹریا نے بوسنہ ہرس گو۔۔ اور نوی بازار پر قبضہ کر لیا۔ ان کا مقصد ایجیئن سے سلونیکا پہنچنے ...... اٹلی کو مانٹی نگرو اور البانیہ میں دلچسپی تھی۔ چنانچہ اس نے ٹریپولی کو ... حاصل کرنے کی ٹھانی۔ چونکہ فرانس کو ۱۸۷۰ میں شکست ہو چکی تھی۔ اس لئے اس نے صرف ٹیونس پر ہی اکتفا کیا۔

سنہ ۱۲۲۲ھ تا سنہ ۱۲۲۳ھ

مطابق

سنہ ۱۸۰۷ء تا سنہ ۱۸۰۸ء

مصطفیٰ خان رابع سنہ ۱۲۲۲ھ تا سنہ ۱۲۲۳ھ سلطان سلیمان خان کے مقید ہونے کے بعد سلطان عبدالحمید اول کے بیٹے مصطفیٰ خان ثالث نے عہد خلافت تقریباً ایک سال عنان سلطنت سنبھالی۔ لیکن اس کے عہد میں بھی بغاوت کا بازار گرم رہا۔ بلکہ سلطان سلیمان خان کو بھی قید خانہ میں قتل کر دیا گیا۔

لیکن بیرقدار سلطنت عثمانیہ کا بھی خواہ افسر تھا۔ اس نے باغیوں کا قلع قمع کرنے میں بہت کوششیں کی سلیمان خاں کے قتل کا اسے بہت افسوس ہوا۔ اور اگر بیرقدار سلطان محمود کو نہ بچاتا۔ تو وہ بھی باغیوں کے ہاتھ سے قتل ہو جاتا۔ لیکن بیرقدار نے قلعہ میں پہنچکر نہایت دلاوری سے سلطان محمود کو نکال لیا۔

اور اسی بغاوت کے سلسلہ میں سلطان مصطفٰے کو سلطنت سے معزول کر کے قید خانے میں بھیجدیا گیا۔ اور تخت خلافت محمود خاں کے سپرد کر دیا گیا

۱۲۲۳ھ تا ۱۲۵۵ھ
مطابق
۱۸۰۸ء تا ۱۸۳۹ء

محمود خان مصطفٰے خاں رابع کے معزول ہوتے ہی محمود خان سریر
۱۲۲۳ھ تا ۱۲۵۵ھ آرائے خلافت ہوا۔ یہ سلطان نہایت منتظم مہذب اور
عہد سلطنت تقریباً ۳۲ سال صلح کل تھا۔ اگرچہ انگریزی تہذیب و تمدن کا شیدا تھا لیکن مذہب اسلام کا خادم اور مسلمانوں کا خیرخواہ بھی تھا۔ اسی سلطان نے مغربی اثر سے متاثر ہو کر اپنے طرز عمل سے ترکان احرار کو حب الوطنی کا پہلا سبق دیا ہے۔

تخت نشین ہوتے ہی جو شاہی فرمان سلطان محمود نے اپنے قلم سے لکھ کر رعایا میں شائع کیا ہے۔ اس فرمان سے اس روشن خیال سلطان کے خیالات معلوم ہو سکتے ہیں۔ لہذا وہ فرمان یہ ہے۔

آپ کو معلوم ہے "کہ دولت عثمانی کی صبح جیسی ہی نمودار ہوئی۔ اسیوقت

سے تمام رعایا سلاطین کے زیر سایہ شادان و فرحان امن و امان سے اپنی زندگی بسر کرتے رہے۔ بہادران اسلام کے لشکر کی ہیبت غیر اقوام کے بادشاہ لرزتے تھے۔ ہر ایک معرکۂ کارزار میں جانثاران اسلام معاندین پر غالب رہے۔ شجاعان اسلام نے بے پایاں مال غنیمت حاصل کیا۔ اور پرچم ہلالی نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِيْبٌ کی برکت سے کبھی سرنگوں نہ ہوا۔

میں فوج ینگ چری سے نہایت خوش ہوں کہ وہ جہاد اسلام میں سر بکف ہے اور دشمنان اسلام کے لئے اُن کی شمشیر آبدار بے نیام ہے اُن کی اس خدمات کا صلہ میں معقول وظائف مقرر کئے گئے ہیں۔ ساتھ ہی مجھے اس بات کا افسوس بھی ہے کہ سابقہ اسلامی فوج نے اپنے اسلاف کا طریقہ چھوڑ دیا ہے اور ذلت و نکبت کی خاک اپنی آنکھوں میں جھونک لی ہے۔ سب کے سب لہو لعب میں مصروف ہیں اور سرتابی و عصیاں سے الوث ہیں۔ بعض ایسے ہیں جنہوں نے اپنی اپنی معاش کی سندات کاہل اور بزدل لوگوں کے ہاتھ فروخت کر دی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حشمت و اقبال نے ان سے منہ پھیر لیا ہے۔ جرات و شجاعت انکے دلوں سے جاتی رہی ہے۔ فن سپاہ گری سے منہ موڑ رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ دشمنوں نے ہمارے ملک پر دست دراز کیا ہے۔

میں بہادر ینگ چری فوج اور ہر ایک سپاہی سے کہتا ہوں کہ اس خواب غفلت سے ہوشیار ہو جاؤ۔ اطوار ناہنجار سے باز آجاؤ۔ جوہر شجاعت دکھاؤ اور زنانہ سلفت کے جان نثاران اسلام کے نقش قدم پر گامزن ہو جاؤ۔ تاکہ تم لوگوں سے سلطنت عثمانیہ کا حصار قائم رہے۔ اور دشمنان اسلام پامال ہوا۔

میں چاہتا ہوں کہ تمہارے خون حمیت سے نخل اسلام کو سینچوں۔ اور تمہاری تشنہ خون تلواروں کو دشمنان دین کا خون پلاؤں۔ مگر تم بھی اپنا فرض بجا لاؤ۔

تمہیں جدید قواعد دان فوج کے مقابل ہونا ہے۔ جدید آلات توپ و تفنگ سے مقابلہ کرنا ہے۔ اس لئے تم بھی قواعد دان ہو۔ اور جو آلات دشمنوں نے ہمارے لئے ایجاد کئے ہیں انہیں آلات سے تم اپنے دشمنوں کو خاک و خون میں ملاؤ۔ بس محض اسی لئے ہیں جدید قواعد دان فوج کا موئید ہوں۔ زمانہ کے مطابق کام کرنا ہے گناہ نہیں بلکہ خدا و رسول کا حکم ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ وسلک مسالک النبی المجتبیٰ"

اس فرمان سے تو سلطان محمود کے خیالات ظاہر ہوتے ہیں اب اُن کا عملی نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

اس سلطان نے اپنی حدود سلطنت میں مختلف مذاہب کی رعایا کو اجازت دیدی کہ اپنے مذہب کے مطابق اپنی اپنی رسومات مذہبی ادا کریں۔

عیسائی گرجوں کی خود مرمت کرادی۔

اپنے ملک میں اسکول مقرر کئے اور کل مذاہب کے لوگوں یعنی۔ یہودی۔ عیسائی مسلمان برابر بلا تعصب تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دی۔

غلامی کے رواج کو جو اسوقت خلاف شرع جاری تھا موقوف کر دیا اور تمام کیا یک جو بطور غلامی پکڑے گئے تھے۔ آزاد کر دیا۔ یہ حکم ۱۸۳۰ء میں نافذ کیا گیا تھا۔

اس نے لباس اور طریق زندگی کو بھی بدل دیا تاکہ دیگر قومیں مسلمانوں کو حقارت سے نہ دیکھیں۔

سلطان محمود کا عہد سلطنت زیادہ تر فوجی نظام۔ امور انتظام سلطنت اور باہمی صلح جوئی میں گذرا ہے۔ لیکن ابھی وہ انہیں اصلاحات کے درپے تھا کہ ۱۸۳۱ء محمد علی پاشا حاکم مصر نے اپنے بیٹے ابراہیم شاہ کو تیس ہزار لشکر کے

کے ساتھ شہر عسکہ پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ کردیا۔ اور کچھ بحری جہاز بھی بھیجدیئے
سلطان اس خبر کے سنتے ہی ششدر ہوگیا چنانچہ اسی وقت حسین پاشا
کو فوج کا سپہ سالار مقرر کرکے محمد علی پاشا کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا گیا۔

لیکن ابراہیم سلطانی فوج پہنچنے سے قبل عسکہ صیدا بیروت پر اپنا
قبضہ کرکے دمشق کی طرف بڑھ گیا تھا۔ حتی کہ اس نے دمشق کو بھی فتح کرلیا۔ اس
کے بعد حمص کی طرف بڑھا۔ لیکن وہاں محمد پاشا والی حلب بموجب فرمان
سلطان ابراہیم سے مقابلہ کیا۔ اور جنگ شروع ہوگی۔ کئی روز کی خونریز جنگ
کے بعد آخر محمد پاشا والی حلب شکست کھاکر بھاگا۔ اور لشکر سلطانی سے یعنے
حسین پاشا سے جاملا۔

وہاں سے یہ دونوں سپہ سالار حلب میں پھر آئے۔ لیکن اہل حلب کو
ابراہیم نے ایسا مطیع کرلیا تھا کہ انہوں نے انکو شہر کے اندر گھسنے نہ دیا۔ مجبوراً
انکو انطاکیہ کی طرف جانا پڑا۔

لیکن ابراہیم انطاکیہ میں بھی آن پہنچا۔ وہاں بھی لڑائی چھڑ گئی۔ لیکن میدان
ابراہیم کے ہاتھ رہا۔

۱۲۵۵ھ میں سلطان روم نے حافظ پاشا کو سپہ سالار مقرر کرکے ابراہیم
پاشا کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ راستے میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔
اور حافظ پاشا نے ابراہیم کو شکست دی لیکن ابراہیم نے منتشر فوج
کو ایک ٹیلہ پر جمع کرکے وہاں لشکر سلطانی پر آگ برسانی شروع کردی جس کی
وجہ سے سلطانی لشکر تتر بتر ہوگیا۔ ابھی یہ جنگ جاری ہی تھی۔ کہ ۱۹ ربیع الثانی
۱۲۵۵ھ کو سلطان ذی شان محمود خان نے اس عالم فانی کو چھوڑ کر عالم جاودانی کو لبیک کہا
إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

۱۲۵۵ھ تا ۱۲۷۷ھ
۱۸۳۹ء تا ۱۸۶۱ء

سلطان عبد المجید خان ۱۲۵۵ھ تا ۱۲۷۷ھ عہد سلطنت تقریباً ۲۲ سال

اس سلطان نے بھی سلطان محمود کا طرز عمل اختیار کیا۔ مغربی طرز تمدن کا یہ اسقدر دلدادہ تھا کہ بالکل یورپین لباس میں ملبوس رہتا۔ اور چھری کانٹے سے میز پر کھانا کھاتا تھا۔ فرانس کے طریقہ پر تمام انتظام سلطنت قائم کیا۔ عدالتوں کے جدید قوانین بنائے۔ پبلک انسٹرکشن کو کونسل اور یونیورسٹی قائم کی۔ نارمل سکول بنائے۔ اور یورپین سلطنتوں سے اتحاد کیا۔

غرضیکہ اس سلطان کا عہد سلطنت دور جدید کی ترقی کا نمونہ تھا۔ صرف دار الخلافہ قسطنطنیہ سے پندرہ اخبار فرنچ ٹرکی اور گریک زبان میں نکلتے تھے۔ اس کے وقت میں انگریزوں کو بڑی مراعات حاصل ہوئیں۔ اس لئے بندرگاہ عرب سے لیکر سرحد مصر تک انگریزوں کا اجارہ ہو گیا۔

لیکن اہل عرب اس جدید طرز تمدن سے متنفر تھے۔ اسی لئے انہوں نے بعض انگریزوں کو حجاز مقدس میں بے ادبی کرتے ہوئے قتل کر دیا۔ اس بعض انتقام میں جب انگریزوں کا جنگی جہاز بندر عدن سے جدہ میں آیا۔ تو ترکوں نے انگریزوں کی مدد کی۔ ہزاروں اہل عرب توپ کے گولوں سے اڑا دیئے گئے۔ اس پر جب اہل عرب نے دربار خلافت میں انگریزوں کے ظلم کی شکایت کی تو کچھ شنوائی نہ ہوئی اس وجہ سے اہل عرب ترکوں سے بدظن ہو گئے۔

سنہ ۱۸۵۶ء میں زار روس سے ترکوں کی ایک خونریز جنگ ہوئی جو جنگ کریمیا

کے نام سے مشہور ہے۔ ترکی لشکر کا بہادر سپہ سالار عمر پاشا تھا جس نے بڑی دلاوری سے تین برس تک اس جنگ عظیم کو جاری رکھا۔ اس جنگ میں برطانیہ اور فرانس نے ترکوں کی مدد کی تھی جس کا آج تک مسلمانوں پر احسان یاد دلایا جاتا ہے لیکن جنگ کریمیا کی فتح کا سہرا دلاور عمر پاشا کے سر ہے جس نے پسینے کے بدلے اپنا لہو بہا کر اسلامی لشکر کی لاج رکھ لی۔ اور روس کو شکست فاش دی۔

ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کا تنزل، اسلامی حکومت کا خاتمہ اور انگریزوں کا تسلط ۱۷۰۷ء تا ۱۸۵۷ء

۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب عالمگیر دکن سے دہلی کو واپس آ رہا تھا کہ احمد نگر کے قریب فرشتہ اجل نے اُسے آگے جانے کی مہلت نہ دی۔ چنانچہ اس فاتح اعظم خادم دین شاہنشاہ محی الدین نے ۹۸ برس کی عمر میں ۱۳ فروری ۱۷۰۷ء کو اس جہان فانی سے عالم جاودانی کو لبیک کہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

متعصب لوگ کچھ کہیں مگر انصاف پسند لوگوں کو اس بات کا اعتراف ہے کہ یہ شاہنشاہ ہند عالی دماغ، مستقل مزاج، پاکیزہ خیال، مذہب اسلام کی سادگی کا عملی نمونہ تھا۔ شاہی خزانے سے اپنی ذات کے لئے ایک پائی تک نہ لیتا تھا اپنا گذارہ قرآن شریف کی کتابت اور ٹوپیاں کاڑھ کر کرتا تھا۔ پرلے درجہ کا متقی اور پرہیزگار تھا۔

بستر مرگ پر بھی اپنی عادت و اطوار کو نہیں بدلا۔ چنانچہ اپنے بیٹوں کو نصیحت کی کہ میرے بعد خواہ مخواہ لڑائی جھگڑا نہ کرنا۔ اپنی زندگی میں بیٹوں کے لئے ملک کو اس طرح تقسیم کیا۔ شمالی حصہ معظم کو دیا۔ وسطی اور شرقی اعظم کو۔ اور دکن کا علاقہ کام بخش کو۔

لیکن باپ کے مرتے ہی بھائیوں نے تخت یا تختہ کی ٹھان لی۔
جسوقت اورنگ زیب عالمگیر نے رحلت کی اسوقت معظم کابل میں تھا اور اعظم باپ کے پاس کام بخش حیدرآباد دکن میں۔
اعظم نے اپنے دونوں بھائیوں کی غیر موجودگی میں اپنی شاہنشاہی کا اعلان کر دیا۔ اور پیش بندی کے لئے آگرہ کی طرف بڑھا تاکہ اپنے بھائی معظم کو راستے ہی میں روک لے لیکن اعظم خود ہی اپنے بیٹے بیدار بخت سمیت اس جنگ میں مارا گیا۔
اعظم کے مرنے کے بعد معظم نے اپنی رسم تاجپوشی ادا کی لیکن کام بخش نے اسے بادشاہ تسلیم نہ کیا۔
بہادر شاہ آخر ۱۷۰۸ء میں کام بخش حیدرآباد دکن میں اپنے بھائی سے لڑتے ہوئے مارا گیا اور معظم بہادر شاہ کے نام سے کل سلطنت کا تنہا وارث ہو گیا۔
۱۷۰۸ء گورو گوبند سنگھ نے اپنے مذہبی پیشوا گورو رام داس (جنہوں نے امرتسر کی بنا ڈالی اور سکھوں کا ایک مرکز قائم کر دیا) کی گدی سنبھالی لیکن انہوں نے سکھ قوم کو ایک پرجوش سیاسی گروہ بنا دیا۔ چنانچہ اس گروہ نے شاہی سلطنت سے چھیڑ چھاڑ کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گورو گوبند سنگھ قتل ہو گئے۔
اسکے بعد بندا نے شاہی علاقوں کو تاخت و تاراج کرنا شروع کیا بلکہ سرہند تک تباہ کر ڈالا۔ اس بات کی جب بادشاہ کو خبر ہوئی تو بہادر شاہ انکی سرکوبی کے لئے خود پہنچا۔
لہذا بندا اور اس کے ساتھیوں کو سرمور کی پہاڑیوں میں پناہ لینی پڑی۔

بہادر شاہ ابھی سکھوں کے تعاقب میں ہی تھا۔ کہ یکایک لاہور میں پہنچکر ۱۷۱۲ء جاں بحق ہوا۔

مرحوم کے چار بیٹے تھے۔ باپ کے مرنے بعد تخت کے لئے ان چاروں

جہاندار شاہ بھائیوں میں تلوار چلی۔ آخر سپہ سالار ذوالفقار کی امداد سے سب سے بڑے بیٹے جہاندار شاہ کو تخت ملا۔

جہاندار شاہ نے تخت پر بیٹھتے ہی تیموری نسل کے سب مردوں کو تہ تیغ کردیا۔ اس فعل سے ارکین سلطنت مشتعل ہو گئے۔

جہاندار کے بھائی عظیم الشان کا ایک لڑکا فرخ سیر بنگال میں ہونے سے بچ گیا تھا۔ اُس نے ارکین سلطنت کی وساطت اور حاکمان بہار و الہ آباد سید حسن علی و سید عبداللہ کی مدد سے جہاندار سے جنگ کی اور اسے شکست دیکر مار ڈالا۔ ذوالفقار خان بھی اسی جنگ میں مارا گیا۔

فرخ سیر اس فتح یابی کے بعد فرخ سیر نے عنان سلطنت سنبھالی۔ اس زمانہ میں دکن کا صوبہ دار نظام الملک تھا۔ وہ بڑا با تدبیر اور منتظم شخص تھا اُس نے دکن میں مرہٹوں کی روز افزوں طاقت دیکھکر مرہٹوں میں نفاق ڈالنے کی کوشش کی ابھی وہ اپنی کوشش میں ہی تھا۔

کہ دربار سلطنت کے جھگڑوں میں سید حسین علی حاکم دکن مقرر ہو گیا۔ اس لئے نظام الملک کو اپنا کام ادھورا چھوڑ دینا پڑا۔

حسین علی نے دکن میں پہنچکر مرہٹوں کو اپنے ساتھ ملالیا۔ اور فرخ سیر سے تخت چھیننے کی غرض سے آگرہ کی طرف بڑھا۔ فرخ سیر اگرچہ قتل ہو گیا۔ لیکن اس کی جگہ اس کے چچازاد بھائی رفیع الدرجات نے ۱۷۱۹ء میں سنبھال لی۔ لیکن یہ بادشاہ بھی چند مہینے زندہ رہکر داعئی اجل ہوا۔ اس کے بعد رفیع الدولہ

تخت نشین ہوا۔ لیکن وہ بھی بہت جلد جان بحق ہوا۔

اس زمانہ میں سیدوں کا زور تھا۔ وہ جس کو چاہتے تھے تخت پر بٹھا دیتے تھے۔ آخر انکی نگاہ بہادر شاہ کے پوتے روشن اختر پر پڑی جس کو ۱۷۲۰ء میں محمد شاہ کے لقب سے ملقب کر کے تخت پر متمکن کیا گیا۔

محمد شاہ

اسی اثنا میں نظام الملک دربار کی ابتر حالت ہونے کا باعث وزارت سے مستعفی ہو کر حیدر آباد دکن میں چلا گیا۔ اور وہاں کے حاکم کو شکست دیکر خود دکن پر قابض ہو گیا۔

نظام الملک نے اگرچہ مرہٹوں کی طاقت مٹانے کی بہت کوشش کی لیکن باجی راؤ نے اپنی قوم کو اسقدر طاقتور بنا لیا تھا کہ انھوں نے دہلی کی طرف چڑھائی کر دی۔ آخر شاہی سلطنت نے مالوہ۔ نربدا۔ اور چنبل کے درمیانی علاقے دیکر اپنی سلطنت کو بچا لیا۔

نادر شاہ

مرہٹوں سے ابھی رہائی نہ حاصل ہوئی تھی کہ ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ ایران سے چڑھ دوڑا۔ اور پنجاب کے سب دریاؤں کو عبور کر کے سیدھا دہلی کی طرف بڑھا۔ ادھر سے محمد شاہ بھی اپنے شاہی لشکر کے ساتھ مدافعت کے لیے نکلا۔ دونوں فوجیں کرنال کے میدان میں بھڑ گئیں۔ لیکن نادر شاہ کی خونخوار فوج کے سامنے محمد شاہ کو صلح کی درخواست کرنی پڑی دونوں بادشاہ دہلی میں آئے۔ لیکن کسی نے افواہ اڑا دی کہ نادر شاہ نے محمد شاہ مروا ڈالا۔ اس افواہ کے سنتے ہی دہلی کے لوگ نادر شاہ کے جوانوں پر پل پڑے۔ نادر شاہ نے جب یہ حالت دیکھی تو قتل عام کا حکم دیدیا دم بھر میں کشتوں کے پشتے لگ گئے۔

آخر محمد شاہ اور نظام الملک وغیرہ کی استدعا پر نادر شاہ نے قتل ہٹنے کا حکم دیا

اس شرمناک واقعہ اور نادر شاہ کی واپسی کے بعد نظام الملک بھی دکن واپس چلا گیا۔ جہاں اُسے نزاعات کے جھگڑوں میں پھنسنا پڑا۔ اور انہی مخمصوں میں ۱۷۴۸ء میں فوت ہو گیا۔

نادر شاہ ایران واپس جانے کے چند سال بعد مارا گیا۔ اور ایک سالار احمد شاہ ابدالی نامی اس کے خزانوں پر قبضہ کر کے کابل و قندھار کا مالک بن بیٹھا اسی اثنا میں احمد شاہ نے ۱۷۴۸ء میں پنجاب پر حملہ کر کے لاہور و ملتان دبا لیے۔ محمد شاہ نے اپنے وزیر قمر الدین خان اور اپنے ولی عہد احمد شاہ کو اس کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ چنانچہ ۱۷۴۸ء میں سرہند کے مقام پر معرکہ ہوا۔ اور سلطنت مغلیہ کی فوج نے میدان جنگ میں یہ سب سے آخری کامیابی حاصل کی۔

احمد شاہ } اس فتح کے ایک ماہ بعد محمد شاہ نے اٹھائیس سال سلطنت کر کے رحلت کی اور اس کی جگہ فاتح سرہند احمد شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ لیکن امرائے دربار اور ارکین سلطنت کے باہمی تنازعات کا یہ اثر ہوا کہ شہاب الدین

عالمگیر ثانی } وزیر نے اس بادشاہ کو تخت سے اتار کر اندھا کر دیا۔ اور اس کی جگہ جہاندار شاہ کے بیٹے عالمگیر ثانی کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔

شہاب الدین نے اس کام سے فراغت پا کر لاہور پر حملہ کیا لیکن احمد شاہ ابدالی نے اسکی بجائے ہندوستان پر حملہ کر کے دہلی و متھرا کو لوٹ کر برباد کیا اور ۱۷۵۷ء میں کابل واپس چلا گیا۔

علی وردی خان } اسی بدانتظامی کے زمانہ میں علی وردی خان صوبہ بنگال۔ بہار اڑیسہ کا مالک بن بیٹھا۔ اُس نے چودہ سال تک وہاں اچھی حکومت کی آخر ۱۷۵۶ء میں فوت ہو گیا۔

سراج الدولہ } اُس کی جگہ اس کا نواسہ سراج الدولہ تخت نشین ہوا۔ اس کے

عہد سلطنت میں ایک شخص کشن داس نامی مفرور نے کلکتہ میں پہنچکر انگریزوں کے زیر تعمیر قلعہ فورٹ ولیم میں جاکر پناہ لی۔

چنانچہ سراج الدولہ نے گورنر کلکتہ کو لکھا کہ ایک تو یہ قلعہ تعمیر نہ کیا جائے دوسرے مفرور کشن داس کو ہمارے حوالہ کردیا جائے۔

لیکن انگریزوں نے دونوں باتیں منظور نہ کیں۔ اس لئے سراج الدولہ نے قاسم بازار کی کوٹھی پر قبضہ کرکے کلکتہ پر چڑھائی کی۔

اگرچہ انگریزوں نے اپنی تھوڑی جمعیت سے بڑی دلاوری سے مقابلہ کیا لیکن شاہی فوج سے کہاں بچ سکتے تھے۔ مجبوراً قلعہ فورٹ ولیم نواب کے حوالے کردینا پڑا۔ اور اس واقعہ میں جو انگریز نواب کے ہاتھ آئے کل مرد و عورتوں کی تعداد ۱۴۶ تھی۔ جو ایک نہایت تنگ و تاریک کوٹھری میں بند کردیئے گئے۔ اسی جگہ کا نام بلیک ہول ہے

واقعہ بلیک ہول

جب اس ہولناک واقعہ کی خبر مدراس میں پہنچی تو وہاں کے انگریزوں کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔ چنانچہ انگریزوں کی بری فوج کرنیل کلائیو کی اور بحری فوج واٹسن کی سرکردگی میں کلکتہ پہنچی۔ جنہوں نے کلکتہ پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد انگریز ہگلی پر بھی قابض ہوگئے۔

جنگ پلاسی

۱۷۵۷ء جنگ پلاسی وقوع میں آئی۔ ۲۳ جون کو انگریزی فوج نے نواب کی فوج پر حملہ کیا۔ اور انگریزوں کی فتح ہوئی نواب سراج الدولہ بھی اس جنگ میں مارا گیا۔

میر جعفر

نواب مرحوم کے بعد میر جعفر کو تخت حکومت ملا۔ لیکن میر جعفر کو بادشاہ عالمگیر ثانی کی منظوری کے بغیر نواب بنایا گیا تھا۔ اس لئے ۱۷۵۸ء میں شہزادہ عالی گوہر شجاع الدولہ نواب اودھ کو ہمراہ لیکر بنگال پر

چڑھائی کی۔ لیکن انگریزوں نے اُس کی مدد کی اور اسی لئے شہزادہ عالی گوہر نواب شجاع الدولہ کو واپس آنا پڑا۔

اب مرہٹوں نے ہندوستان میں اپنے پاؤں جما لئے تھے۔ لیکن احمد شاہ ابدالی کو یہ بات گوارا نہ ہوئی چنانچہ اس نے تمام مسلمان نوابوں کو اپنے ساتھ ملا کر ۱۷۶۱ء میں پانی پت کے مقام پر مرہٹوں کو نہیں بلکہ تمام ہندو قوم کو کیونکہ اس جنگ میں نہ فقط مرہٹے اور انکے پیشوا مسلمانوں سے آخری فیصلہ کرنے کے لئے جمع تھے۔ بلکہ مہاراجہ ہلکر اور سندھیا تک اس جنگ میں شامل تھے۔ لیکن اس جنگ میں بھی مسلمانوں کو عظیم الشان فتح حاصل ہوئی۔ بلکہ وشواش راؤ بہادر مرہٹوں کے پیشوا اور مہاراجہ سندھیا مارے گئے۔ راجہ ہلکر نے بھاگ کر اپنی جان بچائی۔

جوان بخت } احمد شاہ اس فتحیابی کے بعد شہزادہ عالی گوہر کے بیٹے جوان بخت کو تخت بنگال پر بٹھا کر واپس چلا گیا۔

۱۷۷۸ء میں انگریزوں نے فرانسیسیوں کے کل ہندوستانی مقبوضات پر قبضہ کر لیا تھا۔ انہیں مقبوضات میں ایک شہر ماہی تھا۔ جو نواب میسور حیدر علی کی حدودِ سلطنت میں تھا۔ اس پر نواب میسور حیدر علی غضبناک ہو گیا۔

نواب حیدر علی } چنانچہ نواب حیدر علی نے مرہٹوں کو ساتھ ملا کر کرناٹک پر حملہ کر دیا۔ اور انگریزوں کو شکست فاش دیکر ان کا تمام علاقہ تاخت و تاراج کر دیا۔

اس شکست کا بدلہ لینے اور مدراس کو بچانے کے لئے انگریزوں نے ۱۷۸۱ء میں مدافعانہ جنگ کی تیاری کی۔ اور حیدر علی نے شکست کھائی اور ۱۷۸۲ء میں جان بحق ہوا۔

بہادر ٹیپو سلطان حیدر علی کی وفات کے بعد ٹیپو سلطان نے مدراس پر حملہ کر دیا۔ مگر انگریزوں نے بہت جلد صلح کر لی۔ بلکہ سلطنت میسور کے تمام فتح شدہ علاقے ٹیپو سلطان کو واپس دیدیئے گئے۔

ٹیپو سلطان کو تخت سلطنت پر بیٹھے ابھی آٹھ ہی برس ہوئے تھے۔ کہ اس نے اپنی اولالعزم مردانگی سے مالابار، کورگ کنارا اور میسور کے مضافات کے کئی ایک علاقے فتح کر لیئے۔

۱۷۸۹ء اس کے بعد ٹراونکور پر (جو انگریزوں کے ماتحت تھا) حملہ کر دیا راجہ ٹراونکور نے انگریزوں سے امداد طلب کی۔ لیکن اس شیردل نے کسی کی پرواہ نہ کی اور ٹراونکور کو بزور شمشیر چھین لیا۔ اس کے بعد کرناٹک پر حملہ آور ہوا۔ ٹیپو سلطان کی شجاعانہ فتوحات سے انگریز تھرّا اُٹھے تھے۔ تاہم مرہٹوں کو ملا کر ٹیپو سلطان کا مقابلہ کیا گیا۔ لیکن اس بہادر کو زک دینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ جب یہ غازیٔ اسلام کرناٹک کو بھی تاخت و تاراج کر کے مدراس کی طرف بڑھا۔

تو اس وقت ۱۷۹۱ء میں خود گورنر جنرل کثیر فوج لیکر مدراس کی طرف آئے۔ اور بڑی خونریزی کے بعد بنگلور فتح کیا۔ اس کے بعد ۱۷۹۲ء میں سرنگاپٹم پر ایک زبردست حملہ کیا۔ لیکن ٹیپو سلطان نے مصلحت وقت دیکھ کر صلح کر لی۔

۱۷۸۹ء میں فرانس کی سلطنت میں ایک انقلاب عظیم واقع ہوا۔ اور فرانسیسیوں نے سلطنت جمہوری قائم کر لی۔ اس جمہوریت کے ایک جرنیل نپولین نامی نے بڑا رسوخ حاصل کر لیا۔ اس نے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لئے پہلے مصر پر حملہ کیا۔ اور ٹیپو سلطان سے ہندوستان کی مہم کے لئے خط و کتابت شروع کی انگریزوں کو فرانسیسیوں کا تو اسقدر خوف نہ تھا۔ البتہ ٹیپو سلطان کی دہشت

ضرورتھی ۔اس لئے گورنر جنرل لارڈ ارننگٹن نے خلیفہ وقت سلیم خان ثالث کا ایک فرمان حاصل کر کے ٹیپو سلطان کی خدمت میں ان الفاظ کے ساتھ پیش کیا میں اعلیٰ حضرت کی خدمت میں اسکو پیش کرتا ہوں ۔ اعلےٰ حضرت اسکو پڑھینگے اور اس کا اس عزت کے ساتھ جسکا یہ مستحق ہے ۔ لحاظ فرمائینگے ۔

برطانوی حکومت کی یہ خواہش تھی ۔کہ بہادر ٹیپو سلطان فرانسیسیوں سے کوئی تعلق نہ رکھیں ۔چنانچہ اس دوستانہ تنبیہہ کا ٹیپو سلطان پر کافی اثر پڑا اور اس نے خلیفہ وقت کو ان الفاظ میں جواب دیا ۔

"چونکہ فرانسیسی قوم کے تعلقات باب عالی سے کشیدہ ہو گئے ہیں اور انہوں نے اپنے کو باب عالی کا مخالف بنالیا ہے اس لئے وہ پیروان دین اسلام کے دشمن ہیں اور تمام مسلمانوں کو انکی دوستی سے انکار کر دینا چاہیے"۔

لیکن ساتھ ہی اس کے گورنر جنرل ہند کے نام و پیام پر ٹیپو سلطان نے کوئی توجہ نہ کی لہٰذا انگریزوں نے ۱۷۹۹ء میں جنگ شروع کر دی ۔

ٹیپو سلطان اسی لڑائی میں لڑتا ہوا جان بحق ہوا ۔

ٹیپو سلطان سے پیچھا چھڑا کر انگریزوں نے مرہٹوں کی طرف توجہ کی اودھ کا علاقہ جسپر ان دنوں نواب سعادت علی خان کی حکومت تھی ۔ اپنے ماتحت کر لیا ۔

۱۸۰۸ء میں نیپولین شہنشاہ فرانس نے ایک سفارت ایران میں بھیجی جس سے انگریزوں میں تشویش پھیلی اور لارڈ منٹو ۔ والیان پنجاب کابل اور ایران سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے لئے مجبور ہوئے ۔

چنانچہ سر جان میلکم کو ایران بھیجا گیا ۔اگرچہ فرانسیسی رسوخ ایران میں زور پکڑ گیا تھا مگر انگریز اپنی پالسی میں کامیاب ہو گئے ۔

ہندمیں اسلامی سلطنت کا آخری بادشاہ بہادر شاہ اور ۱۸۵۷ء کا غدر

۱۸۵۷ء میں اگرچہ سلطنت انگریزی کو ہندوستان میں قائم ہوئے تقریباً ایک سو سال ہو گیا تھا۔ اور بظاہر ہر طرف امن امان تھا تاہم بعض پرانے خیال کے لوگ انگریزی سلطنت کے جدید قوانین سے غیر مانوس تھے۔ اور انگریزوں کے متعلق طرح طرح کے من گھڑت فسانے بھی عوام کی زبان پر تھے۔ چنانچہ جن دنوں انگریزی فوج کو نئی قسم کی بندوقیں دی گئیں۔ جن کے کارتوس چڑھائے جانے سے پیشتر چکنے کئے جاتے تھے۔

لہذا اس کے متعلق عوام میں یہ افواہ بہت سرعت کے ساتھ پھیل گئی۔ کہ ان کارتوسوں میں ایسے جانوروں کی چربی استعمال کی گئی ہے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذہب میں مطلق حرام ہیں۔ اور وہ اس لئے استعمال کی گئی ہے کہ ہندو مسلمانوں کا مذہب خراب کیا جائے۔

اس افواہ کا پھیلنا تھا کہ فوج باغی ہو گئی۔

بہادر شاہ آخری شاہ دہلی ان دنوں لال قلعہ میں رہتا تھا۔ اس کے کانوں میں بھی یہ بات پہنچائی گئی۔ اور اس سے کہہ دیا گیا۔ کہ اگر آپ انگریزوں سے مقابلہ کریں تو نہ فقط تمام رعایا آپ کے ساتھ ہے بلکہ تمام والیان ریاست پنجاب کے علاوہ ایران اور روس بھی انگریزوں کے خلاف آپ کی مدد کریگا۔

اگرچہ بادشاہ کو یہ بات پسند نہ آئی۔ لیکن آپکی بیگم زینت محل انگریزوں کو اچھی نظر سے نہ دیکھتی تھی اسکی وجہ یہ بتلائی گئی ہے کہ اس کے بیٹے جوان بخت کو انگریزوں نے ولیعہد بنانا منظور نہ کیا تھا۔ چنانچہ زینت محل نے باغیوں کا ساتھ دیا۔ اور فوج نے اگلے ہی دن جیل خانے پر حملہ کر کے اپنے ان ساتھیوں کو چھڑا لیا جو یہ کارتوس استعمال نہ کرنے کے جرم میں قید کر دیئے گئے تھے اس کے بعد

۱۰ مئی ۱۸۵۷ء میں میرٹھ میں بھی بغاوت ہو گئی۔

کانپور میں باغیوں نے بہت سے انگریزوں کو قتل کیا۔

دہلی میں ۵ مہینے تک باغیوں نے حکومت کی۔ آخر جرنیل ولسن میرٹھ سے کوچ کر کے دہلی کی جانب بڑھے۔

اگلے دن جرنیل برنارڈ ان کی بجائے سپہ سالار مقرر ہوئے اور ۸ جون کو باغیوں نے باولی کی سرائے پر شکست کھائی۔

اگست ۱۸۵۷ء میں جرنیل نکلسن پنجاب سے کمک لیکر دہلی پہنچے۔ چند دنوں میں قلعہ شکن توپیں بھی پہنچ گئیں۔ ۱۴ اگست کو دہلی پر دھاوا کیا گیا۔ بہادر شاہ نے ہمایوں کے مقبرہ میں پناہ لی۔ جہاں سے انگریزوں نے انہیں گرفتار کر کے رنگون میں نظر بند کر دیا۔

اس مفسدہ سے فارغ ہو کر باغیوں کو عبرتناک سزائیں دی گئیں۔ اور تمام ملک ہندوستان پر انگریزوں نے اپنا تسلط کر لیا۔

اسی ۱۸۵۷ء میں برطانوی حکومت نے سلطان عبدالمجید سے مسلمانان ہندوستان کے نام اس مضمون کا ایک فرمان حاصل کیا "کہ مسلمانان ہندوستان کو انگریزوں کے ساتھ صلح و آشتی کے ساتھ رہنا چاہئے۔ کیونکہ انگریز اُن کے خلیفہ کے دوست ہیں" اس فرمان کا مسلمانوں پر ایک عظیم الشان اثر پڑا۔ یعنی اُس وقت سے ہندوستان کے تمام مسلمان انگریزوں کو اپنے دوست اور محافظ کی نظر سے دیکھنے لگے۔ سلطان عبدالمجید خان کا عہد سلطنت عہد انقلاب تھا جس پر سلطان نے نمایاں فتح حاصل کی۔

علاوہ ملکی انتظام کے اس سلطان نے مسجد نبوی اور حرم مدینہ شریف کی عمارت پر بہت روپیہ خرچ کیا۔ دیگر مقامات مقدسہ کی بھی حفاظت کی۔

آخر ۱۷ ذی الحجہ ۱۲۷۷ھ مطابق ۱۸۶۱ء اس جہان فانی سے عالم جاودانی کو سدھارے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط۔

۱۲۷۷ھ تا ۱۲۹۳ھ
۱۸۶۱ء تا ۱۸۷۶ء

سلطان عبدالعزیز خان ۱۲۷۷ھ تا ۱۲۹۳ھ عہد خلافت ۱۵ سال ساڑھے سات ماہ — سلطان عبدالمجید خان کی وفات حسرت آیات کے بعد اس کا بھائی سلطان عبدالعزیز خان تخت خلافت پر جلوہ افروز ہوا۔

یہ اپنے بھائی سے بھی زیادہ یورپ کا مقلد تھا۔ چونکہ اس کا وزیر علی پاشا بھی انگریزی تعلیم یافتہ تھا۔ اس لئے بالکل یورپین لباس اور یورپ کے طرز معاشرت کی تقلید اس کے عہد میں جاری ہوئی۔

سلاطین یورپ سے اس سلطان نے اسقدر ربط و ضبط بڑھایا۔ کہ ۱۸۶۷ء میں دارالسلطنت فرانس کے خوبصورت شہر پیرس میں بطور مہمان شاہی دعوت میں شامل ہوا۔ فرانس کی سیر و سیاحت کے بعد لندن میں ملکہ وکٹوریہ سے ملاقات کی۔ اور وہاں کی شاہی دعوتوں میں شمولیت کی۔

۱۸۶۹ء میں شاہ ایڈورڈ اور اُن کی لیڈی صاحبہ جو ان دنوں پرنس آف ویلز اور پرنسس آف ویلز یعنی ولی عہد اور ولی عہد کی بیگم قسطنطنیہ میں سلطان عبدالعزیز کے ہاں مہمان ہوئے۔ اور سب نے ایک میز پر کھانا تناول فرمایا۔

پھر امپیر جوزف یعنی شاہ اسٹریا بھی سلطان کے ہاں مہمان ہوئے اور انکو اپنے ہی محل میں جگہ دی۔ اور دن رات کھانے پینے کی باہم صحبت رہی۔ غرضیکہ اس سلطان نے اہل یورپ کو اپنی سلطنت میں ہر طرح کا اقتدار بخشا۔ اور یورپ کی

اقلیدس میں منہمک رہا۔

لیکن ساتھ ہی اسکے اس سلطان ذیشان کو مذہب اسلام کا بھی پاس تھا۔ دیار روم میں جس قدر اہل عرب تھے سب کو رہا کر دیا۔ اپنی فوجی طاقت مضبوط کی۔ جدید آلات جنگ مہیا کیے۔ تار برقی۔ برقی روشنی۔ وغیرہ سے شہر کو آراستہ کیا۔ سلطنت کا نہایت عمدہ انتظام کیا۔ عہدہ داران سلطنت کے نام رحم و انصاف کے احکام جاری کیے۔ مصر و اسکندریہ میں خود جا کر امورات ملکی و انتظام سلطنت کو جانچا۔

سابق سلطان روم عبدالمجید خان کی جتنی کنیزیں تھیں۔ ان کو بعد انقضائے ایّام عدت حسب خواہش نکاح ثانی کرنے کی اجازت دی۔

اور خود سوائے ایک منکوحہ بیگم کے کسی دوسری عورت سے شادی نہ کی۔ غرضیکہ یہ سلطان عبدالعزیز خان اگرچہ نئی روشنی کا دلدادہ تھا۔ تو ساتھ ہی مذہب اسلام کا پابند بھی تھا۔

لیکن ملکی شورش سے ایسا ہر دلعزیز۔ دیندار اور متقی سلطان بھی نہ بچ سکا چنانچہ اس کے آخری عہد سلطنت میں روس اور دیگر دول یورپ کی سازشوں اور فتنہ انگیزیوں سے ایسے ہنگامے برپا ہو گئے۔ کہ اراکین سلطنت روم نے ۶ جمادی الاوّل ۱۲۹۳ھ مطابق ۱۸۷۶ء میں سلطان عبدالعزیز کو تخت خلافت سے معزول کر دیا۔

۱۲۹۳ھ تا ۱۲۹۳ھ
۱۸۷۶ء تا ۱۸۷۶ء

سلطان مراد خان خامس سلطان ذیشان عبدالعزیز خان کی بجائے مراد خان خامس **عہد خلافت چند ماہ** کو تخت خلافت پر متمکن کیا گیا۔ لیکن جب ملکی شورش کو سلطان عبدالعزیز خان جیسا بیدار مغز روشن دماغ سلطان فرو نہ کر سکا تو مراد خان

دجو اپنی دماغی خرابیوں اور کمزوریوں کے باعث ناتواں تھا، ملکی بغاوت کا کیا انتظام کرتا۔ اس لئے اس سلطان کو بھی ارکین سلطنت نے چند ماہ کے اندر تخت سے اتار دیا۔

۱۲۹۳ھ تا ۱۳۲۶ھ
۱۸۷۶ء تا ۱۹۰۹ء

سلطان عبدالحمید خان
۱۲۹۳ھ تا ۱۳۲۶ھ
عہد سلطنت ۳۳ سال

سلطان مراد خان خامس کی معزولی کے بعد سلطان عبدالحمید خان کو تخت خلافت تفویض کیا گیا۔ یہ سلطان ذیشان اگرچہ بڑا مدبر اور روشن دماغ تھا۔ لیکن اسکا عہد سلطنت دولت عثمانیہ کے لئے نہایت خطرناک ثابت ہوا وہ اس لئے کہ یورپ کے عالمگیر انقلاب نے بہ لحاظ قرابت سلطنت عثمانیہ کو ایک طرح سے بالکل مٹا دیا۔

چنانچہ سلطان عبدالحمید خان کے عہد سلطنت کے دوسرے ہی سال یعنی ۱۸۷۷ء میں زار روس نے سلطنت عثمانیہ سے جنگ چھیڑ دی۔ لیکن اس ہولناک جنگ میں باوجود قدیم دوستانہ کے نہ تو فرانس نے ٹرکی کی مدد کی اور نہ برطانیہ نے آخر جب ٹرکی کو شکست ہوئی اور اس کے دشمن روس کی طاقت بڑھ گئی تب انگریزی سلطنت نے ہاتھ پاؤں ہلائے اور اس کے مقابلہ پر آمادہ ہو گئے اس جنگ کے بعد عہدنامہ سین ٹیفانو کی شرائط صلح نے تمام یورپ میں لرزہ ڈالدیا۔ اور خیالات نے حقارت آمیز مضامین کا ایسا طوفان برپا کیا۔ کہ کوئی وزارت ایک لمحہ کیلئے بھی نہیں ٹھہر سکی۔

خفیہ معاہدہ اس مجلس مشاورت کے جمع ہونے سے ایک ماہ پہلے برطانوی وزیراعظم نے سلطان عبدالحمید خان سے بذریعہ ایک خفیہ عہدنامہ کے جزیرہ

قبرس اس صلہ میں لے لیا کہ وہ ہمیشہ عثمانی سلطنت کے اقتدار کی عزت کرینگے اور اس مجلس مشاورت میں جو برلن میں منعقد ہوگی ترکی حکومت کی تائید کرینگے اس خفیہ عہدنامہ کے ٹھیک ایک ماہ بعد برلن میں مجلس مشاورت بیٹھی اور شروع میں یہ تجویز ہوئی کہ ہر سفیر کو ایک ابتدائی اقرار نامہ اسبات کا کرنا چاہئے کہ اس کی حکومت متنازعہ فیہ مسئلہ کے متعلق ہر قسم کے پوشیدہ معاہدہ سے آزاد ہے۔ اس بات کو سنکر ڈسرئیلی اور سالبری سفیروں کی سٹی گم ہوگئی اور وہ اس سے انکار نہ کر سکے۔ بلکہ دوسرے سفیروں کی طرح انکو بھی اس بات سے اتفاق کرنا پڑا۔ ابھی مجلس مشاورت کا کام ختم نہ ہوا تھا۔ کہ ۹ جولائی کو لنڈن کے اخبار گلوب نے خفیہ عہدنامہ کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ بلکہ عہدنامہ کی دفعات کی اصل عبارت بھی شایع کر دی یہ بات خیال میں بھی نہیں آسکتی کہ اس وقت برلن میں استعجاب اور بدنامی ہوئی ہوگی۔ فرانس اور روس نے اعلان کر دیا۔ کہ انکی سخت توہین کی گئی اور یہ دونوں سفیر صاف اور صریح جھوٹ کے مجرم ٹھہرے۔

ادھر ڈسرئیلی نے بیماری کا بہانہ کر کے بستر استراحت پر پاؤں پسار لئے اور کئی دن مجلس مشاورت میں نہ آیا۔ آخر کار بسمارک نے ڈسرئیلی کی مدد کی اور مفصلہ ذیل باتوں کا تصفیہ کیا۔ جسپر فرانس اور انگلستان دونوں رضامند ہوگئے۔

(۱) فرانس کو اجازت ہے کہ قبرس کے معاوضہ میں جیسے ہی اس کو پہلا مناسب موقع ملے ٹیونس پر قبضہ کر لے۔ انگریز اس کی کوئی مخالفت نہ کریں گے

(۲) انگریز شام میں فرانس کے خاص حقوق تسلیم کرتے ہیں۔

(۳) مصر کے مالی انتظام میں فرانس کو بھی انگریزوں کے برابر حق ہوگا۔

مسٹر بلنٹ (جو آزادی اقوام کے ایک سرگرم حامی ہیں انکا مقولہ ہے۔ "کہ وہ تمام جرائم جن کا ارتکاب شمالی افریقہ اور مشرقی آزادی سلب کرنے کے

لئے کیا گیا ہے اور جن کو ہماری نسلوں نے دیکھا ہے ان میں آدھے بالواسطہ یا بلاواسطہ ڈیرس کی سازش سے تعلق رکھتے ہیں"

غرضیکہ قلم کی ایک ہی جنبش سے انگلستان نے اپنے حلیف سلطان روم کے دو نہایت زرخیز صوبے فرانس کے سپرد کر دیئے۔

۱۸۸۲ء میں سلطنت برطانیہ نے مصر پر قبضہ کر لیا۔ حالانکہ مصر کا صوبہ

مصر وزاغلول پاشا] صدیوں سے ترکی حکومت کا جزو اعظم تھا۔

اس پر انگریزوں نے جس طرح قبضہ کیا وہ ایک ہولناک جرم ہے جو انگریزی تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ نہ مٹنے والا داغ رہیگا۔

مسٹر لوئیس ایلٹن جو معاملات خارجہ میں ایک مستند مدبر مانے جاتے ہیں۔ ان کا مقولہ ہے۔ کہ "انگلستان بلاشبہ زیادتی پر تھا۔

اس سے کون انکار کریگا۔ کہ حکومت مصر نے اپنے جائز حقوق کے اندر اسکندریہ کی حفاظت کے لئے اپنے قلعے تعمیر کئے تھے"

قبل اس کے کہ مصریوں کی طرف سے کچھ زیادتی ہو انگریزی جنگی جہاز ان مصری سمندروں میں لنگر انداز ہو گئے اور مصری حکومت کو الٹی میٹم دیا گیا"

یہ وہ زمانہ تھا جب شیر دل زاغلول پاشا ایڈووکیٹ تھے اس کے بعد مجلس قوانین کے پریذیڈنٹ منتخب ہوئے۔ اسی وقت سے انکی قیمتی زندگی کا مبارک دور شروع ہوتا ہے۔ اگر وہ اسوقت میدان جنگ میں ہوتے تو ہمارا خیال ہے کہ مصر کو انگریز آسانی سے نہ لے سکتے۔ افسوس ہے کہ یہاں ہم زاغلول پاشا کی سوانح حیات کے حالات لکھنے سے مجبور رہیں۔

البتہ اگلے صفحات پر جدید ترکی اور ترکان احرار کے عنوان کے تحت زاغلول پاشا کی بیش بہا قومی خدمات ہدیہ ناظرین کرینگے۔

غرضیکہ انگریزوں نے حکومت مصر کو الٹی میٹم دیتے ہی جنگ شروع کردی اسکندریہ میں یورپینوں کا قتل نہ صرف انگریزی جہازات کی آمد اور اعلان جنگ کے بعد ہوا بلکہ یہی دونوں باتیں اس قتل کا باعث ہوئیں۔

اس بہانہ سازجنگ کے متعلق جب دار العلوم میں مسٹر گلیڈسٹون سے سوال کیا گیا "کہ اعلان جنگ کس کو دینا چاہیئے تھا۔ سلطان کو یا خدیو کو یا عربی پاشا کو تو انہوں نے جواب دیا۔ کوئی جنگ تو ہے نہیں اسکندریہ کی گولہ باری ایک حفاظتی تدبیر ہے۔ اور انگریزی جہازات کا یہ فعل صرف مدافعانہ ہے نہ کہ اعلان جنگ"

لیکن یہ کسقدر افسوسناک بات ہے کہ اس مدافعانہ فعل کی بدولت نہ صرف ایک قدیم شہر تباہ و برباد ہوا بلکہ اس کے بعد ہی مصر پر حملہ شروع ہوا سوڈان پر چڑھائی کی گئی۔ اور چالیس ہزار دلیر انسان جو اپنی آزادی کے لئے کوشاں تھے شہنشاہیت کی قربانگاہ پر بھینٹ دیئے گئے۔

مگر مسٹر گلیڈسٹون کی ایمانداری اور راستبازی پر اس ہولناک واقعہ کا کچھ اثر نہ پڑا البتہ جان برائٹ نے جو اس کی وزارت کا ایک ممبر تھا علی الاعلان کہدیا کہ انگلستان نے قانون بین الاقوام اور معاہدات دونوں کی خلاف ورزی کی ہے اس فعل نے عوام کا اعتبار کھو دیا ہے اور اقرارناموں کو توڑ ڈالا ہے"

پھر ان ضمانتوں اور وعدوں کی بابت جو برطانوی حکومت نے وقتاً فوقتاً مصر کو جلد سے جلد خالی کرنے کی بابت کئے ہیں جس قدر مبہم کہا جائے بہتر ہے۔

ایک دفعہ دار العلوم میں تقریر کرتے ہوئے گلیڈسٹون نے کہا "کہ بلاشبہ دنیا کی تمام چیزوں میں مصر کا غیر معین قبضہ ایک ایسی چیز ہے جس کے کرنے پر ہم تیار نہیں ہیں۔ یہ ہز مجسٹی کی حکومت کے تمام اصولوں اور ان وعدوں کے

خلاف ہوگا جو ہم نے یورپ سے کئے ہیں"

پھر اس کے دو برس کے بعد لارڈ گرینویل نے مصری مراسلت نمبر ۲۳ بی ۱۴ محررہ ۱۹ جون میں یہ فقرہ تحریر کیا" کہ ہز مجسٹی کی حکومت نے یہ تصفیہ کر لیا ہے کہ افواج ۱۸۸۸ء کے شروع میں واپس کر لی جائیں۔

افسوس کہ باوجود اس قسم کے بہت سے وعدوں اور ضمانتوں کے۔ "مصر کا غیر معین قبضہ" برابر جاری رہا۔ بلکہ یہاں تک کہ گذشتہ جنگ میں الحاق کا بہانہ ڈھونڈ کر مصر کو شہنشاہیت میں ہضم کر لیا گیا۔

ہمیں نہایت رنج سے کہنا پڑتا ہے کہ کسی قوم کے شہنشاہانہ برتاؤ کی تاریخ میں یقیناً ایسے صاف اور صریح وعدے اور ضمانتیں جو بعد میں اس طریقے سے توڑے جائیں نہ ملیں گے"

روم کی تباہی کے المناک واقعات بہت طویل ہیں جنکو ہم نہایت اختصار کے ساتھ معرض تحریر میں لا رہے ہیں۔ اتنی ہی تباہی کیا کم تھی۔ کہ ۱۸۹۷ء میں یونان نے بھی حرص آز دکھائے۔ لیکن سوختہ دل ترکی نے اب تخت یا تختہ کی ٹھان لی تھی۔ ترکی تلواریں بجلی کی طرح اس نئے غنیم پر چمکیں اسلامی فوج کی یہ حالت تھی کہ گویا وہ ہر چیز کو جو ان کے سامنے آئے گی بہالے جائیگی اور قریب تھا کہ بہادر ترک یونانی دارالسلطنت کو بھی لے لیتے لیکن ان کی فاتحانہ رفتار کو دول یورپ نے بہ سرکردگی انگلستان روک دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تھسلی یونان کو واپس دیا گیا اور جزیرہ کریٹ کے انتظام کے لئے ایک یونانی گورنر مقرر کیا گیا۔

یہ انصاف تھا جو فاتح ترکوں کے ساتھ کیا گیا۔ کیا اسوقت برطانوی وزیر اعظم نے جنگ بلقان کے متعلق یہ اعلان نہیں کیا" کہ فاتح کو اس کی مفتوحات

کے ثمرہ سے محروم نہیں کرنا چاہتے ۔

ینگ چری فوج اب وہ فوج نہ رہی تھی یورپ کی تقلید نے اُنکو بدل دیا تھا انہوں نے انگریزی ۔ جرمنی ۔ فرانسیسی تمدن قبول کرنے سے ملکی خدمت کو اپنا طغرائے امتیاز قرار دے لیا تھا ۔ انہیں فتحی بے ۔ شکری بے ۔ نیازی بے انور بے ۔ مصطفےٰ کمال غازی محمود شوکت ۔ طلعت پاشا وغیرہ[۱] جیسے مقتدر پیدا ہو گئے تھے ۔

ینگ ٹرکش پارٹی ۱۹۰۴ء جب ان حریت نواز خادمان ملک نے اپنے ملک کو خطرات میں دیکھا ۔ تو طلعت پاشا نے ۱۹۰۴ء میں ینگ ٹرکش ایسوسی ایشن کے نام سے ایک انجمن کی بنیاد ڈالی جس کا صدر دفتر پہلے تو پیرس میں مقرر ہوا مگر بعد میں سالونیکا میں منتقل کر دیا گیا ان پرستاران حریت نے فیصلہ کر لیا کہ جس طرح ہو سکے اپنے اثر کو فوج میں پھیلا جاوے ۔ چنانچہ یہ مخلص خادمان ملت اپنے ارادے میں کامیاب ہو گئے یعنی ایک ہزار فوجی افسران انجمن میں داخل ہو گئے ۔ اور جس کا سب سے پہلا اثر مقدونیہ میں ظاہر ہوا ۔

اس بغاوت کے فرو کرنے سے سلطان عبد الحمید نے عزیز بے کو روانہ کیا ۔ اگرچہ عزیز بے نے چند باغیوں کو گرفتار کر لیا ۔ لیکن شورش کو مٹانے میں کامیاب نہ ہوئے ۔

۱۹۰۴ء کا عالمگیر انقلاب بہت مدت تک یاد رہیگا ۔ اسی سنہ میں ٹرکی کے بعض اضلاع میں یکایک بغاوت کا تلاطم خیز طوفان اٹھا باغیوں نے مقدونیہ پر اپنا اقتدار پیدا کر کے ایڈریا نوپل و مناستر کو اپنا مرکز

[۱] ان مقتدر تُرکان احرار کے ملکی کارنامے آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں ۱۲

قرار دیا۔

ادھر اس بغاوت سے فائدہ اٹھانے کے لئے بلغاریہ نے ترکی کے مشہور شہر ترنوہ اور وائنزا میں لشکر فراہم کر کے ایڈریانوپل پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس خوفناک ہلچل سے اہل شہر و حکومت میں سخت اضطراب پھیلا

حکومت دستوری کے لئے جدوجہد

ادھر تو سلطنت عثمانی اس مصیبت میں پھنسی ہوئی تھی۔ ادھر ترکان احرار کی انجمن اتحاد ترقی میں یہ تجویز پاس ہو چکی تھی کہ سلطان عبدالحمید خان ملک میں دستوری حکومت کا قیام منظور کریں۔ تاکہ دیگر ممالک کی طرح ترکی بھی شخصی ظلم و استبداد سے نجات حاصل کرے لیکن یہ کام جس قدر مفید تھا اُسی قدر اہم بھی تھا۔ سلطانی جاسوس انقلاب پسندوں کی تلاش میں سرگرم تھے۔ اور ترکان احرار بھی اس اندیشہ سے بے فکر نہ تھے۔

چنانچہ سلطان عبدالحمید نے مقدونیہ کے اعلیٰ افسروں کے نام احکام جاری کئے کہ تمام مشتبہ لوگوں کو گرفتار کر کے آستانہ بھیجا جائے۔ اور جنرل شمسی پاشا کو سپہ سالار بنا کر مناستر بھیجا گیا تاکہ وہ باغیوں کی سرکوبی کرے۔

لیکن انجمن اتحاد ترقی کا اثر ایسا نہ تھا جو زائل ہو جاتا چنانچہ شمسی پاشا نے مناستر پہنچتے ہی سلطان عبدالحمید کو اس مضمون کا عریضہ لکھا "باغیوں کے متعلق کسی قسم کی اطلاع کا پہنچانا بہت مشکل ہے۔ ملک میں بغاوت کا اثر مکمل ہو چکا ہے۔ تمام باشندے انجمن اتحاد ترقی کے ہوا خواہ ہیں۔

ادھر انور بے مناستر میں قیام پذیر تھے۔ جو دستوری حکومت قائم کرنے والوں حریت نواز ترکان احرار کی صف اول میں ہیں۔ جب انور پاشا کو شمسی پاشا کے آنے کی خبر ہوئی تو ۷ جولائی ۱۹۰۸ء کو شمسی پاشا سے ملکر انور پاشا نے صاف لفظوں میں کہدیا "کہ اگر تم مناستر سے ایک منزل بھی آگے بڑھے تو تمہاری

زندگی کا خاتمہ کر دیا جائیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا شمسی پاشا دوسرے ہی روز قتل کر دیئے گئے۔

سلطان عبدالحمید کو جب یہ حال معلوم ہوا تو انہوں نے شمسی پاشا کی جگہ عثمان پاشا کو مامور کر کے روانہ کیا۔ اور انور بے کو پھانسنے کے لئے ایک بڑے عہدہ کا لالچ دیکر شاہی دعوت میں قسطنطنیہ بلایا گیا۔ لیکن انور بے بڑے ہوشیار تھے۔ وہ سمجھ گئے کہ کچھ دال میں کالا ہے۔ اس لئے اُنہوں نے اس سلطانی دعوت کو قبول نہ کیا۔

ان حالات نے سلطان عبدالحمید کو سخت برگشتہ کر دیا اور وہ اپنی کھوئی ہوئی طاقت کو دوبارہ حاصل کرنے اور ترکان احرار کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے سختی پر کاربند ہو گئے۔

ادھر انقلاب پرستوں کا بھی زور تھا۔ مقدونیہ و مناستر کا سب پہاڑی علاقہ ترکان احرار کے قبضہ میں تھا۔ انہوں نے فوراً ایک جلسہ میں یہ بات طے کر لی کہ جسطرح بھی ہو سکے سلطان عبدالحمید خاں کو تخت سے معزول کر دینا چاہیئے چنانچہ ترکان احرار نے ہر طرف سے فوجی جمعیت جمع کی۔ اس انقلاب کے دو مشہور لیڈر انور پاشا اور حقی بے برلن اور وائنا سے عین وقت پر سالونیکا پہنچ گئے۔

وہاں سے انور بے نے ایک برقی پیغام تمام فوجی مرکزوں سے ایک ہی وقت میں سلطان عبدالحمید کی خدمت میں بھجوا دیا جس میں دستوری حکومت کے قیام کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ یہ پیغام ایک قسم کا الٹی میٹم تھا۔

اس کے پیغام کے بعد نیازی بے مناستر سے اپنی فوج لیکر سالونیکا کو بڑھے اور سالونیکا سے انور بے حقی بے۔ وغیرہ کے ساتھ شوکت پاشا نے

تمام لشکر کا سپہ سالار مقرر ہو کر دار السلطنت عثمانی یعنی قسطنطنیہ کی طرف رُخ کیا۔

غرضیکہ ترکان احرار کے اس لشکر جانباز نے ۲۲ اپریل ۱۹۰۹ء کو خشکی کی جانب سے نیم دائرہ کی شکل میں قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور جنگی جہازوں نے تمام بحری گھاٹ اور ناکے روک لئے۔

سلطانی محل کے محافظ دستہ نے اس لشکر جرار کا مقابلہ کرنا چاہا۔ مگر تین گھنٹہ کی معمولی گولا باری کے بعد دشمنوں نے سفید جھنڈا بلند کر کے ہتھیار رکھدیئے اس کارروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان عبد الحمید خان ۳۳ سال کی باہیبت سلطنت کرنے کے بعد تخت سے معزول کیے گئے۔ اور ترکان احرار کے سپہ سالار محمود شوکت پاشا نے ۲۸ اپریل ۱۹۰۹ء میں سلطان محمد خامس کو تاجپوشی کی کی مبارک باد دی۔

۱۳۲۶ھ تا ۱۳۴۴ھ
۱۹۰۹ء تا ۱۹۲۶ء

سلطان محمد خامس سلطان روم ترکان احرار نے سلطان عبد الحمید خان کو معزول کر کے اُنکے بھائی محمد رشاد آفندی کو تخت خلافت پر متمکن کیا۔ جو محمد خامس کے لقب سے اسوقت یعنی ۱۹۲۶ء تک سریر آرائے سلطنت ہیں۔

وترکان احرار ۱۳۲۶ھ تا ۱۳۴۴ھ

اس بالغ النظر سلطان نے ترکان احرار کا ساتھ دیا۔ لیکن آپس کی پھوٹ نے اس سلطان کے عہد میں سلطنت عثمانی کی رہی سہی عظمت کا بھی خاتمہ کر دیا وہ تمام واقعات جو ۱۹۰۹ء سے تا ۱۹۲۶ء تک ان سترہ سالوں میں ٹرکی اور یورپ میں جو رونما ہوئے۔ وہ سب حالات عنوان ترکان احرار کے تحت

لکھدیئے گئے ہیں۔ اس لئے یہاں پر اس کا اعادہ لاحاصل ہے۔ لیکن اس انقلاب میں یورپ نے دولت عثمانیہ کو بالکل فنا کر دیا۔

چنانچہ اٹلی نے طرابلس الغرب پر بے سبب اور بغیر پوچھے قبضہ کر لیا۔ سب شاہان یورپ نے اٹلی کی ہی تائید کی مظلوم ٹرکی کو کسی نے بھی نہ پوچھا۔ حالانکہ انگلستان غالبًا اپنے قبضہ مصر کی وجہ سے ۱۸۸۲ء میں اٹلی کے الحاق طرابلس کو منظور کر چکا تھا مگر جب اٹلی نے بے سمجھے بوجھے سلطان روم کے اس افریقی صوبہ پر چڑھائی کی تو ہماری سرکار دولت مدار نے نہ صرف اٹلی کے اس جرم سے چشم پوشی کی۔ بلکہ اسکی مدد کی۔ جیسے کہ فورٹ نائٹلی ریویو اپریل ۱۹۱۲ء نے اقرار کیا ہے کہ برطانوی محکمۂ خارجہ خود اس سازش میں شریک تھا" چنانچہ لکھا ہے" اس میں بہت کم شک کی گنجائش ہے کہ کچھ نہ کچھ سمجھوتہ ہو چکا تھا۔ اغلب معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان اس بات پر راضی ہو گیا تھا۔ کہ وہ ترکی فوجوں کو مصر سے نہ گذرنے دیگا۔ اور جہاں تک ممکن ہوگا آلات حرب اور دیگر سامان جنگ کو بھی اس راستہ سے نہ گذرنے دیگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان نے یہ بھی ذمہ واری لی تھی کہ وہ مصر کو بالکل غیر طرفدار رکھے گا۔ اور باب عالی کو اپنے ماتحت مصر سے کوئی امداد نہ لینے دیگا۔

جنگ طرابلس شروع ہونے کے ساتھ ہی لارڈ کچنر کا مصر بھیجا جانا محض حسن اتفاق سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اس لئے کہ قاہرہ میں لارڈ کچنر کا ایک حکم تو یہ تھا کہ وہ کسی عثمانی فوج کو مصر سے نہ گذرنے دیں اور دوسرے طرابلس کے مسلمانوں کو کسی قسم کی مدد نہ پہنچائیں۔ لارڈ کچنر نے اس خیال سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ترکی فوجیں طرابلس جاتے ہوئے وادی نیل سے گذرنے کا مطالبہ کریں۔ اس خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے ہز سوبرنے کے

مشرقی جانب ریگستان میں برابر قلعوں کا ایک سلسلہ قائم کر دیا۔

اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اگر ترکی فوجوں کو مصر سے ہو کر راستہ مل گیا ہوتا تو آج طرابلس اٹلی کا ہرگز صوبہ نہ ہوتا۔

یہ یقین کیا جاتا ہے کہ سر ایڈورڈ گرے نے بالواسطہ مگر موثر مدد اٹلی کو اس مفاہمت پر دی تھی کہ اگر یورپ میں کوئی باہمی کشمکش ہو تو اٹلی کا طرز عمل انگریزوں کے ساتھ دوستانہ رہیگا۔ واقعات مابعد سے اس قیاس کی تصدیق ہوتی ہے

غرضیکہ برطانیہ اعظم کی گذشتہ تاریخ کے سرسری مطالعہ کرنے سے یہ بات ہر ایک تعلیم یافتہ شخص کو معلوم ہو سکتی ہے کہ انیسویں صدی عیسوی کے دوران میں ترکوں کو جو کچھ نقصان پہنچا ہے وہ بلا واسطہ انگلستان ہی کے ذریعہ پہنچا ہے۔ موجودہ زمانہ پر نظر ڈالتے ہوئے بھی یہی معلوم ہوگا وہ ذلت آمیز عہد نامہ جو انگلستان اور ایران میں ہوا تھا اُسکی ابتدا انگلستان ہی کی طرف سے ہوئی تھی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ انگلستان ہی مصر پر قابض ہے۔ عراق عرب اور فلسطین پر بھی انگلستان ہی کا قبضہ ہے۔ اذربائجان کی جمہوری سلطنت کو اپنے زیر حفاظت لانا انگلستان کی ہی دیرینہ تمنا ہے۔

قسطنطنیہ میں بھی انگریزوں کا دخل ہے۔ وہ انگلستان ہی تھا جس نے شریف حسین غدار کو خلیفہ وقت کے خلاف بغاوت کرنے کے لئے رشوت دیکر ابھارا ان سب باتوں پر غور کرتے ہوئے اگر مسلمان اپنی بدقسمتی کو انگلستان کی طرف محمول کریں تو کوئی تعجب نہیں۔

جنگ یورپ

۱۹۰۸ء کے انقلاب کے بعد ترکوں نے اپنے پرانے حلیف اور دوست انگلستان سے کیا کیا توقعات قائم کی تھیں وہ انگلستان نے نوجوان ترکوں سے کیا برتاؤ کیا؟

یہ ایسی غم انگیز اور اس قدر تازہ داستان ہے جو ایک ہزار صفحہ پر بھی ختم نہ

ہوگئی۔ انگلستان نے صرف یہی نہیں کیا۔ کہ ترکوں کی پاک خواہشوں سے بے پروائی برتی بلکہ انہوں نے جو دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا۔ اس کے پکڑنے سے بھی انکار کردیا۔ نوجوان ترکوں کی جماعت کو حالات و واقعات سے تنگ آکر جب انگلستان کی طرف سے مایوسی ہوگئی۔ تو مجبوراً اپنا ہاتھ جرمنی کی طرف بڑھایا گیا۔ اور جرمنی نے نہایت خوشی اور مسرت سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔

قسطنطنیہ میں اس وقت کے انگریزی سفیر کی ناقابلیت۔ طرابلس اور بلقان کی جنگ برطانوی محکمۂ خارجیہ کا طرز عمل۔ ترکی اور دوسری اسلامی سلطنتوں مراکو اور ایران کے ساتھ جرمن سفیر متعینہ باب عالی کی کامیاب ڈپلومیسی۔ ولیم قیصر جرمنی کی دوستانہ پالیسی جو اس نے اپنے دادا کی تقلید میں اختیار کی تھی۔ انگریزی حکومت پر روس کا عجیب و غریب اثر۔

یہ سب ایسی باتیں ہیں۔ کہ ترکی پر جرمنی کی شرکت جنگ کا الزام لگاتے ہوئے نظر انداز نہیں کی جاسکتیں۔

معاملات کی یہ حالت تھی۔ کہ عظیم الشان جنگ یورپ شروع ہوئی۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے دلی خواہش یہ تھی کہ ترک اس جنگ سے کوئی تعلق نہ رکھیں انکا یہ بجا خیال تھا۔ اگر کہیں ترک اس جنگ میں شریک ہوگئے تو انکی حالت بہت نازک ہوجائے گی۔ اسپر ایک تار جو محکمۂ خارجیہ ہند نے مسلمانان ہند کے اس وقت کے لیڈر محمد علی کی معرفت خلیفۃ المسلمین کے ایک وزیر کے نام بھجوایا تھا جس میں ان سے التجا کی گئی کہ ترک اس عظیم الشان جنگ میں غیر جانبدار رہیں۔ لیکن افسوس ترکوں نے نہ مانا اسکی وجہ یہ تھی کہ باب عالی سے برطانیہ کا اخلاقی اثر رخصت ہوچکا تھا۔

کیونکہ سر ایڈورڈ گرے اپنے طرز عمل سے یہ دکھا چکے تھے کہ انکو ترکوں کی

اُمیدوں اور تمناؤں سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔

برطانیہ نے طرابلس اور بلقان کی جنگ میں جو طرزِ عمل اختیار کیا تھا وہ ترکوں کو اچھی طرح یاد تھا لڑائی کے پہلے انگریزوں نے عدن سے عرب باغیوں کو جو امداد دی تھی اس سے ہر ترک خواہ جنرل ہو یا مدبر اچھی طرح جانتا تھا اور ترک اس سے نہایت خوش تھے۔ مسٹر ایسکوئتھ کا اعلان جو تعصب میں ڈوبا ہوا تھا مسلمانوں کے دماغوں میں بھی تازہ تھا۔

مسٹر لائڈ جارج نے ردّی پرزہ پر اپنی مشہور تقریر میں جو انہوں نے لڑائی شروع ہونے کے وقت کی تھی جبکہ ابھی ترک شریک جنگ بھی نہیں ہوئے تھے۔ حضور پر نور آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہایت حقارت سے کیا اور قیصر جرمنی کا آپ سے مقابلہ کیا۔ ایسے وزراء سے جنہوں نے مذہب اسلام کی انتہائی تحقیر کی تھی۔ ترک بھلا کیا اُمید کر سکتے تھے۔ بلقان کی جنگ شروع ہونے کے چند ہی ہفتے پیشتر برٹش کی حکومت کے مشورہ اور ضمانت پر کامل پاشا نے فوج کا ایک بڑا حصہ منتشر کر دیا تھا یہ تمام باتیں ابھی تازہ تھیں۔ اور ابھی اُس کاغذ کی سیاہی بھی خشک نہ ہوئی تھی جس پر جنگ طرابلس اور بلقان کا معاہدہ صلح لکھا گیا تھا۔

انگلستان پر سے ترکوں کا اعتبار اٹھ جانا یہ کوئی غیر فطرتی اور بلا سبب نہ تھا انکا یہ اندیشہ بالکل بجا تھا کہ کہیں روس کا قسطنطنیہ اور باسفورس پر قبضہ کرنے کا پُرانا خواب لڑائی کے بعد پورا نہ ہو جائے۔

ترک روس کے مقابلہ میں انگلستان کی امداد پر زیادہ بھروسہ نہیں کر سکتے تھے۔ یہ ترکوں کی قوت فیصلہ کی غلطی ہوئی کہ وہ لڑائی میں شریک ہوئے۔ لیکن یہ کہنا کہ ٹرکی کا جرمنی کی شرکت کرنا بالکل بے سبب تھا اسباب کو ظاہر کرتا

ہے کہ ایسی رائے رکھنے والا اس زمانہ کے واقعات سے قطعی لاعلم ہے۔

ترکوں کا یہ اندیشہ کم نہیں ہوسکتا تھا جبکہ حالت اس درجہ تک پہنچ گئی تھی کہ برطانیہ نے انکے دو بڑے جہازوں کو ضبط کرلیا تھا۔ اور یہ جہاز بھی یونانی بیڑے کے مقابل ترکوں کے لئے پشت پناہ تھے۔

ہمیں یقین ہے کہ انگریزوں کے اس فعل نے ترکوں کے فیصلہ پر بہت اثر ڈالا۔ ان کے جہازات کا لے لینا کیا زیادتی نہ تھی؟

اور یہ بات غور طلب ہے کیا اتحادیوں نے بشمول روس ترکوں کو کوئی اطمینان دلایا تھا کہ انکے مقبوضات برقرار رکھے جائیں گے۔

گو وزیر اعظم برطانیہ نے یہ کہا ہے کہ ترکوں کے شریک جنگ ہونے سے پہلے بھی اتحادیوں میں ترکی کے متعلق کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن اس سے ہماری بحث کا تصفیہ نہیں ہوتا۔ بلکہ ہم اپنی بحث کی تائید میں مسٹر ہیرلڈ کاکس کا جو انگریزی سیاست کے ماہرین میں ایک نمایاں حیثیت رکھتے ہیں ایک مضمون پیش کرتے ہیں جو انہوں نے اڈنبرا ریویو میں تحریر کیا ہے۔

انہوں نے لکھا ہے "کہ ترکی حکومت نے اتحادیوں سے ضمانت چاہی لیکن روسی حکومت نے کسی ضمانت کے دینے سے انکار کردیا۔ اور یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ترکی حکومت کو روس کا بہت خوف تھا"

اس رپورٹ کے مطالعہ سے بھی (جسکو امریکہ کے سابق ایمبسیڈر مسٹر ای سنپیر بران نے ۱۹۱۷ء میں امریکہ کے سکرٹری آف اسٹیٹ کو بھیجی تھی) یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اتحادیوں کے خلاف ترکی کی شرکت جنگ کی .... ذمہ داری ٹرکی سے زیادہ اتحادیوں پر عائد ہوتی ہے جب ترکی ایک دفعہ جنگ میں شریک ہوگئی تو بجائے بحر اسود کے دروازوں کا

اپنے ایک پرانے مددگار پر بند کر دینا کوئی جرم نہیں ہے اور اس کو اس بنا پر سزا نہیں دی جا سکتی اگرچہ اس کا افسوس کیا جاتا ہے کہ اتحادیوں کو بحر اسود میں جانے کا آزادانہ راستہ نہ دیا گیا۔

لیکن جب ہم ترکوں کو اسبات کی سزا دینا چاہتے ہیں کہ کیوں انہوں نے آزادانہ راستہ دینے سے انکار کیا تو ہم کو یہ ثابت کرنا چاہئیے کہ قانون بین الاقوام یا فلاں معاہدہ کی رو سے ایسا نہیں کرنا چاہئیے تھا۔

جہانتک ہم جانتے ہیں کوئی ایسا معاہدہ نہیں ہے جسکی رو سے وہ ایسا کرنے کے لئیے پابند ہوں وزیر اعظم فرماتے ہیں" اب ترکی کو شکست ہو گئی اتحادیوں کا طرز عمل کیا ہو؟

اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ اتحادی ایک خاص مقصد کے لئیے شریک جنگ ہوئے تھے اور جسکا انہوں نے تمام دنیا میں اعلان کیا۔ یہی مقصد بعد میں پریزیڈنٹ ولسن کے چودہ اصولوں کی شکل میں نمایاں ہوا اس لئے سب سے بہتر یہ ہے کہ ترکی کے مقدمہ کا فیصلہ انہی چودہ اصولوں کے مطابق کرنا چاہئیے۔

بیشک ترکی کو شکست ہوئی اور اس لئے کچھ نہ کچھ اسے شکست کا خمیازہ اٹھانا پڑے گا" جس کی لاٹھی اس کی بھینس یعنی طاقت ہی کا دوسرا نام سنچائی ہے یہ ایک کلیہ ہے کہ موجودہ تہذیب جس کے خلاف ادعا کرتی ہے لیکن وہ باوجود اس ادعا کے بدستور اثر پذیر رہیگا۔ لیکن اس نیل اور کوئلہ کی تہذیب کے زمانہ میں بھی ہم امید کر سکتے ہیں کہ ہمارے افعال کا فیصلہ اخلاق اور نیک نیتی کے ایک مقررہ قاعدہ کے مطابق کیا جائیگا۔

اور جب لوگ محض نیک نیتی کے بھروسہ پر کسی مقصد کے حصول کے لئیے

امداد و اعانت سے دریغ نہ کریں۔ یہانتک کہ انکی مدد سے مقصد پورا ہو جائے۔ اس وقت وہ اور بھی زیادہ ہمدردی اور لحاظ کا استحقاق رکھتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے ہز مجسٹی کے وزراء کے اعلانات اور وعدوں پر پورا اعتماد کیا اور اس امید میں کہ وہ وعدے جو سنجیدگی کے ساتھ کئے گئے تھے پورے کئے جائینگے وہ اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے گئے۔ اب کامیاب ہو جانے کے بعد ان وعدوں کی تاویلیں اور توجیہات کی جا رہی ہیں۔

افسوس۔ اس قسم کے لوگ یہ نہیں سوچتے کہ اس قسم کے حیلہ اور حوالہ سے خود انگلستان کی عزت پر حرف آتا ہے اور سلطنت برطانیہ کی توہین ہوتی ہے۔

ہم سے یہ کہا جاتا ہے کہ مجلس صلح نے ترکوں کے ساتھ وہی شرائط طے کی ہیں جو جرمنی اور آسٹریا کے ساتھ کی گئی ہیں لیکن اسی کے ساتھ ہم شام۔ عراق اور فلسطین کی حکم برداری کا حال بھی سنتے ہیں اور جو کچھ بھی کہا جائے مگر جرمن اور آسٹریا کے شرائط صلح میں ہم کہیں حکم بردار نہیں دیکھتے۔ آسٹریا میں مختلف صوبے آزاد کئے گئے اور انکو اپنے لئے حکومت کا خود انتخاب کرنے کا حق دیا گیا۔ برخلاف اس کے اگرچہ ٹرکی کے بھی چند صوبے آزاد کئے گئے مگر انکو عیسائیوں کی حکمبرداری کے تحت رکھا گیا ہے۔

ٹرکی کے مقابلہ میں شام کی حکومت کا حق انتخاب فرانس کو انطاکیہ کا اٹلی کو سمرنا اور تھریس کا یونان کو فلسطین اور عراق کا انگلستان کو۔ سلیشیا اناطولیہ اور قسطنطنیہ کی حکومت کا حق انتخاب انجمن اقوام کو دیکر سلطنت عثمانی کا خاتمہ کر دیا گیا۔ لیکن مظلوم ترکوں نے صبر و شکر کے ساتھ یہ سب کچھ برداشت کر لیا

اس پر بھی بلغاریہ سرویہ مانٹی نگرو اور یونان ابھار دیئے گئے جنہوں نے یکایک حملہ کر کے جزیرہ نمائے بلقان کو بھی ترکوں کے قبضے سے نکال لیا۔

نہ فقط ہمیں بلکہ ہر ایک مسلمان کو ان ہولناک واقعات سے سخت افسوس ہوگا۔ اگرچہ خلافت کی گذشتہ تاریخ پڑھنے سے بھی یہ بات معلوم ہو چکی ہے۔ کہ کئی بار خلافت کے لئے برے دن آئے لیکن وہ دن نہ رہے۔ مگر ایکی دفعہ خلافت اسقدر پامال ہو چکی ہے کہ اب اس کے سنبھلنے کی ظاہراً کوئی امید نظر نہیں آتی۔

دراصل یہ اہل یورپ اور انگریزوں کا قصور نہیں یہ کچھ ہو رہا ہے مسلمانوں کا اپنا کیا دھرا ہے۔ اگر مسلمان مسلمان ہوتے تو ایک انگریز کیا تمام اہل یورپ ایک بال بھی بیکا نہ کر سکتے شریف مکہ نے بیت المقدس کے عیسائیوں کے ہاتھ میں جانے پر خوشیاں منائیں۔ اور خلافت کی بیخ کنی میں پوری کوشش کی۔ عراق کے عربوں نے خود ذوق و شوق سے انگریزوں کو بلایا۔ اور ترکوں کو پامال کیا۔ شام کے مسلمان غیر مذاہب حملہ آوروں کے ممد و معاون بنے۔ ہندوستان۔ بلوچستان اور سرحدی صوبے کے لاکھوں مسلمان ترکوں اور خلافت کی قوت مٹانے کے لئے برٹش جھنڈے کے ساتھ میدان جنگ میں گئے اور انگریزی وزراء نے صاف اعلان کر دیا۔ کہ بیت المقدس اور شام کو مسلمانوں نے فتح کیا۔" اس فقرہ پر مسلمانوں کو اپنے گریبان میں سر ڈالنا چاہیئے۔

سچ تو یہ ہے کہ مسلمان اب کوئی قوم نہیں وہ نفس کے بندے ہیں اور اپنے ذاتی اغراض پر قومیت اور دین دونوں کو قربان کر چکے ہیں وہ دین اور خلافت کو ضرر سے بچانے کے لئے اپنی زمینداریاں۔ اپنی تجارت اپنے گھر اپنی ذلیل دولت اور اپنی تن آسانی کو نہیں چھوڑ سکتے۔ قومی مصیبت نے نہ اُن کی شادیاں کو انہیں نہ اُن سے عیش و نشاط کی صحبتیں ترک کرائیں۔

براتیں اُسی دھوم سے نکلتی ہیں۔ عروسی کی محفلوں میں رنڈیاں اُسی ناز و انداز سے ناچتی ہیں۔ چگیوں اور سالگرہوں اور دوسری تقریبوں میں ڈھولک اُسی گرمجوشی سے بجتی ہے اور اللہ میاں کی سلامتی رتجگوں میں اُسی آن بان سے گائی جاتی ہے۔

جب یہ حال ہے تو کون کہہ سکتا ہے کہ اس قوم پر کوئی مصیبت پڑی ہے غاصب شریف مکہ نے قوم کی بیچ کمی کے ناپاک ترین فعل سے حرمین شریفین کے شہر غصب کئے۔ امیر ابن سعود والی حجاز نے اس کا استیصال کیا تو ساتھ ہی مزارات مقدسہ کی بے حرمتی کر کے مسلمانوں کو مشتعل کر دیا۔[1]

کس کس بات کو رویا جائے ہمارے خیال میں تو موجودہ بادشاہ کابل میر امان اللہ ایدہ اللہ بنصرہ ہی ایک ایسے مسلمان بادشاہ ہیں جنہوں نے محض خدا کی ذات پر بھروسہ کر کے شان اسلامی کو بٹہ نہ لگنے دیا۔ جن کی ذات ستودہ صفات سے آج افغانستان کی سرزمین ہر طرح کی علمی ادبی۔ سیاسی مذہبی اور تمدنی برکات سے معمور ہے اور سلطنت افغانیہ کے شعبہ میں حیرت انگیز ترقی ہو رہی ہے۔[2]

افغانستان کا حال

انگریزوں نے ۱۸۳۸ء میں افغانوں کو بھی زنجیر استبداد میں ایسا جکڑ لیا تھا۔ کہ اس کے چھوٹنے کی کسی کو امید نہ تھی۔ لیکن یہ کسے معلوم تھا۔ کہ امیر عبدالرحمٰن خان مرحوم اور امیر شہید کے عہد سلطنت تک جو ملک اغیار کے پنجہ آہنی میں دبا ہوا تھا۔ اسے چھڑانے کا شرف جوان بخت غازی امان اللہ خان ایدہ اللہ بنصرہ کو ہوگا۔

چنانچہ غازی امان اللہ ان قابل قدر و بیدار مسلمانوں میں ہیں جنکے سینے میں

---

[1] اگلے صفحات میں امیر ابن مسعود کے مفصل حالات لکھے گئے ہیں ۱۲ [2] ہیں افسوس ہے کہ تاریخ اسلام طبع ہونے سے پہلے وہ بھی مغربی معاشرت کی تقلید میں اپنی سلطنت کھو بیٹھے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۱۲

اسلام کی روشنی جلوہ گر ہے۔ جن کا ہر ایک فعل اسی روشنی اسلام کے ماتحت ہے اسی قوت اسلام سے انہوں نے ۱۳۳۵ھ کی زنجیر استبداد کو تخت نشین ہوتے ہی ۱۹۱۹ء میں ایک ہی جھٹکے میں توڑ کر اپنی آباد اجداد اسلامی سلطنت کو انگریزوں سے آزاد کرا لیا جسمیں غازی اسلام نادر شاہ حال شاہ افغانستان شامل حال تھے۔

ہمارے لئے زمانہ حال کے نظام دکن میر عثمان علی ہی اچھے جنکے سینے میں مسلمانوں کا درد ہے اور وقتاً فوقتاً مظلوم مسلمانوں کے لئے اپنے ذاتی مصارف کو کم کر کے غریب مسلمانوں کی گراں بہا امداد کرتے رہتے ہیں۔ حال ہی میں مقامات مقدس کی عمارات کو از سرنو تعمیر کرانے کے لئے اس اولوالعزم مگر خادم اسلام بادشاہ نے اپنی اسلامی ہمدردی کا عملی ثبوت دیا ہے۔

ہمارے واسطے ایک چھوٹی سی ریاست کی والی علیا حضرت سلطان جہاں والی ریاست بھوپال کا ہی دم غنیمت ہے جن کے دسترخوان کے مصارف اسلامی کاموں اور قومی انجمنوں کے لئے وقف ہیں۔ خدا ایسے نیک دل مخیر اور دردمند خادمان اسلام کو دیر تک سلامت رکھے۔ اور عقبیٰ میں ثواب دارین حاصل کریں۔ (آمین بحق سید المرسلین آمین)

اب ہم چند ایک ضروری باتیں اور عرض کر کے اپنے اس سلہ سالہ دماغی کام کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ باقی حالات یعنی جدید ترکی و ترکا احرار و امیر مسعود وغیرہ پچھلے ضمیمہ میں اگرچہ درج کر دیئے گئے ہیں۔ لیکن ہمارے دل میں اس بات کی حسرت رہ گئی ہے کہ ہم تاریخ اسلام کی اس آخری جلد یعنی سلطنت عثمانیہ کو بالتفصیل مرتب نہیں کر سکے۔ یہ اس لئے کہ ایک تو ہم نے اس تاریخ میں اختصار کو مدنظر رکھا ہے۔ ضروری واقعات کے علاوہ ایسے جنگی کارناموں میں گھوڑا دوڑانے اور بھڑانے کے حالات درج کر کے تاریخ کو جنگ نامہ بنانا نہیں

چاہا۔ دوسرے جھم کا لحاظ اور اس کی قیمت کا خیال بھی مدنظر تھا۔ سوئم وہ واقعات جو اسلام کے منافی اور مسلمانوں کے لئے باعث ننگ ہیں چھوڑ دیئے ہیں۔ ایسی ہی وجوہات کے باعث ہم مجبور ہو گئے خیر یہ چند فقرات عرض کرکے ہم آخری صفحات کو پھر خلافت اور انگلستان کے لئے وقف کرتے ہیں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انگلستان نے اس لئے جنگ کی کہ جرمنی بلجیم کی غیر جانبداری کے بارے میں اپنے وعدہ پر قائم نہیں رہا۔

لیکن یہی اصول انگلستان کی نسبت نہیں استعمال کیا جا سکتا جس نے ٹرکی کے مستقبل کے بارے میں اطمینان دلایا اور وعدہ کئے۔

ایشیا میں برطانوی قوت کو اس سے زیادہ نقصان پہنچانے والی اور کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ انگلستان کے الفاظ سے لوگوں کا اعتماد جاتا رہے۔ انگلستان کے لئے یہ ایک مہلک دھبہ ہے۔

سب سے اعلیٰ اصول یہ ہے کہ لوگوں کو ہمیشہ سچائی اور راستبازی پر قائم رہنا چاہیئے۔ چاہے آسمان بھی گر پڑے یہی اصول سچی عظمت کا جوہر ہے۔ کسی قوم کی جانچ اکثر اس کے لیڈروں کے افعال اور اعمال سے کی جاتی ہے قوم کے بڑے بڑے لوگوں کے اقوال درحقیقت اس قوم کے خیالات کا عکس ہوتے ہیں۔ اگر اس وقت مدبرین انگلستان کے افعال واقوال انگریزی قوم کے خیالات کا عکس ہیں تو انگلستان کم از کم اخلاقی حیثیت سے دنیا کی نظروں میں ذلیل ہو چکا۔

لیکن افسوس کہ قوموں کی کشمکش میں انسانیت کے اصول کا بہت کم لحاظ کیا جاتا ہے۔

بلاشبہ اسوقت انگلستان اپنی مادی شوکت اور عظمت کے انتہائی

عروج پر پہنچ گیا ہے۔ اپنے خطرناک دشمن جرمنی پر فتح پاکر مدہوش ہو گیا ہے لیکن اس کے اندرونی اور بیرونی خطرے ابھی ختم نہیں ہوئے۔

انگلستان کے مدبرین ان نمایاں خطروں سے چشم پوشی نہیں کر سکتے۔ اس قسم کے وسیع وسائل کا عالمانہ مطالعہ کرنے کے وقت ہم کو اخبارات کے روزمرہ کے اس طرز تحریر کو جس میں وہ اس معاملہ کے روشن پہلو دکھاتے ہیں احتیاط کے ساتھ نظرانداز کر دینا چاہیئے۔

شکست خوردہ قوموں کے ساتھ جو شرائط صلح کی گئی ہیں اُن سے دنیا میں پائدار امن قائم نہیں رہ سکتا۔ علاوہ بریں جنگ کے نتائج نے بھی دوسری اقوام میں انگلستان کے خلاف حسد پیدا کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ خود انگلستان کے حلیف بھی دل میں خوش ہیں۔

جرمنی بدلہ لینے کے لیئے دوسری جنگ کی تیاری کر رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنیوالی عالمگیر جنگ کا میدان ایشیا ہوگا۔ انگلستان اس جنگ میں اس سے زیادہ مہیب طریقہ سے مبتلا ہوگا۔ جتنا وہ گذشتہ جنگ جرمنی میں ہوا تھا۔

اگر ایسا ہوا تو سوال پیدا ہوتا ہے۔ کیا انگلستان اپنے متعدد دشمنوں سے بے چین ہندوستان اور مخالف اسلام کو ساتھ ملا کر جنگ کریگا۔ اُس کو ہندوستان اور اسلام کے ذرائع سے متمتع ہونے کی ضرورت ہوگی۔ بالخصوص اُس وقت کہ انگلستان کی مخالفت میں جو طاقتیں بھی متحد ہوں۔ دوست ٹرکی۔ اور شکر گذار ہندوستان اس کے جواب کے لئے کافی ہوتے۔

لیکن۔ ترکوں کو عاجز کر دیا گیا ہے۔ ایرانی ابھی اپنے پاؤں پہ کھڑا ہوتا

چاہتے ہیں۔ مصر۔ مراکش۔ اور طرابلس یورپ کے زیر اثر ہو چکے ہیں۔ لیکن اسلام ابھی ایک زندہ قوت ہے۔ وہ نہیں مر سکتا۔ اسی اسلام کے بھروسہ پر حال کے امیر افغانستان نے صاف لفظوں میں یہ کہدیا ہے "کہ کوئی مسلمان بھی کسی حالت میں اسکو نہیں برداشت کرسکتا۔ کہ خلافت میں کسی قسم کی بھی دست اندازی کی جائے یا خلیفہ پر کسی قسم کی بھی نگرانی قائم کی جائے۔ اگر وہ خلافت کے متعلق افغانستان کی دوستی کا کچھ لحاظ نہیں کرتے۔ تو وہ سلطنت کے استحکام کو خطرے میں ڈالتے ہیں شاہان و گدایان اسلام دونوں اسلام کے راستے میں اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار ہیں ہماری رائے میں دول یورپ یا انگلستان سے مسلمانوں کو انصاف یا اچھے سلوک کی توقع رکھنا سخت بزدلی ہے۔ انہیں خود اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا چاہیئے۔ اور مسلمانوں کا مسلمان بننا چاہیئے۔

ترکان احرار

"اس میں کچھ شک نہیں کہ خلافت عباسیہ کے بعد ترکوں نے دنیا میں اپنی شجاعت کا سکہ بٹھادیا۔ تہذیب و تمدن میں بھی وہ کسی مہذب قوم سے پیچھے نہیں رہے۔ سلیم ثانی کے عہد سلطنت سے عثمانی سلاطین کے تاجدار بنکر نہ فقط مسلمانان عالم کے واجب التعظیم خلیفہ ہی بنے بلکہ شاہان یورپ و ایشیا پر بھی تسلط رہے۔

لیکن ترکان احرار نے محض جدید تمدن سے متمتع ہوتے ہوئے اگرچہ جہاد اسلام میں اپنی جانیں وقف کردیں۔ حجاز و حرمین شریفین کی جاروب

کشتی کی۔ اپنے ملک کو اغیار سے بچانے کے لئے سربکف رہے۔ لیکن افسوس مذہبی فرائض کے پابند نہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب کے مقدس احکام چھوڑ دینے سے انکے ہاتھ سے بہت سا علاقہ چھوٹ گیا ہمیں اس وقت ترکوں کی مذہبی کمزوریاں بیان کرنا مقصود نہیں یہ چند فقرات بھی محض اس لئے معرض تحریر میں آگئے ہیں کہ یہ تعجب رفع ہو جائے جو باوجود اس سرفروشانہ جدوجہد کے ایسی بڑی اسلامی سلطنت پامال ہوگئی۔ جس میں ایسے ایسے اولوالعزم جانبازوں نے اسلام کے لئے سرفروشی کی۔

جن کے مختصر حالات ہدیہ ناظرین کئے جاتے ہیں۔

غازی محمود شوکت پاشا سنہ ۱۸۹۱ء میں تقریباً ۳۳ سال کی عمر میں آپ سلطنت عثمانیہ کے بریگیڈیر جنرل تھے۔ آپنے جرمن سے فوجی تعلیم حاصل کی تھی۔ اسی لئے اپنی فوج کو جرمنی طریقہ تعلیم سے آراستہ کرنے میں مصروف ہوئے۔

جنگ روم و یونان میں بوجہ علالت طبع آپ شامل نہ ہوسکے اس جنگ کے خاتمہ پر آپ توپ خانہ کے افسر اعلیٰ مقرر ہوئے۔

سنہ ۱۹۰۱ء میں سلسلہ تاربرقی ایک مشن کے ساتھ آپ کو حجاز شریف میں جانا پڑا۔

سنہ ۱۹۰۴ء میں آپ کو انور پاشا کی تحریک سے انجمن اتحاد و ترقی کے ایک زبردست رکن بن گئے۔

سنہ ۱۹۰۶ء میں آپ علاقہ ناموں کے عہدہ گورنری پر مامور ہوئے اور اس عہدہ کو آپ نے نہایت قابلیت سے انجام دیا۔

اسی سنہ ۱۹۰۶ء میں ترکان احرار نے البانیہ و مناستر کی پہاڑیوں میں اپنا قلعہ

قائم کر لیا تھا۔ چونکہ آپ بھی انجمن اتحاد و ترقی کے سرگرم کارکن تھے۔ اس لئے ترکان احرار کی سرکوبی کی بجائے آپنے انکی اعانت کی۔ اسی سال کے آخر میں جب ٹرکی میں انقلاب پرستوں کا طوفان امڈا ہوا تھا۔ آپ سالونیکا میں افسر مقرر کئے گئے۔

۱۹۰۸ء میں سلطنت عثمانیہ کے اندرونی معاملات ناقابل درستی ہو گئے جس کا نتیجہ دستوری حکومت میں ظاہر ہوا۔

جس وقت انقلاب پرستوں نے قسطنطنیہ پر حملہ آور ہونے کے لئے اپنی جمعیت قائم کی۔ تو جنرل محمود شوکت پاشا اس مہم کے کمانڈنگ افسر مقرر ہوئے۔ اور آپ کی سرکردگی میں انقلاب پرستوں کا گروہ قسطنطنیہ میں داخل ہوا۔ وہ آپ ہی تھے جنہوں نے سب سے پہلے سلطان محمد خامس کو تاجپوشی کی مبارکباد دی۔

سلطان محمد خامس کے تخت نشین ہوتے ہی آپ وزیر جنگ بنا دیئے گئے۔ اور آپنے اس عہدہ کو قبول کرتے ہی معاونین سلطنت کے سامنے ایک زبردست تقریر کی۔ جس کے چند فقرے یہ ہیں۔

"حضرات اس وقت سلطنت عثمانیہ خطرناک حالت میں ہے۔ میں فوج کے سپاہیوں اور جمعیت اتحاد و ترقی کے اراکین اور تمام سلطنت کی رعایا سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس نازک وقت میں سلطنت کی مدد کریں"

۱۹۱۲ء میں بوجہ ناسازی طبع آپ وزارت جنگ کے عہدہ سے مستعفی ہو گئے۔

جن دنوں یہ شور ہوا کہ کامل پاشا وزیر اعظم ٹرکی کی وزارت ایڈریانوپل دشمنوں کے حوالہ کر دینے پہ آمادہ ہے تو ترکان احرار نے غازی طلعت پاشا

کو کامل پاشا کے پاس وزارت سے مستعفی ہونے کا پیغام دیکر بھیجا۔ لیکن کامل پاشا مستعفی نہ ہوئے۔

لیکن انجمن اتحاد و ترقی نے وزارت کا تختہ الٹ دیا۔ جدید وزیر سلطنت بنانے کے لئے انور پاشا نے شوکت پاشا کو مجبور کیا۔ لیکن آپ نے اس اس عہدہ پر فائز ہونے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا۔

"کہ ایسی نازک حالت میں مجھ سے سلطنت ٹرکی کا بوجھ نہیں اٹھایا جائیگا پھر میری صحت بھی خراب ہے۔

لیکن انور پاشا بھلا اس عذر کو کب ماننے والے تھے انہوں نے اپنی جیب سے دو پستول نکالکر میز پر رکھتے ہوئے کہا "یہ لیجئے اگر آپ وزارت کو قبول نہیں کرتے تو پھر اس ذلت کی زندگی سے آپس میں مرجانا بہتر ہے"

اس اصرار محبت سے مجبور ہو کر آپ نے سلطنت عثمانیہ کی وزارت کا عہدہ قبول کر لیا۔

اور آپ باب عالی میں تشریف لے گئے دوسرے روز اعلان کر دیا گیا کہ شوکت پاشا وزیر اعظم طلعت پاشا وزیر داخلہ عزت پاشا وزیر جنگ اور انور پاشا حاکم قسطنطنیہ مقرر ہوئے۔

آپ نے وزیر اعظم ہوتے ہی سب سے پہلے فوجی حالت کو درست کرنے کی طرف توجہ فرمائی۔ چھوٹے چھوٹے قرضوں کو ادا کر کے سلطنت عثمانیہ کو اس مصیبت سے چھڑایا۔

غرضیکہ آپ نہایت قابل اور مخلص وطن پرست تھے۔ ذاتی خود غرضی سے آپ کا دل ہمیشہ صاف رہا۔ نہایت ثابت قدمی اور مستقل مزاجی سے اپنے فرائض منصبی کو ادا کرنے کے عادی تھے۔

لیکن ۱۹۱۴ء میں صبح کے وقت جبکہ آپ موٹر میں باب عالی کی طرف جا رہے تھے کسی دشمن نے پستول کے وار سے آپ کو شہید کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

غازی محمود مختار پاشا آپ کو آغاز شباب سے ہی فنون جنگ حاصل کرنے کا شوق تھا چنانچہ جرمن میں آپ نے فن حرب کا آخری امتحان پاس کیا۔ پہلے تو آپ فوج عثمانی میں افسر مقرر ہوئے لیکن کچھ دن بعد آپ وزیر بحر کے عہدہ پر سرفراز ہو گئے۔

جنگ بلقان کے موقع پر آپ کی ہی تحریک سے ٹرکی نے اعلان جنگ کیا تھا۔ لیکن ملکی ہمدردی اور انجمن اتحاد و ترقی کے تحریک سے آپ بھی اس عہدہ سے مستعفی ہو گئے۔

اور حفاظت ملک کے لئے آپ نے اپنی بیش بہا خدمات وقف کر دیں۔

معرکہ ایڈریانوپل میں آپ بحیثیت کمان افسر شامل تھے۔ ۱۹۱۲ء کو بلغاری لشکر نے قرق کلیسا پر جو خونریز حملہ کیا تھا اس کے مقابلہ میں آپ کے ماتحت فوج بھیجی گئی تھی۔ چنانچہ قرق کلیسا میں بلغاریوں سے آپ نے زبردست مقابلہ کیا۔ اور بڑی دلاوری سے معرکہ کارزار میں گھس کر دشمنوں کو خاک و خون میں ملا دیا۔

اس معرکہ کے بعد آپ ایڈریانوپل کی مہم میں شامل ہوئے وہاں پر بھی آپ نے جانبازی دکھلائی۔ اور دشمنوں کو شکست فاش دی۔ ابھی آپ دشمنوں کے تعاقب میں ہی تھے کہ شتلجہ کے قریب بلغاری فوج نے آپ کو گھیر لیا۔ لیکن آپ نے نہایت دلیری سے نہ فقط دشمنوں کے پنجے سے اپنی جان چھڑائی بلکہ دشمن کی فوج کو شکست دیکر پامال کر دیا۔

ابھی آپ اسی مہم میں تھے اور ایک روز اپنی فوج کے تین افسروں کے

ساتھ اندھیری رات میں دشمن کی چوکیوں کا حال معلوم کرنے گشت کو نکلے تو یکایک دشمنوں کی گولیوں کا مینہہ برسنا شروع ہو گیا۔ ایک گولی آپ کی ٹانگ میں بھی لگی جس کے لگتے ہی آپ گھوڑے سے گر گئے۔

دوسرے افسروں نے آپ کو اٹھا کر کیمپ میں پہنچایا۔ اور اسی وقت موٹر کے ذریعے آستانہ کو پہنچا دیئے گئے جرمنی سفارت خانے کے ہسپتال میں آپ زیر علاج تھے۔ جہاں سلطان المعظم خود آپ کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے۔ اور آپ کی جنگی خدمات کا اعتراف کیا۔

غازی احمد مختار پاشا آپ نہایت شجاع مدبر تھے۔ اور قوم پرستوں کے معزز لیڈر تھے۔ ٹرکی کے جن جانباز ترکان احرار نے روس کی دھجیاں بکھیر دیں۔ ان میں آپ کے نام کو صف اول میں جگہ حاصل ہے۔

اس جنگ کے بعد سلطنت عثمانیہ کی طرف سے مصر میں آپ ہائی کمشنر مقرر ہوئے۔ جہاں آپ نے مدبرانہ پالیسی سے قوم کی بہترین عملی خدمت کا ثبوت دیا۔

جب ٹرکی میں دستوری حکومت رائج ہوئی ان دنوں آپ مصر سے قسطنطنیہ میں چلے آئے۔ بڑھاپے کے باعث خانہ نشین ہو گئے تھے۔ لیکن جولائی ۱۹۱۲ء میں سعید پاشا کی وزارت ٹوٹنے پر سلطنت عثمانیہ نے آپ کو اس منصب پر مامور کر دیا۔ چنانچہ آپ نے صدارت کے عہدہ پر فائز ہوتے ہی اپنی تقریر میں یہ کلمات ادا کئے۔

"معاملات سلطنت عثمانیہ میں بہت سی الجھنیں واقع ہوئی ہیں۔ اگرچہ میں بھی انکو سلجھانے کی پوری کوشش کرونگا۔ لیکن قوم کا فرض ہے کہ وہ سلطنت

میں ہر طرح کا امن وامان قائم رکھکر میری مدد کرے میں اسبات کا یقین دلاتا ہوں کہ قوم اور سلطنت کی خدمت کے لئے میںنے اپنی زندگی وقف کردی ہے۔

جنگ بلقان میں جب سرویا اور مانٹی نگرو کی افواج نے سلطنت عثمانیہ کے طرف قدم بڑھائے تو آپ نے سلطان المعظم سے اعلان جنگ کر دینے کی درخواست کی۔ اور اس وطن پرست جانباز کی حسب خواہش ٹرکی نے اتحادیوں کے مقابلہ میں اعلان جنگ کر دیا۔ لیکن ترکی فوج نے شکست کھائی اسی غیرت کے مارے آپ عہدہ وزارت سے مستعفی ہوگئے۔ اور خود میدان جنگ میں جا گھسے۔

طلعت پاشا

آپ ایڈریانوپل کے مشہور کالج میں مشرقی زبانوں کے پروفیسر تھے۔ اسی پروفیسری کی خدمات میں اپنی آزادانہ رائے کی بدولت حکومت نے سالونیکا میں آپ کو جلاوطن کردیا تھا۔

وہاں آپ نے ملک کو خطرات میں گھرا ہوا دیکھکر وطن پرستی کے جذبے سے اپنے یاران ہم خیال انور بے۔ فتحی بے نسکری۔ نیازی بے وغیرہ کو جمع کرکے ینگ ٹرکش ایسوسی ایشن کی بنیاد ڈالی جو بعد میں انجمن ترقی اتحاد کے نام سے مشہور ہوئی۔

آپ کی ہی تحریک سے یہ تحریک فوج میں نشو نما ہوئی۔ رفتہ رفتہ اناطولیہ میں بھی اسی انجمن کی ایک شاخ جاری کی گئی۔ جس میں بہت سے لوگ شامل ہوگئے۔

جسوقت دستوری حکومت کی تجویز ترکان احرار میں درپیش تھی۔ اسوقت آپ ایڈریانوپل کی طرف سے پارلیمینٹ کے ممبر منتخب ہوئے اور اپنی قابلیت کے باعث پھر نائب صدر بن گئے۔

انہی دنوں میں جب سلطان عبدالحمید خان نے احرار کی اس ملکی خدمت کو سلطنت کی بغاوت پر محمول کر کے اپنے مخبروں کی فہرست تیار کرنے کا حکم دیا تو اس فہرست میں آپ کا اسم گرامی بھی تحریر ہو گیا۔

اس لئے یہاں آپ نے لشکر کو اپنا ہم خیال بنایا اور محمود شوکت پاشا کی ماتحتی میں فوج نے کوچ کر کے سلطان عبدالحمید خان کو معزول کر دیا۔

اس انقلاب کے بعد آپ وزیر داخلہ مقرر ہوئے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد مستعفی ہو گئے جنگ بلقان میں آپ نے والنیٹری کی خدمات انجام دیں اور ترکی فوج میں مستقل مزاجی و ثابت قدمی کی تحریک کرتے رہے۔

لیکن جب دیکھا کہ وزارت سلطنت عثمانیہ ایسی صلح کرنے پر آمادہ ہے جو ملک کے لئے باعث ننگ ہے تو قسطنطنیہ میں آکر انور پاشا وغیرہ سے خفیہ طور اسباب کے لئے مشورہ کیا گیا۔ چنانچہ انور پاشا و طلعت پاشا ہی اس مہم کو سرانجام دینے کے لئے باب عالی میں پہنچے اور کامل پاشا وزیر سلطنت کو انہوں نے مستعفی ہونے پر مجبور کیا اسی کشمکش میں ناظم پاشا جاں بحق ہوئے اور کامل پاشا کی وزارت کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر آپ نے ملک کی عزت بچانے کے لئے سر توڑ کوششیں کی۔ اور آپ کی مساعی جمیلہ سے ایڈریانوپل پر دوبارہ سلطنت عثمانیہ کا قبضہ ہو گیا۔

جنگ یورپ میں انجمن اتحاد ترقی کے بعض سرگرم کارکن شامل ہونے کے خلاف تھے۔ لیکن آپ ترکی کو جنگ میں شامل کرنا ضروری خیال کرتے تھے۔

آخر ۱۹۱۴ء میں اتحادیوں اور ترکی کے درمیان جنگ چھڑ گئی اور چار سال کی جدوجہد کے بعد دول وسطی کا چھوٹا حلیف ہاتھ آیا یہ جنگ سے دست بردار

ہو گیا۔ چنانچہ بلغاریہ نے ترک جانبازوں کا تاب مقابلہ نہ لا کر بغیر کسی شرط کے ستمبر ۱۶ء کو اپنے ہتھیار رکھدیئے۔ اور اپنے آپ کو اتحادیوں کے حوالے کر دیا۔ مگر ۳۰ اکتوبر ۱۹۱۹ء کو ٹرکی بھی جنگ سے دست بردار ہو گیا۔ اور ۱۲ نومبر ۱۹۱۹ء کو اتحادی بیڑا درہ دانیال سے گذر کر قسطنطنیہ میں پہنچ گیا۔ آپ اس ندامت کے مارے اپنے اہل وعیال سمیت برلن (جرمنی) میں آ گئے۔ چنانچہ ۱۵ مارچ ۱۹۲۱ء کو جب آپ گھر سے نکلے تو ایک بدبخت جرمنی نے پستول کے نشانہ سے آپ کو شہید کر دیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ؕ۔

شکری پاشا: آپ فن حرب کے ماہر اکمل تھے۔ اور جرمن کے تعلیمیافتہ تھے۔ چنانچہ ۱۸۸۵ء میں جب آپ فنون حربیہ کی تکمیل کے لیئے جرمن میں تھے تو وہاں کے جنگ جو اہل جرمن نے بھی آپ کی قابلیت کا اعتراف کیا یا ملکہ شاہ جرمنی ولیم اول نے ایک خط میں سلطان عبدالحمید سے شکری پاشا کی جنگی قابلیت کا تذکرہ کیا ہے۔

جب آپ تکمیل وتعلیم سے فارغ ہو کر جرمنی سے قسطنطنیہ میں آئے تو سلطنت عثمانیہ نے آپ کو ترکی توپ خانہ نمبر اول کا سپہ سالار مقرر کیا۔

مگر کچھ عرصہ بعد سلطانی عتاب میں آئے اور سپہ سالاری سے معزول ہو کر کمان افسر بنا کر ایڈریانوپل بھیجدیئے گئے۔

ایڈریانوپل میں جا کر انہوں نے فوج کی اصلاح شروع کی۔ اور اپنے سپہ سالار شیر محمد پاشا پر اپنی قابلیت کا سکہ بٹھا دیا۔ اس خدمات کے صلہ میں آپ میجر بنا دیئے گئے۔

۱۹۰۴ء میں ٹرکی کے بعض اضلاع بغاوت کا طوفان امڈ آیا۔ اور باغیوں نے مقدونیہ پر تسلط جما کر ایڈریانوپل اور مناستر کو اپنا مرکز قرار دیا تھا۔ انہی دنوں میں چھ ہزار جنگ جو بلغاریوں نے ترکی کے مشہور شہر ترنوہ اور وائزا

میں جمع ہو کر ایڈریانوپل پر چڑھائی کرنے کی ٹھانی۔

لیکن غازی شکری پاشا نے نہایت مستقل مزاجی اور دلجمعی ظاہر کر کے خود فوجیں جمع کرنا شروع کر دیں اور بہت جلد ایک جرار لشکر کے ساتھ باغیوں کی سرکوبی کے لیئے روانہ ہوئے۔

آپ ۴۸ گھنٹے کی مسافت کو باوجود وسائل ناکافی ہونے کے صرف ۲۴ گھنٹے میں طے کر کے وائزہ پہنچے اور بے خبری کے عالم میں باغیوں پر ایسا زبردست حملہ کیا کہ انکی جمعیت منتشر ہوگئی۔ وائزہ سے ترنوہ پہنچے۔ وہاں بھی باغیوں کا استیصال کر دیا۔ اس خدمات کا سلطان عبدالحمید کے دلپر کافی اثر ہوا۔ اور آپ نے خوب عزت حاصل کی۔

۱۹۰۸ء میں جب مقدونیہ میں شورش ہوئی تو سلطان نے آپ کو ہی اس شورش کے فرو کرنے کے لیئے منتخب کیا۔ چنانچہ بموجب حکم سلطانی آپ مناستر میں پہنچے جہاں آپ نے نہایت قابلیت اور صداقت کے ساتھ اپنے فرایض منصبی انجام دیئے۔

چنانچہ ایک طرف تو سلطان کو جملہ امور کی بے کم و کاست اطلاع دی اور دوسری طرف انقلاب پرستوں کو نصیحت فرماتے ہوئے یہ کہا کہ ہمیں موقع کا انتظار کرنا چاہیئے۔ ایسی عجلت باعث خرابی ہے قبل اس کے کہ سلطنت کی اصلاح کی جائے وطن پرستوں کو اپنے دشمنوں کو پامال کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔

چنانچہ سلطان المعظم نے جن اراکین سلطنت کے مشورے کے باعث دستوری حکومت کا اعلان کیا ان میں آپ بھی شامل تھے۔

انقلاب سلطنت کے بعد آپکو طرابلس العرب کی حکومت تفویض ہوئی لیکن آپنے اپنی عدم قابلیت کا عذر کر کے اس حکومت کو منظور نہ کیا۔ بلکہ آپ اپنی فنون

میں آپ سقوط الو اس ارض روم کی فوج اور آستانہ کے لشکر کے سپہ سالار مقرر ہوئے۔

جنگ بلقان سے چند روز قبل غازی احمد مختار پاشا وزیر جنگ نے آپ کو محاذ جنگ پر بھیجا۔ آپ شوق جانبازی میں جنگ چھڑنے سے پانچ روز پہلے ہی پہنچ گئے۔ بلغاری فوج سے مقابلہ کرتے وقت آپ نے اپنی شجاعت اور فنون حرب کا بہترین ثبوت دیا۔

جن دنوں ٹرکی میں کامل پاشا کی وزارت ٹوٹ گئی۔ اور ترکان احرار نے ملکی خدمات میں سرشار ہو کر ایڈریانوپل کی جنگ کو دوبارہ جاری کر دیا یعنی ۴ فروری ۱۹۱۳ء کو ایڈریانوپل پھر گولہ باری شروع ہو گئی اس مرتبہ غازی شکری پاشا فوج کے سپہ سالار تھے۔ آپ نے بڑی جانبازی سے مدافعانہ جنگ کو جاری رکھا۔

لیکن ۲۶ مارچ کو بلغاریوں نے ایڈریانوپل پر قبضہ کرنے کے ساتھ ہی آپ بھی گرفتار کر لئے گئے۔

قسطنطنیہ میں جب آپ کی گرفتاری کی خبر پہنچی تو ترکان احرار میں انتقام کا جذبہ پیدا ہو گیا۔

چنانچہ بہادر غازی انور پاشا نے اپنی افواج کو ایڈریانوپل کی طرف بڑھایا۔ اور یہ غازی جوانمرد بلغاروی محافظ سے دشمنوں کو پامال کرتا ہوا ایڈریانوپل کے سامنے جا پہنچا۔ اور اپنی ہمت مردانہ سے اس جانباز ملک نے نہ فقط ایڈریانوپل کو دشمنوں سے واپس چھین لیا بلکہ لولی برغاس اور ڈمٹوکا پر بھی قبضہ کر لیا۔

آخر بلغاروی اور ترکی عہدنامہ کی تکمیل کے بعد اسیران طرفین کی فہرست میں آپ بھی رہا ہوئے۔ اور آپ کا پُرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔

آخر اس واقعہ کے دو سال بعد کچھ عرصہ بیمار رہ کر اس جہان فانی سے چل بسے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حسین حلمی پاشا آپ اعلیٰ درجہ کے مدبر تھے۔ اور ۱۹۰۵ء میں مقدونیہ کے انسپکٹر جنرل کے عہدہ پر مامور تھے۔ روس و آسٹریا کی متفقہ سیاسی چالوں کا آپ نے جس خوش اسلوبی سے سدباب کیا۔ وہ آپ کا ہی حصہ تھا۔ ۱۹۰۸ء میں آپ مناستر کے عہدہ گورنری پر فائز ہوئے۔ جہاں آپ نے اپنی قابلیت کا بہترین ثبوت دیا۔

یہ وہ دن تھے۔ جب انجمن اتحاد ترقی نے اسباب کا فیصلہ کر لیا تھا۔ کہ مناستر میں آزاد حکومت کا اعلان کر دیا جائے۔ اور حسین حلمی پاشا کو یہ حکومت تفویض کی جائے۔ آپ ادھر تو سلطان المعظم کے وفادار ملازم تھے۔ ادھر ترکان احرار کو بھی ملکی خدمت کے متعلق حق بجانب خیال کرتے تھے۔ آخر مصلحت وقت کو مدنظر رکھ کر آپ نے اراکین اتحاد و ترقی کو یہ جواب دیا۔

"اگرچہ مجھے احرار سے ہمدردی ہے۔ مگر بحیثیت ایک ذمہ دار عہدہ دار ہونے کے میں اپنی طرف سے مناستر کی آزادی کا اعلان نہیں کر سکتا۔ تاوقتیکہ مجھے سلطان المعظم کی طرف سے اس قسم کا حکم موصول نہ ہو۔"

اس جواب سے اراکین اتحاد ترقی مشتعل ہو گئے بلکہ انور پاشا نے آپ کو مخاطب کر کے صاف لفظوں میں کہدیا۔ اگر آپ ۲۴ گھنٹے کے اندر اس حکم کی تعمیل نہ کرینگے۔ تو قتل کر دیئے جاوینگے۔"

آپ نے غازی انور پاشا کے (جو تھوڑے دن پہلے آپ کے ایڈیکانگ رہ چکے تھے) یہ پرجوش الفاظ سنتے ہوئے کہا۔ "نوجوان ترکوں سے تو مجھے فی الواقعہ ہمدردی ہے۔ میں کوشش کرونگا کہ سلطان المعظم دستوری حکومت کا اعلان کر دیں۔"

ابھی آپ سلطان المعظم کی خدمت میں یہ مشورہ عرض کرنیوالے ہی تھے۔ کہ دوسرے روز سلطان کا یہ حکم موصول ہوا۔ کہ دستوری حکومت کے خواب دیکھنے والونکی اچھی طرح سرکوبی کیجاوے۔

اس حکم نامہ کے جواب میں آپ نے اس مضمون کا عریضہ لکھا:۔

اگرچہ یہ بات نہائت معمولی ہے۔ کہ اراکین انجمن اتحاد وترقی کو گرفتار کر کے فرمان سلطانی کی تعمیل کیجاوے۔ لیکن اس حکم کی تعمیل سے ملک میں بدامنی کا طوفان اُمڈ آئیگا۔ جو بعد میں رو کے نہیں رُک سکتا۔ لہٰذا میں نہائت ادب سے ملتجی ہوں۔ کہ جلالت مآب مصلحت وقت کے خیال سے دستوری حکومت کا اعلان فرما دیں۔

غرضیکہ آپ کی اس تحریر کا اسقدر اثر ہؤا۔ کہ ۲۴ جولائی کی صبح کو دولت عثمانیہ کی حدود سلطنت میں بذریعہ تار برقی دستوری حکومت کا اعلان کر دیا گیا۔

آپ کی اس دلیرانہ جرأت پر خوش ہو کر ترکان احرار نے جدید انتظام مرتب ہونے پر آپ کو وزیر سلطنت بنانیکی از حد کوشش کی۔ لیکن سلطان عبدالحمید نے بجائے آپ کے کامل پاشا کو وزیر سلطنت کے عہدہ پر فائز کیا۔ لیکن جنگ بلقان کی صلح کے متعلق ترکان احرار نے جب کامل پاشا کو عہدۂ وزارت سے معزول کر دیا۔ تو پھر ان کی جگہ آپ وزیر سلطنت بنائے گئے۔

۲۷ اپریل ۱۹۰۹ء کو جب ترکان احرار نے اپنے ایک خاص اجلاس میں سلطان عبدالحمید خان کو تخت سے معزول کرنیکا فیصلہ کیا۔ اس وقت آپ اپنے ایثار اور وطن پرستی کا ثبوت دیتے ہوئے صدارت سے مستعفی ہو گئے۔

مگر ۲۸ اپریل ۱۹۰۹ء کو جب سلطان عبدالحمید خان معزول خلیفہ کی بجائے انکے بھائی محمد خامس تخت خلافت پر متمکن ہوئے۔ تو انہوں نے غازی حلمی پاشا کو اپنا وزیر سلطنت قرار دیا۔

چنانچہ آپ نے اس عہدہ ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے ملک میں جدید اصلاحات کا نفاذ کیا۔ زراعت کی طرف بھی توجہ کی۔ سلطنت کو قرض سے ہلکا کیا۔ ان جدید انتظامات میں آپ کو اس قدر محنت کرنا پڑی۔ کہ آپ

کی صحت خراب ہو گئی۔ اس لئے آپ نے اپنے عہدہ سے استعفٰی دیدیا۔

کچھ عرصہ بعد جب کہ آپ کی جگہ غازی احمد مختار پاشا مامور تھے۔ آپ وزیر قانون کے عہدہ پر فائز ہو گئے۔ اور آپ نے اپنے سابقہ عہدہ کا کچھ خیال نہ کیا۔

کامل پاشا نے جب الہلال کے مشہور حریت نواز ایڈیٹر عبدالعزیز شاویش کو بطور مجرم مصری حکومت کے حوالہ کر دیا۔ تو آپ کو یہ امر سخت ناگوار گذرا۔ بلکہ سلطنت عثمانیہ کی شاندار روایات کا حوالہ دیتے ہوئے کسی مجرم کو دوسری سلطنت کے حوالے کرنے کو صریح ظلم ثابت کر کے صدائے احتجاج بلند کی۔ لیکن آپ کی یہ صدائے احتجاج جب کسی نے نہ سُنی تو آپ مجبور ہو کر اپنے عہدہ سے سبکدوش ہو گئے۔

پھر جنگ بلقان شروع ہونے پر آپ انجمن ہلال احمر کی صدارت کے لئے منتخب ہوئے۔ آپ نے ملکی وقومی خدمت کے مدنظر اسے قبول فرمالیا۔ اور قسطنطنیہ۔ ایڈریانوپل سالونیکا۔ اسکب پائنہ۔ صوفیہ۔ اسفورہ میں سات عظیم الشان ہسپتال قائم کر کے اپنے حسن انتظام کا ثبوت دیا۔

اس کے بعد ۱۳ اکتوبر کو دولت عثمانیہ کی طرف سے سفیر مقرر ہو کر وائنا تشریف لے گئے۔

جاوید بے آپ نہائت ذہین۔ مستقل مزاج وادیب تھے۔ ۱۹۰۶ء میں آستانہ کے مشہور کالج میں اقتصادیات سیاسی کے پروفیسر تھے۔ اس کے بعد کئی ایک کالجوں کے پرنسپل مقرر ہوئے۔

لیکن جب انجمن اتحاد ترقی کو کوشش بارآور ہوتی دیکھیں۔ تو ملکی وقومی خدمت کے جذبے میں سرشار ہو کر پروفیسری کو چھوڑ کر ترکان احرار کے زمرہ میں شامل ہو گئے۔

چنانچہ طرابلس کے اکثر معرکوں میں آپ نے جانبازی وطن کا بہترین ثبوت دیا۔ جب پارلیمنٹ کا نظام مرتب ہوگیا۔ تو سالونیکا کی طرف سے آپ بھی پارلیمنٹ کے ممبر منتخب ہوئے۔

رفتہ رفتہ اپنی خداداد ذہانت سے وزیر مال کے عہدہ پر فائز ہوگئے۔ اس عہدہ کی مشکلات کو جس عمدگی کے ساتھ آپ نے حل کیا۔ اس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ آپ نے سلطنت کی مالی حالت کو سدھارا۔ سلطنت کے حصول قرضہ میں آسانیاں پیدا کیں۔ اور مالی کانفرنس سے خوشگوار تعلقات قائم کیے۔

لیکن کامل پاشا کی وزارت سے آپ سخت ناراض تھے۔ حتیٰ کہ اس ناراضگی کے باعث آپ اپنے عہدہ سے مستعفی ہو کر یورپ میں چلے گئے۔ اور جب تک کامل پاشا کی وزارت کا خاتمہ نہیں ہوا۔ ترکی میں نہیں آئے۔

محمود شوکت پاشا کے وزیر اعظم ہونے پر آپ پھر قسطنطنیہ میں چلے آئے۔ اور مالی کانفرنس میں اپنی قوم کے حقوق کی پوری نگہداشت کی۔ چنانچہ روسی و ترکی معاہدہ کی کامیابی کا سہرا آپ ہی کے سر پہ ہے۔

جنگ بلقان میں آپ والنٹیروں کی جمعیت جمع کر کے بلغاری مورچوں پر لے گئے۔ جہاں اپنی دلیرانہ جرأت سے بلغاریوں کو پے در پے شکست دی۔

بوشنیہ ترکی فوج کے قبضہ سے نکل چکا تھا۔ آپ اپنی ہزیمت خوردہ فوج کو لے کر دشمن پر ایک دفعہ پھر حملہ آور ہوئے۔ اور دو گھنٹہ کی سخت خونریزی کے بعد نہ صرف بوشنیہ کو واپس لے لیا۔ بلکہ بلغاریوں کو شکست فاش دی۔ اور ان کے خطوط محاذ شتلجہ پر بھی قابض ہوگئے۔

اس کے بعد البانیا میں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوئے۔ حالانکہ

یہاں پر بلغاروی فوج کے ۷۰۰ سو نبرد آزما موجود تھے۔ لیکن کسی کو تاب مقابلہ نہ ہوئی۔

پھر کوپرلی اور مناسنتر کی فوج کے سپہ سالار بن کر مناسنتر کیطرف پیش قدمی کی۔ اور بلغاروی فوج کو بھگا دیا۔

ان ملکی و قومی خدمات کے صلہ میں سلطان المعظم نے آپ کی قابلیت کا اعتراف کرتے ہوئے۔ اول درجہ کا تمغہ عنایت فرمایا۔

آج کل آپ حکومت انگورہ میں ہیں۔ اور وہاں بھی اسلامی قومی و ملکی خدمت میں منہمک ہیں۔

زاغلول پاشا رئیس احرار مصر آپ عالی دماغ تربیت یافتہ اور حریت پسند عالم تھے شیخ عبدہ فاضل مصر کے ہمعصر تھے۔

سیاست تو آپ کی گھٹی میں پڑی تھی۔ آغاز شباب میں ہی آپ کے سیاسی مضامین جریدہ مصر۔ البرہان۔ المحروسہ۔ اور التجارۃ جیسے معزز اخباروں میں۔ شایع ہو کر آپ کی اظہار قابلیت کا باعث ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد نظارت داخلیہ میں اسسٹنٹ مقرر ہوئے۔

اس کے بعد محکمہ قضائیہ کی وزارت کا عہدہ آپ کو تفویض ہوا۔ ۱۸۸۲ء کو مصر میں جب ایک ہولناک فساد واقع ہوا۔ تو آپ کی حریت نوازی کے خیال سے حکومت کو آپ پر بھی اس تحریک فساد کا شک ہوا۔ اور اسی وجہ سے آپ وزارت سے علیحدہ کر دیئے گئے۔

۱۸۹۲ء میں محکمہ اپیل میں نائب قاضی مقرر ہوئے۔ اور پھر اپنی قابلیت سے مشیر کے درجہ تک ترقی کی۔

آپ کی علمی قابلیت مسلمہ تھی۔ حکومت نے پہلے آپ کو وزیر تعلیمات

کا عہدہ پیش کیا۔ اس کے بعد وزارت معارف پر مامور کئے گئے۔

لیکن باوجود ان مشاغل اور ملازمت کے فرائض انجام دینے کے آپ کا دل حریت کے جذبے سے معمور تھا۔ لوگوں میں اس کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔

لارڈ کرومر جب مصر سے رخصت ہوئے۔ تو انہوں نے اپنی الوداعی تقریر میں آپ کی نسبت ان الفاظ میں اظہار خیال کیا:۔

"سعد زاغلول پاشا سے اگرچہ میرے دیرینہ تعلقات نہیں ہیں۔ لیکن ان کے تھوڑے سے میل جول نے مجھ پر ثابت کر دیا ہے۔ کہ مجھے انکا احترام کرنا چاہیئے۔ اگر میں غلطی پر نہیں ہوں۔ تو میرے خیال میں ان کے سامنے ایسا مستقبل ہے۔ جو ملک کے لئے نہائت مفید ہوگا۔ کیونکہ ملکی خدمت کے لئے جو خدمات لازمی سمجھی گئی ہیں۔ وہ سب ان میں موجود ہیں۔ اور نہائت مستقل مزاج۔ شجاع صادق ہیں۔ اور ایسے لوگوں کے موردِ الزام بن چکے ہیں۔ جو اُن سے بہت کم رتبہ رکھتے ہیں۔ لہٰذا ان صفات کا متصف اپنے مقصد میں کبھی ناکام نہیں رہ سکتا۔"

جنگ یورپ کی آگ جب بھڑک اٹھی۔ تو اس اثنا میں آپ نے اخبارات کے ذریعے مصری قوم پرستوں کے خیالات معلوم کئے۔ اور انہی ایام میں جرمنی زبان سیکھی۔ حالانکہ اُس وقت ان کی عمر ساٹھ سال کے قریب تھی۔

جنگ یورپ ختم ہونے پر آپ مصر کے چیدہ چیدہ حریت نواز جانبازان ملک کی ایک جماعت لے کر ۱۳ ارنومبر ۱۹۱۸ء کو اس لئے لندن میں گئے۔ تاکہ نہ فقط سلطنت برطانیہ پر مصری قوم کے مطالبات ظاہر کر دیئے جائیں۔ بلکہ سارے دول یورپ کا سفر کر کے مدبرین سیاست

کے سامنے مسئلہ مصر پر گفت و شنید کی جائے۔
لیکن حکومت نے آپ کے اس مطالبہ کو مسترد کر دیا۔ اس وجہ سے تمام مصر میں مظاہرے شروع ہو گئے۔ جن کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔
اور اسی سلسلے میں مارچ ۱۹۱۹ء کو اُن کو اور ان کے تین رفقاء محمد محمود پاشا۔ اسمٰعیل صدقی پاشا۔ احمد الباس پاشا کو مالٹا میں جلاوطن کیا گیا۔
آپ کی اس جلاوطنی پر مصریوں نے پہلے سے بھی زیادہ شور و غوغا برپا کر دیا۔ آخر آپ ۷ اپریل ۱۹۱۹ء کو رہا کر دیئے گئے۔
بفضل ابھی تک آپ زندہ ہیں۔ اگرچہ آپ بہت بوڑھے ہو گئے ہیں۔ لیکن ملکی و قومی خدمت میں مصروف ہیں۔

انور پاشا آپ نہائت خوش رُو تربیّت یافتہ نوجوان ہیں۔ قسطنطنیہ کے مدرسہ حربیہ کی تعلیم سے فارغ ہو کر آپ ترکی فوج میں داخل ہوئے اور بہت جلد کرنیل کا درجہ حاصل کیا۔ عرصہ تک سپہ سالاران ترکی کے ایڈیکانگ رہے۔ ۱۹۱۳ء میں پاشا کا خطاب حاصل کیا۔
آپ اپنی مادری ترکی زبان کے علاوہ عربی۔ فارسی۔ فرانسیسی۔ انگریزی جرمنی۔ روسی زبانوں پر حاوی تھے۔ اور اپنی فطری ذہانت خندہ پیشانی خوش خلقی۔ قومی و ملکی ہمدردی کے باعث نہ فقط سلطنت عثمانیہ میں۔ بلکہ تقریباً دنیا بھر میں مقبول و مشہور تھے۔
۱۹۰۵ء میں آپ حلمی پاشا انسپکٹر جنرل مقدونیہ کے ایڈیکانگ تھے۔ اور اس زمانہ میں انجمن اتحاد و ترقی کا صدر مقام سالونیکا میں تھا۔ چنانچہ آپ بھی قومی و ملکی ہمدردی کے جذبے میں سرشار ہو کر۔ ایڈیکانگ کے عہدہ سے سبکدوش ہو کر اراکین انجمن

میں شامل ہو گئے۔

۱۹۰۸ء میں سلطان عبدالحمید خان نے جب شمسی پاشا کو ترکان احرار کی سرکوبی کے لئے مناستر میں بھیجا۔ ان دنوں انور پاشا بھی مناستر میں تھے۔ اور اُن کی جمعیت نے وہاں پورا اقتدار حاصل کر لیا تھا۔

چنانچہ ۷، جولائی ۱۹۰۸ء کو انور بے شمسی پاشا سے ملکر صاف لفظوں میں کہ دیا۔ کہ اگر وہ مناستر سے ایک منزل سے آگے بڑھے۔ تو ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جاوے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ شمسی پاشا دوسرے ہی روز قتل کر دیئے گئے۔ اور ان کی جگہ پر عثمان پاشا جب سپہ سالار بن کر آئے۔ تو وہ بھی قید کر لئے گئے۔

سلطان عبدالحمید کو انور پاشا کی ذہنیت اور شجاعت کا علم تھا۔ انہوں نے خیال کیا۔ کہ کسی طرح انور پاشا کو اپنے قابو میں لانا چاہیئے۔ اسی خیال کے مطابق انور پاشا کو سلطانی دعوت میں مدعو کر کے ان کی عزت و توقیر کرنے کا وعدہ کیا گیا۔ لیکن انور پاشا سمجھ گئے۔ کہ یہ میرے پھانسنے کا ایک جال ہے۔ اس لئے انہوں نے سلطانی دعوت کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

انور پاشا نے مناستر کے علاقہ میں آزادی اور خود مختاری کی ایسی آگ بھڑکا دی۔ جس کے شعلوں نے جمہوری سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔

اس نوجوان ترکی افسر کے وہ کارنامے ہر ایک شجاع کو حیرت میں ڈالے بغیر نہیں رہ سکتے۔ جو وہ اپنے وطن کی خدمت میں انجام دیتا ہے۔ انہیں محیر العقول کارناموں کے باعث اس کے دوست احباب اُسکی قوم اور اسکا ملک اُسے انتہائی عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔"

اٹلی نے یکم اکتوبر سنہ ۱۹۱۱ء جب ٹرکی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تو یہ وقت ٹرکی کے لئے نہایت نازک تھا۔ کیونکہ سلطنت عثمانیہ کی بحری طاقت نہایت کمزور تھی۔ اور ملک میں بدامنی کا طوفان اُمڈا ہوا تھا لیکن ملکی خدمت کو مدنظر رکھ کر انجمن اتحاد و ترقی نے ایک خفیہ جلسہ میں یہ فیصلہ کیا کہ بہت سے ترکی افسر طرابلس میں بھیجے جائیں جو وہاں پہنچکر عربوں کو جنگی قواعد سے آراستہ کریں۔

چنانچہ اس بندش کی زمانہ میں انور پاشا اپنی جان ہتھیلی پر رکھکر دشمنوں کی آنکھ میں خاک جھونکتے ہوئے مصر کے راستے سے طرابلس پہنچ گئے۔

اور وہاں سب سے پہلے ایک وفد حضرت شیخ سنوسی کی خدمت میں روانہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیخ سنوسی کی ذات بابرکات کی معرفت قبائل عرب میں اٹلی کے خلاف حیرت انگیز جوش پھیل گیا۔

انور پاشا کی ان دنوں کی خدمات کی نسبت مصر کے اخبارات نے اپنے اس طرح خیالات ظاہر کئے تھے۔

انور بے کے نام سے تمام دنیا واقف ہے اس مشہور و معروف شجاع داد و دہش اور غیر معمولی سخاوت پر ہمیں رہ رہ کر تعجب آتا ہے کہ غازی ممدوح کی فوجی لیاقت کا تمام دنیا لوہا مانے ہوئے ہے غازی انور بے نے اپنے قابل ماتحت افسروں عزیز بے علی المصری۔ اور مصطفٰے کمال بے کی مدد سے فوج کے باقاعدہ بنانے میں حیرت انگیز اور فوق العادت کامیابی حاصل کر لی

آپ نے مختلف قبائل عرب کی ایک فوج فرقتہ المحافظین کے نام سے بھی مرتب کی ہے۔

چنانچہ اس فرقتہ المحافظین جمعیت نے بھی ۲۱ دسمبر ۱۹۱۱ء کی جنگ میں اطالویوں کو شکست فاش دی تھی۔

اٹلی و ٹرکی کی صلح کے بعد ۳ دسمبر ۱۹۱۲ء کو طرابلس سے طبروق اور طبروق سے سلام پہنچے وہاں سے تھوڑی دور پر مربوط کی ریل کے ذریعہ اسکندریہ پہنچے۔ جہاں سے ایک جرمنی واقف کار افسر کی وساطت سے قسطنطنیہ میں صحیح وسلامت پہنچ گئے۔

۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو سب سے پہلے مانٹی نگرو نے ٹرکی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اس کے بعد سرویہ بلغاریہ اور یونان بھی ٹرکی سے بل پڑے ایسے نازک وقت میں انور پاشا قسطنطنیہ میں ہی تھے۔ اور میدان جنگ کی یہ حالت تھی کہ بلغاریہ و یونان نے نوایڈریانوپل کا محاصرہ کر رکھا تھا جنکی فوجیں قسطنطنیہ سے صرف ۲۵ میل کے فاصلہ مقام شتلجہ پر کھڑی تھیں۔ دوسری طرف سرویوں اور یونانیوں نے بعض اہم مقامات اپنے قبضے میں کر لئے تھے۔

ان حالات میں غازی انور پاشا نے چاروں طرف ایک گہری نظر ڈالی۔ اور پھر کچھ سوچ کر شتلجہ پہنچے وہاں ترکی فوج کے سامنے ایک پرجوش تقریر کے ذریعہ قومی حمیت جرات اور باہمی اتفاق کی تعلیم دی۔

ادھر انجمن اتحاد و ترقی کے سرگرم کارکن و ترکان احرار موجودہ وزیر کامل پاشا کو غدار ملک سمجھتے ہوئے انکو معزول کرنے کی فکر میں تھے۔ کیونکہ وہ سلطان المعظم کو دشمنوں کی ہیبت سے خائف کرتے ہوئے قسطنطنیہ تک چھوڑ دینے کا مشورہ دے رہے تھے۔

لیکن جانبازان ملک اس ذلت کو گوارا نہیں کر سکتے تھے اس لیئے انجمن اتحاد ترقی نے فیصلہ کر لیا۔ کہ یا تو دول متحدہ کی یادداشت کو منظور کرنے سے انکار کرایا جاوے یا کامل پاشا کو وزارت سے معزول کر دیا جائے۔ دوسرے روز غازی انور پاشا اپنی ایک ہزار جانثار فوج اور معیت نیازی بے طلعت بے وغیرہ قسطنطنیہ میں داخل ہوئے۔

غازی انور پاشا۔ خلیل پاشا۔ جمال پاشا سب سے آگے تھے انکے پیچھے طلعت بے عمر بے مدحت بے وغیرہ یہ تمام حضرات وزارت عظمٰی کے دفتر میں جہاں اس وقت وزارکی مجلس یادداشت کا جواب لکھنے کے لیئے منعقد تھی اپنے سادہ لباس میں بے روک ٹوک گھس گئے۔

لطیف بے نے راستہ روکا تو وہ ایک ہی گولی سے ٹھنڈا کر دیا گیا توفیق بے مزاحم ہوا۔ لیکن مارے خوف کے پیچھے ہٹ گیا۔

گولیوں کی پیہم آوازوں سے محافظ دستہ میں کچھ حرکت پیدا ہوئی۔ بلکہ ایک سپاہی نے تو انور پاشا کی طرف بندوق کی نالی بھی کر دی تھی۔ لیکن اس بہادر نے ذرا بھی جان کی پرواہ نہ کی نہایت مستقل مزاجی سے قدم بڑھاتے ہوئے اس ہال میں پہنچ گئے جہاں کامل پاشا اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کے لیئے موجود تھے۔

چنانچہ انور پاشا نے کامل پاشا کو مخاطب کر کے تحکمانہ انداز سے کہا۔

"میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ یا تو جنگ جاری رکھنے کی قسم کھاؤ یا اس کرسی سے الگ ہو جاؤ۔ اور اسے یاد رکھنا کہ تمہاری ذراسی حیل حجت اس کمرے کو خون آلود کر دے گی"

کامل پاشا۔ (خوف سے کانپ کر) میرا خیال جنگ جاری رکھنے کے خلاف ہے

انور پاشا ۔ سلطنت عثمانیہ کی فوج اور قوم ایڈریانوپل کو دشمنوں کے حوالے کرنا پسند نہیں کرتی اگر تم بلغاریہ کو ایڈریانوپل دینے پر تیار ہیں اور دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو آپ کو اپنی وزارت کی کرسی اُن لوگوں کے لئے فوراً خالی کر دینی چاہئے جو اس کرسی کے اہل ہیں اور اعدا کا مقابلہ کر کے ملک کی خدمت کر سکتے ہیں۔

کامل ۔ میاں صاحب زادے۔ کیا تم مجھ سے زیادہ تجربہ کار ہو۔ اگر ایسا ہے تم یا تمہارے ساتھی وزارت جیسے اہم کام کو انجام دے سکتے ہو تو یہ لو میرا استعفا۔

انور پاشا نے استعفا کو جیب میں ڈالکر اس کمرے کے چاروں طرف نظر ڈال کر حاضرین وزراء سے کہا جب تک نئی وزارت قائم نہ ہو جائے آپ لوگ اپنے آپ کو نظر بند سمجھیں۔

اگرچہ بندگان احرار کی تعداد نہایت قلیل تھی۔ لیکن حیرت انگیز انقلاب ایسی سرعت سے ظہور پذیر ہوا۔ جو مدت تک تاریخ دنیا میں مشہور رہیگا۔ اس کام سے فارغ ہو کر آپ نے فوجی حالت کو درست کیا۔ کیونکہ تھوڑے ہی عرصہ میں وزیر جنگ عزت پاشا نے اپنی جگہ پر آپ کو وزیر جنگ مامور کر دیا تھا۔ اس وقت سے آپ کی تمام کوششیں فوجی طاقت پر صرف ہونے لگیں جنگ یورپ کے شروع ہونے پر اگرچہ آپ کے رفقا اس جنگ میں ٹرکی کا حصہ لینا مناسب نہ خیال کرتے تھے۔ لیکن آپ کی جرأت نے ٹرکی کو جنگ یورپ میں شامل کر دیا۔ لیکن اس جنگ نے ٹرکی کو جسقدر نقصان پہنچایا۔ اس کا مختصر حال ہم گذشتہ صفحات پر تحریر کر چکے ہیں۔

انہی حالات کی مجبوری سے آپ ۱۹ اکتوبر ۱۹۱۹ء میں وزارت جنگ

کے عہدے سے مستعفی ہو کر ٹرکی سے نکل گئے

چند سال ہوئے آپ کے شہید ہونے کی خبر سے تمام عالم میں صفِ ماتم بچھ گئی تھی۔ لیکن ابھی حال ہی میں افواہ مشہور ہوئی ہے کہ آپ زندہ ہیں اور اتحادِ اسلام میں کوشاں ہیں۔ خدا جانے یہ خبر صحیح ہے یا غلط۔ نہ ہمیں اس کا علم ہے اور نہ یہ تحقیق ہوا کہ آپ کس جگہ میں قیام پذیر ہیں۔

غازی مصطفیٰ کمال پاشا آپ بڑے روشن دماغ سیاست دان اور دلیر بہادر ہیں۔ مدرسہ حربیہ قسطنطنیہ میں تعلیم تکمیل کر کے ترکی فوج میں ملازم ہوئے ابتدا میں آپ انجمن اتحاد ترقی کے مخالف تھے۔ لیکن قومی و ملکی ہمدردی کے جذبے سے متاثر ہو کر آخر آپ بھی انجمن ہذا کے ایک رکن بن گئے۔

جنگ طرابلس کے دنوں میں عربوں کے تنظیم و ترتیب کرنے اور دشمن کی مدافعت کے لئے جو ترک افسر قسطنطنیہ سے طرابلس روانہ ہوئے ان میں آپ کا اسمِ گرامی بھی روشن ہے۔

جنگ بلقان کے موقعہ پر آپ نے غازی محمود مختار پاشا کی ماتحتی میں جس دلیری سے فوجی خدمات انجام دی ہیں اسکا اعتراف غازی محمود مختار پاشا نے اکثر جگہ کیا ہے۔

جنگ یورپ میں ایک شدید خطرناک فوجی محاذ پر یعنی درہ دانیال میں آپ بھیجے گئے۔ آپ نے ایسی قابلیت اور شجاعت سے وہاں اپنے فرائض منصبی انجام دیئے جس پر جرمن سپہ سالار و دیگر ترک افسروں کو حیرت تھی۔

گیلی پولی کے مقام پر آپ نے دشمن کو شکست فاش دیکر اپنی شجاعت کا ثبوت دیا جس کے صلہ میں آپ کو پاشا کا خطاب ملا۔

جنگ یورپ کے بعد ۳۰ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو جب ٹرکی جنگ سے دست بردار ہو گیا۔ اور قوم کے جانباز وطن پرست لیڈر قید اور جلا وطن کئے گئے انہیں آپ مشرقی ترکی فوج اناطولیا کے کمانڈر تھے۔ آپ نے اسوقت تمام قدر کاران ملت کو دعوت دی جو لوگ قوم کا حقیقی درد دل میں رکھتے تھے وہ فوراً مصطفےٰ کمال پاشا کے پاس پہنچ گئے۔

ادھر سلطنت عثمانیہ نے اتحادیوں کے کہنے سننے سے معاہدہ کیا اس کے مطابق مصطفےٰ کمال پاشا کو اس مضمون کا حکم پہنچا کہ وہ فوراً آستانہ حاضر ہوں یا اپنے آپ کو فوج کی کمان سے علیحدہ کریں۔ لیکن مصطفیٰ کمال پاشا نے اس حکم کی تعمیل کرنے سے انکار کر دیا۔ اور آپ کی زیر کمان فوج نے بھی آپ کا ساتھ دیا۔ چنانچہ اس قوم پرست جدید جمعیت نے سب سے پہلے گیلی پولی میں سامان جنگ کے ایک بڑے ذخیرے پر اچانک حملہ کر کے۔ پانچ لاکھ کارتوس اور ۱۳ کلدار توپیں اپنے قبضہ میں کر لیں۔ اور جانب ایشیا لے گئے۔

ماہ اپریل ۱۹۲۰ء میں آپ کے خلاف ایک مہم بھیجی گئی۔ لیکن آپ کی صداقت و شجاعت کے باعث اس مہم کو پوری شکست ہوئی بلکہ ہزاروں سپاہی اور افسر معہ سامان حرب وغیرہ مصطفےٰ کمال پاشا سے مل گئے اس دن سے مقام انگورا سے مصطفیٰ کمال پاشا نے اپنی جدید ترکی سلطنت کا تمام دول یورپ میں اس مضمون کا اعلان کر دیا۔

"جب تک خلیفہ اور دارالخلافہ پر غیر اقوام کا نامنصفانہ قبضہ ہے اسوقت تک سلطنت ٹرکی کی باگ ہمارے ہاتھ میں رہے گی"۔ ترک دارالحکومت اور حکومت کو اتحادیوں کے پنجہ میں گرفتار سمجھتے ہیں۔ لہذا قسطنطنیہ کے فتاوی اور احکام ترکی قوم کے لئے واجب التعمیل نہیں۔

ترکوں نے اپنی آزادی کو بحال رکھنے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے وہ صرف اسی صلح کو پسند کرینگے جس میں ترکی حقوق کا پورا خیال رکھا گیا ہو۔ ترکی قوم اپنے اصلی نمائندوں کے سوا کسی سے اور کوئی معاہدہ کرنے کا مجاز نہیں سمجھتی۔

عیسائی اور دیگر غیر ممالک کے باشندے جو اسوقت ملک میں موجود ہیں وہ قوم کی حفاظت میں رہینگے اور اُن کے لئے ضروری ہے کہ وہ ملک کے عام فوائد کے خلاف کوئی فعل نہ کریں۔

انہیں دنوں میں جب ارمنوں کے کشت و خون کا ذمہ وار مصطفیٰ کمال پاشا اور انور پاشا وغیرہ کو سزائے موت کا حکم دیدیا۔ تو آپ نے انقرہ میں ایک زبردست تقریر کی جس کا ماخذ یہ ہے۔

"اللہ کی زمین پر ایسی کوئی قوم نہیں جس نے دولت عثمانیہ کی طرح غیر مذاہب کے حقوق کا پاس و لحاظ رکھا ہو۔ میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ وہ قوم ترک ہے جنہوں نے ہمیشہ اپنے آپ کو خطرے میں ڈالکر دوسروں کی حفاظت کی ہے چنانچہ سلطان محمد جب قسطنطنیہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے دوسرے . . . . مذاہب کے پیشواؤں کو بہت سے حقوق اور وسیع آزادی دیکر اقوام عالم پر ظاہر کر دیا کہ ترک مفتوح قوموں کے ساتھ کس قدر وسعت اخلاق سے کام لیتے ہیں۔ سلطان مرحوم نے غیر اقوام کے احساسات اور مذہبی روایات کا پورا پورا احترام کیا۔

کوئی یہ خیال نہ کرے کہ میرے پاس اس دعویٰ کی یہی دلیل ہے جو میں عرض کر چکا ہوں۔ نہیں بلکہ ترکی تاریخ کے اوراق اس قسم کی شاندار روایات سے بھرے ہوئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ صلح کانفرنس نے ہمارے دشمنوں کے بیانات کو صحیح مان لیا ہے جنہیں طرح طرح کے الزامات ہم پر تراشے گئے ہیں

لیکن یاد رکھو کہ ہمیشہ صداقت کو ہی فتح حاصل ہوتی ہے ترکی سرحدات کے متعلق فرید پاشا نے اپنے سرکاری بیان میں جو کچھ کہا ہے اسے ہم کبھی نہیں تسلیم کر سکتے کیا انہیں یاد نہیں کہ فارس کے جنوبی علاقوں کی عربی بولنے والی آبادی اور فارس سے اناطالیہ تک تمام ترکی رعایا کی رگوں میں صدیوں سے ترکی خون پیوست ہو چکا ہے مانا کہ ہم پر الزام لگا کر اپنا اُلّو سیدھا کر لیا گیا ہے لیکن اسباب کو یاد رکھنا چاہئے کہ یہ بہادر قوم مصائب سہنا کے بعد اب اسباب پر کمر بستہ ہو گئی ہے کہ اپنے پائمال شدہ کی حفاظت بزور شمشیر کرے۔"

یہ طویل تقریر جاری رکھتے ہوئے آپ نے اخیر پر فرمایا۔

"۳۱ نومبر ۱۹۱۸ء کو التوائے جنگ کے معاہدہ پر ہم نے دستخط کر دیئے تھے ہم نے یہ بھی تسلیم کر لیا تھا کہ زائد عثمانی افواج ہماری موافقت سے منتشر کر دی جائینگی لیکن انگریزوں نے فوراً موصل کی جانب پیش قدمی شروع کر دی اور قسطنطنیہ پر بحری و بری قبضہ کر لیا۔ پھر اطنہ ارذملین تاب اور مراش پر انہوں نے اور فرانسیسیوں نے تسلط جما لیا۔ حالانکہ یہ تمام کارروائیاں معاہدہ التوائے جنگ کے صریح خلاف یقیناً ہیں تک نہیں کیا گیا۔ بلکہ مسٹر ولسن کے اصول کو تسلیم کرنے کے بعد ہی ہماری سلطنت کو تقسیم کر لیا جس کا نام انہوں نے حکم برادری رکھا۔ اس کے علاوہ ہم پر طرح طرح کے جھوٹے الزام لگائے گئے۔ ہماری شاندار روایات ماضی کی طرف سے منہ پھیر کر یہ بنا کو بتایا گیا کہ ہم ترک حکومت کرنے کے ناقابل ہیں۔

لیکن دنیا جانتی ہے کہ ہم نے کس طرح ایک چھوٹی سی ریاست سے ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی اور یورپ کے قلب و جگر میں گھس کر کس طرح

اپنی عظمت و جلال کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ جو قوم ایسی عظیم الشان سلطنت قائم کر سکتی ہے لازم ہے کہ اس میں تمام سیاسی اور انتظامی قابلیتیں موجود ہوں"۔

آپ کی اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ مصطفےٰ کمال پاشا کا پایہ مدبرین سیاست سے کسقدر بلند ہے۔

۱۷ مارچ ۱۹۲۰ء کو جب اتحادیوں نے قسطنطنیہ پر باقاعدہ قبضہ کر لیا اس سے چند روز پہلے یونان نے سمرنا پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور سلیشیا پر فرانسیسی فوج تسلط جمائے ہوئی تھی۔ ترکی کا قدیم دشمن آرمینا بھی اتحادیوں کے اشارے سے فتنہ و فساد پہ آمادہ تھا۔ علاوہ ان مصائب کے ادھر سلطنت عثمانیہ نے اتحادیوں کے کہنے سے میرا حرار کی سرکوبی کے لئے ایک لشکر بھیجا۔

اسوقت آپ کے صبر و استقلال۔ دلیرانہ شجاعت مستقل مزاجی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آپ نے نہایت استقلال سے ان تمام مصائب کا مقابلہ کیا۔ اور اپنی جدید سلطنت کو اغیار کے چنگل سے بچا لیا۔

۹ ردسمبر کو آخر کار مجبور ہو کر آرمینا نے ترکوں کے ساتھ صلح کر لی جس کی رو سے آرمینا پر ترکی قوم پرست قابض ہو گئے۔

آرمینا پر قبضہ کرنے کے بعد آپ نے فرانس کو تخلیہ سلیشیا پر مجبور کیا چنانچہ ۲۸ر اپریل کو آرفہ کے مقام پر سخت خونریز جنگ ہوئی جس میں فرانسیسیوں کی فوج کا بہت نقصان ہوا۔ اور جنگ میں التوا ہوا ۱۷ جون کو بعد میعاد التوائے جنگ شروع ہو گئی۔ اور سلشیا میں فرانسیسی پلٹن ترکوں نے گرفتار کر لی۔

۱۳ دسمبر کو انطاکیہ سے چالیس میل بجانب جنوب مشرق فرانسیسی اور ترکی فوج کے درمیان پھر جنگ ہوئی۔ جس میں بہادر ترک حملہ آوروں نے سامان حرب اور بہت سے آدمی گرفتار کر لئے۔

ان پیہم شکست یابیوں کے بعد فرانس نے آخر کار سلیشیا کا علاقہ خالی کر دیا۔
اس کے بعد آپ کو یونان سے معرکہ آرا ہونا تھا۔ چنانچہ یونان کی پہلی لڑائی ۱۴۔ اپریل ۱۹۲۱ء میں شاہ یونان کا بھائی مارا گیا اور یونانیوں کو شکست فاش ہوئی۔

دوسری دفعہ آپ خود سپہ سالار بنکر یونان سے معرکہ آرا ہوئے اور میدان جنگ سے فوج کوچ کرا کے دریائے سگاریہ پر لے آئے یہ مقام انگورا سے چالیس میل کے فاصلہ پہ تھا۔ وہاں آپ نے کئی میل تک پوشیدہ توپ خانے قائم کر دیئے۔ چنانچہ جب یونانی فوج اس مقام پر ترکی فوج پر حملہ آور ہوئی تو تمام پوشیدہ توپ خانوں کے منہ کھول دیئے گئے جس سے چند ہی گھنٹوں میں ایک لاکھ یونانی تباہ ہو گئے۔ اور آپ کی اس شاندار فتح نے دنیا میں تھلکہ ڈال دیا۔

ان لڑائیوں سے فارغ ہو کر اپنی سلطنت کے انتظام کی طرف توجہ کی اور ایسی خوش اسلوبی سے تمام انتظامات کیے جس کا تمام یورپ کو اعتراف ہے
اسی سلسلے میں آپ نے تمام اسلامی سلطنتوں کو یگانگت و اتحاد کے مضبوط سلسلے میں منسلک کرنے کا بہترین کام انجام دینا چاہا۔
چنانچہ اس خیال کی عملی دلیل افغانستان اور جدید ترکی کا اتحاد ہے، پچھلے دنوں میں آپ کی حکومت کی طرف سے غازی جمال پاشا (جو جنگ یورپ کے وقت شام کے ترکی لشکر کے وزیر اعظم تھے) افغانستان میں تشریف لائے۔ امان اللہ خان (حال امیر کابل) نے آپ کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ اور چند روز کے بعد دولت افغانیہ اور دولت عثمانیہ کے درمیان ایک عہد نامہ مرتب ہو گیا جس میں افغانستان نے ترکوں کے حق خلافت کو تسلیم کر لیا۔

سلطان ابن سعود اور واقعات حاضرہ

یہ ۱۹۲۳ء کے واقعات ہیں۔ اگرچہ اس وقت سلطنت عثمانیہ اپنی باہمی کمزوریوں اور اہل یورپ کے جور و استبداد سے پامال ہو رہی ہے لیکن دو خادم اسلام اسوقت بھی اس اسلامی سلطنت کے محافظت میں شمشیر بکف ہیں۔

ان دو جانبازان قوم میں ایک تو کمال پاشا ہیں جو حدود ترکی میں دشمنان اسلام سے معرکہ آرا ہیں۔ دوسرے سلطان ابن سعود جو حجاز میں اپنی شمشیر خارا شگاف سے باطل پرستوں کا قلع قمع کر رہے ہیں۔

ترکی میں اسوقت بھی یعنی سنہ ۱۹۲۶ء میں بھی فرانس اور انگلستان کی فوجیں مصطفےٰ کمال پاشا کے سامنے ہیں اور آپ نہایت مدبرانہ اور دلیرانہ مدافعت کر رہے ہیں۔

انگلستان زیادہ تر قبضہ موصل کے درپے ہے اور فرانس دمشق کی نسبت اپنے حرص آز نکالے ہوئے ہے۔

یہ دونوں سلطنتیں سلطنت عثمانیہ کی طرح اپنی چالوں سے جدید ترکی اور حجاز کے درپئے آزار ہیں اور طرح طرح کے منصوبے باندھ رہی ہیں۔

اُدھر تو یہ حالات رونما ہو رہے ہیں ادھر حجاز میں شریف مکہ اور اس کے جانشین عبداللہ جنہوں نے دنیاوی طمع سے حجاز کو ناپاک کرنے کی کوشش کی تھی اُنکی امیر سعود نے سرکوبی کرتے ہوئے زیارات مقدسہ کو پامال کر کے اکثر مسلمانوں کو روحانی صدمہ پہنچایا ہے۔ اس کی نسبت ہندوستان کے مسلمانوں نے فرقہ وارانہ اثر سے متاثر ہو کر سنہ ۱۹۲۶ء میں خود سلطان ابن سعود کی خدمت روانہ کر کے اُن سے یہ مطالبات کئے

(۱) نجد و حجاز کی جنگ کے دوران میں جو مقابر مسمار کئے گئے ہیں انکو از سر نو تعمیر

کر دیا جائے

(۲) جن لوگوں نے ہدم قباب کے جرم کا ارتکاب کیا ہے اُن کو سزائیں دی جائیں۔

(۳) حجاز میں مذہبی آزادی اور عقائد کی رواداری کا یقین دلایا جائے۔

(۴) حجاز کی حکومت کا نظام اہل حجاز کی مرضی کے مطابق مرتب کیا جائے۔

(۵) دنیائے اسلام کی ایک کانفرنس منعقد کی جائے۔

(۶) سلطان نجد سے برطانیہ سے جو معاہدے کئے ہیں وہ وفد کو دکھائے جائیں۔

ان مطالبات کے متعلق اگرچہ وفد کو پہلے اس بات کا یقین دلا دیا تھا کہ جو مقابر مسمار ہوئے ہیں وہ فوج کی ناواقفیت اور غفلت کے باعث منہدم ہوئے ہیں۔ اگر مذہب اسلام میں ان قبوں کا جائز ہونا مجھ پر ثابت کیا جاوے تو میں انکو از سر نو تعمیر کر دونگا۔

لیکن ہمیں افسوس ہے کہ مابعد میں بھی سلطان کے حکم سے کئی مقدس روضے اور قبرستان۔ حتیٰ کہ جنت البقیع تک کی متبرک قبریں مسمار کر دی گئیں

اس میں کچھ شک نہیں کہ سلطان ابن سعود کا مذہب اس فعل کو جائز نہیں سمجھتا لیکن ان کو دیگر مسلمانوں کے عقاید اسلام کا بھی لحاظ رکھنا چاہیئے تھا۔ ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ سلطان ابن سعود نے اسلامی دنیا کی نمایاں خدمت انجام دی ہے اور اگر ان کی تقریر ان کے دلی خیالات کا عکس ہے اور وہ اپنے ان خیالات کے مطابق صداقت کے ساتھ عمل پیرا ہیں تو ہمیں اس بات کا تعجب ہے کہ باوجود

ایسے خادم اسلام نے کروڑوں مسلمانوں کے عقائد کا کیوں لحاظ نہیں رکھا چنانچہ ذیل میں ہم انکی تقریروں کا خلاصہ درج کئے دیتے ہیں مسلمانان ہندوستان کے ایک وفد کو رخصت کرتے وقت سلطان ابن سعود نے فرمایا۔

"میرا نصاریٰ سے معاہدہ ہے کہ جب تک تم میرے دینی شرف اور وطنی شرف اور عربی شرف سے تعرض نہ کروگے اسوقت تک میں تم سے کوئی تعرض نہیں کرونگا۔ لیکن جب تم میرے شرف اور وطنی شرف اور عربی شرف پر حملہ کروگے تو میں تمہارے توپ خانوں اور ہوائی جہازوں سے بالکل بے پرواہ ہوکر تمہارے خلاف جنگ کا اعلان کرونگا۔

جب آپ سے اس معاہدہ کے متعلق یہ کہا گیا" کہ بعض لوگوں کو شبہہ ہے کہ آپنے انگریزوں سے حال میں جو معاہدہ کیا ہے اس میں موصل کے متعلق ترکوں کے خلاف لڑنے یا کم از کم خاموش بیٹھے رہنے کا عہد کیا ہے؟ اسپر آپنے فرمایا۔

"واللہ یہ تہمت ہے اس معاہدے میں موصل یا ترکوں کا ذکر نہیں آیا۔ میں مسلمان ہوں اور میرے دل کو ہر مسلمان کے رنج سے رنج پہنچنا لازمی ہے۔ اگر اس معاہدہ میں کوئی کلمہ مسلمانوں کے یا اسلام کے یا عرب کے یا قوم کے یا شرف کے خلاف ہو تو میں خدا سے اور رسول سے اور دین سے محروم رہوں۔ اس کے سوا میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ میں اسلام کے لئے مر رہا ہوں۔ کتاب۔ سنت۔ سلف۔ اور ائمہ اربعہ سب میرے سر پر ہیں انکے سوا جو کچھ ہے دیوار پر پھینک دینے کے قابل ہے اس پر میری

گردن کٹ جائے تو پرواہ نہیں میرا نصب العین اجتماع کلمہ ہے۔

ان تقاریر میں جو خیالات سلطان ابن سعود کے ہیں وہ مسلمانوں کے لئے مبارک ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ عام مسلمانوں کے عقائد سے آپ کو اختلاف ہے۔

چنانچہ جب مقامات مقدسہ اور زیارات عالیہ و قبے گرا دینے کے متعلق آپ سے استفسار کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔

"میں وہ سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہوں جو کتاب و سنت واسوۂ سلف صالح اور ارشادات ائمہ اربعہ میں موجود ہو ورنہ نہیں کرونگا۔ باقی رہا عوام کا اضطراب یا فساد انگریزی کا مسئلہ تو مجھے خدا کے سوا کسی کا خوف نہیں۔ میں کسی کو خدا اور اُس کے رسول سے یا سلف صالحین و ائمہ اربعہ سے افضل نہیں سمجھ سکتا۔"

خیر یہ تو عقائد کا اختلاف ہے جنکو ہماری تاریخ سے کچھ تعلق نہیں تاہم دشمنان اسلام کی مدافعت کے لئے آپ کا دم غنیمت ہے۔ پھر ایسے موجودہ وقت میں جبکہ ادھر تو فرانس انگلستان یونان وغیرہ ترکی کے خلاف ہیں۔ اور اسطرف حجاز میں شطرنج کی سی چالیں چلی جاتی ہیں۔

حال ہی میں انگلستان کی طرف سے سر گلبرٹ کلیٹن سلطان ابن سعود کی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہوئے تھے کہ کسی نہ کسی طرح سلطان موصوف کو برطانوی خاوار حکمت عملی کے جال میں پھانس لیں۔

لیکن جب یہاں ان کی دال نہ گلی تو سر گلبرٹ صاحب فی الفور صنعا جو والی یمن امام یحییٰ کا دار السلطنت ہے، پہنچے۔ چنانچہ امام یحییٰ نے نہایت

تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا۔ سر گلبرٹ نے معاہدہ کے متعلق کچھ گفت وشنید کی۔ گو ابھی تک یہ معلوم نہیں ہوا کہ معاہدہ مرتب ہو گیا ہے یا نہیں لیکن قاہرہ کا پیغام مظہرہ ہے کہ یمنی فوج نے امام یحییٰ کے بیٹے کی سرکردگی میں عسیر کے دو شہروں کا محاصرہ کر لیا ہے چونکہ عسیر سلطان ابن سعود کے زیر اثر ہے لہٰذا اندیشہ ہے کہ مبادا سلطان ابن سعود اور امام یحییٰ کے درمیان معرکہ کارزار نہ گرم ہو جائے۔

امام یحییٰ آغاز کار ہی سے ترکوں کے بہت بڑے مداح اور وفادار رہے ہیں۔ جب شریف حسین نے خلیفۃ المسلمین کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا۔ جب بھی امام یحییٰ اس فتنے سے الگ رہ کر ترکوں ہی کے ساتھ وابستہ رہے تھے۔ ایسے شخص کا انگریزوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن جانا سخت حیرت انگیز ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ امام یحییٰ عرب میں سلطان ابن سعود کے روز افزوں نفوذ و اقتدار سے بہت متاثر ہوئے ہیں اور اب اس نفوذ و اقتدار کے مقابلہ میں انگریزوں کی مدد سے صف آرا ہونا چاہتے ہیں۔

ہمیں امام یحییٰ جیسے بیدار مغز آدمی سے یہ توقع ہرگز نہ تھی ہمیں اب بھی یقین ہے کہ سلطان ابن سعود کا تدبر بروئے کار آئے گا اور ممدوح امام یحییٰ کو ہر طریق سے سمجھا بجھا کر مصالحت قائم رکھنے کی ضرورت کو قائل بنا لیں گے۔ کیونکہ زمانہ موجودہ میں مقامات مقدسہ کا انتظام کما حقہ ہو رہا ہے اور حجاز کو نو سال کے بعد امن و رفاہ کی صورت دیکھنی نصیب ہوئی ہے۔ ایسی حالت میں جو ذی اقتدار انسان محض ذاتی مقاصد کے لئے اس امن امان کو درہم برہم کرے گا وہ مخالفین کے ہاتھوں کو تقویت

پہنچائے گا اور جزیرۃ العرب میں اغیار (انگریزوں) کے تداخل کا معاون سمجھا جائے گا۔

خدا کرے کہ امام یحییٰ اپنی غلطی کو جلد محسوس کریں۔

شریف حسین کا انجام اُن کے سامنے ہے جس نے برطانیہ کے وعدوں پر اعتبار کر کے اسلام و ایمان بھی بیچ دیا۔ لیکن دنیائے اسلام نے اس کو مردود و ملعون قرار دیا اور انگریزوں نے بھی عین مصیبت کے وقت اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔

ہمیں اُمید ہے کہ امام یحییٰ بہت جلد عاقبت اندیشی سے کام لیں گے اور سلطان ابن سعود کے خلاف تلوار نہ اٹھائینگے۔ اس لئے کہ یہ طرز عمل خلاف شریعت اور منافی مقاصد اسلامیہ ہونے کے علاوہ خود امام یحییٰ اور اُن کے علاقے کے لئے پیام اجل ثابت ہو گا کیونکہ امام یمن اغیار سے امداد پا کر بھی ابن سعود کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

آخیر پر اللہ تعالیٰ کے اُس فضل بے پایاں کا جو خاکسار مؤلف کی ۳ سالہ دماغی محنت کے شامل حال رہا ہے بہ صمیم قلب شکریہ ادا کرتے ہوئے قارئین کرام سے التجا ہے کہ وہ میری زندگی کی اس آخری تالیف سے استفادہ حاصل کرتے ہوئے ازراہ کرم میری اور میرے پبلشر کی زندگی میں دعائے خیر سے اور میرے مرنے کے بعد دعائے مغفرت سے مجھے یاد فرمائیں اور اپنے قابل احترام اہل قلم برادران محترم سے یہ استدعا ہے۔ کہ اگر کوئی اہل قلم ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۷ء سے آئندہ سنین کی تاریخ اسلامی مدون کرنا چاہیں تو خاکسار مؤلف کی اس گذشتہ چہار صد سالہ تاریخ اسلام کو بھی مد نظر رکھیں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

تمت بالخیر

شوق (امرتسری)

کتب خانہ دین محمدی کی شہرہ آفاق کتابیں

محمد حسین کاتب نویس — ونقاش عادل

تفسیر موضح القرآن اردو	۳ـے ر	ہندستان کی شہزادیاں	۸ر	کتاب التعویذات	۸ر	خلاصۃ النکاح	۳ر	دیوان حافظ	۸ر
تفسیر سورۂ یوسف اردو	۸ر	تاریخ شاہان اسلام	۱۲ر	مسدس حالی	۶ر	تولید نامہ	۳ر	قصۂ احمد جامی چہارپری	۴ر
قرآن مجید ۲۲۔۲۹ چوب		تعلیم نسواں کی پہلی	۲ر	قرابادین قادری	عہر	پکی روٹی کلاں	۳ر	بدایع منظوم فارسی	۴ر
سعید کلاں	۳ـے/۸ر	تعلیم نسواں کی دوسری	۳ر	الف لیلہ	عہر	مسی روٹی معہ مراجنا نقیہ	۴ر	بول چال فارسی	۱۲ر
قرآن مجید ۲۰×۳۰ $\frac{1}{4}$		تعلیم نسواں کی تیسری	۴ر	داستان امیر حمزہ	عہر	شرح نجات المومنین	۱۲ر	تحفۂ نصایح	۵ر
چوب قلم	۳ـے/۸ر	تعلیم نسواں کی چوتھی	۵ر	طوطا مینا	۶ر	درمجالس	۵ر	نحو میر فارسی	۳ر
قرآن مجید ۲۲۔۲۹ $\frac{1}{8}$		قاعدہ اسلام سے لیکر		حاتم طائی	۶ر	مجموعہ سلطانی	۴ر	انشائے صفدری فارسی	۳ر
سعید ۱۵ سطور	عہر/۸	اسلام کی ساتویں تک	عہر/۱۲	انوار سہیلی	۲ر	تنبیہ الغافلین	۸ر	کتب نامہ فارسی	۵ر
قرآن مجید ۲۲۔۲۹ $\frac{1}{8}$		رفیق نسواں	۸ر	گلستان چوب قلم	۱۲ر	شرع محمدی	۵ر	مصدر فیوض	۳ر
مترجم شاہ رفیع الدین	۳ـے ر	سوانحعمری چہار یار	۱۲ر	بوستان چوب قلم	علہ	ضرورت المسلمین	۳ر	صرف میر	۳ر
نماز حنفی مدلل حصہ اول	علہ	صبح کا ستارہ	۲ر	قصہ ڈھول بادشاہ	۵ر	مقاصد الصالحین	۴ر	انگلش ٹیچر	۶ر
ایضاً حصہ دوم	علہر	میلاد اکبر	۶ر	میزان الطب اردو	۶ر	پیغمبروں کے حالات	۵ر	تحفۃ العشاق	۴ر
جواہر القرآن	۴ر	رکن دین	۸ر	خطبات دین محمدی	عہر/۸	ولیوں کے حالات	۵ر	مولود شریف شہید	۴ر
دلائل الخیرات	۸ر	مصباح الصلوٰۃ	۹ر	ہیر وارث شاہ کلاں	علہر	تعلیم نامہ	۲ر	زیور ایمان	۵ر
اقوال الاولیاء	۸ر	زیور ایمان	۵ر	سیف الملوک	علہر	ادیب نسواں	۵ر	خدا کی رحمت	۳ر
اقوال الرسول	۸ر	گلزار حسین	۴ر	ہنسی کا گول گپا	۴ر	انشاء نسواں	۴ر	مولود شریف جدید	۳ر
مناصر الشہادتین	۱۲ر	رقعات غالب	۲ر	بنگال کا جادو	۴ر	زنانہ خط وکتابت	۵ر	مولود رحمت الرحیم	۳ر
سوانحعمری رسول مقبول	علہر	مولنا شبلی کے تاریخی		راہ جنت	۴ر	انتظام خانہ داری	۴ر	ریاض اکبر	۴ر
بہشتی زیور کامل معہ		مضامین	۲ر	فضائل بسم اللہ	۱۰ر	کھانا پکانا	۴ر	محفل گیارہویں	۴ر
بہشتی گوہر	عہر/۸	بابو نذیر احمد کے علمی		ترکیب الصلوٰۃ	۳ر	ہنر آموزی	۴ر	مناجات مقبول	۳ر
مسائل دین محمدی	۸ر	مضامین	۶ر	ترتیب الصلوٰۃ	۵ر	پردۂ نسواں	۴ر	مجموعہ اعجاز عیسوی	۴ر
احکام دین محمدی	۳ر	گلزار اکبر	۳ر	فضائل الشہور والصیام	۴ر	رفیق نسواں	۸ر	طلسم روحانی	۴ر
قصص الانبیاء کلاں	عہر/۸	نہال روضۂ اکبر	۴ر	سرمایۂ آخرت	۶ر	لیڈی ڈاکٹر یا طبیب النساء	۳ر	گنجینۂ عملیات طاسمی	۱۰ر
قصص الانبیاء خورد	۱۲ر	عملیات غوثیہ	۴ر	تحفۃ الزوجین	۳ر	بہشتی حوریں	۴ر	اعجاز محمدی	۳ر
تذکرۃ الاولیاء	عہر/۴	عملیات چشتیہ	۴ر	احکام العیدین	۲۰ر	خورشید جہاں	۴ر	حرز سلیمانی	۸ر
کیمیائے سعادت اردو	۳ـے ر	عملیات صابریہ	۴ر	مفتاح الجنت	۵ر	سوانحعمری زیب النساء	۳ر	دولتمند بننے کی پالیسی	ر
وڈی احوال الآخرت		عملیات علی ہجویری	۴ر	ترجمہ اردو کنز الدقائق	عہر/۸	گلزار سہیلی	۲ر	ترکیبیں	۳ر
بزبان پنجابی	۵ر	کنز المحسنین اردو	۱۲ر	صراط الاسلام	۳ر	حکایات لطیف	۲ر	تین سپاہی حصہ اول	۵ر
آداب الاستاد والوالدین	۵ر	کتاب التعویذات	۶ر	زینت القاری	۳ر	ابواب الصرف	۳ر	تین سپاہی حصہ دوم	۹ر

کالوار ولاہور — بل روڈ

ملنے کا پتہ ملک دین محمد اینڈ سنز تاجران کتب لاہور کشمیری بازار

سرورق وتصاویر در زینتہ پریس بل روڈ لاہور طبع شد